کتاب ذہر ہم کی کتب شیخ محمد عبد اللہ ابن مولوی فقیر اللہ صاحب تاجر کتب لاہور محلہ ساوہوں سے طلب فرماویں

حسب ضابطہ رجسٹری شدہ ہے

تمہاری تاریخ سے بڑھ کر تمہارے لئے کوئی معلم نہیں ہو سکتا

سیرۃ الفاروق

یعنی

جناب فاروق اعظم امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ خلیفہ ثانی کی

سوانح عمری و حالات خلافت

مع دیباچہ

مؤلفہ

جناب منشی سراج الدین احمد صاحب متولی سابق ایڈیٹر سرمور گزٹ

حال مالک اخبار چودھویں صدی

بفرمائش

منشی محمد فضل الدین صاحب گگے زئی تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت

بازار کشمیری

لاہور

مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور

قیمت فی جلد عہ

مشہور معروف شہرۂ آفاق بزرگوں کی قابل دید

تذکرے اور سوانح عمریں

سوانح عمری رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ جناب سرور عالم شافع محشر فخر زمن محبوب ذوالمنن شاہنشاہ عرب وعجم محبوب رب العالمین شفیع المذنبین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی پاک زندگی کی حالات مع حالت جاہلیت عرب کے درج ہیں ۶/

تذکرۃ الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یعنی جناب ابو عبداللہ سید الشہدا حسین ابن علی علیہ السلام کی سوانح عمری اور مصائب کربلا کے سچے اور صحیح صحیح واقعات جو نہایت ہی درد سے لکھے گئے ہیں۔ نہایت خوشخط قابل دید ۴/

تذکرہ بابر

محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ غازی کی سوانح عمری یہ اُس شاہنشاہ عالی کا تذکرہ ہے جو ہندوستان میں مغلیہ خاندان کا بانی اور صفحہ تاریخ کے اول درجہ کے شاہنشاہوں میں جری۔ نبرد آزما گذرا ہے ۳/

سوانح عمری ملا دوپیازہ معہ تصویر

محمد جلال الدین اکبر بادشاہ کے دربار کا مشہور معروف ملا دوپیازہ جس کی بات بات پر اکبری دربار قربان ہوجاتا تھا۔ اس کی زندگی تمام حالات نہایت درد انگیز پیرایہ میں لکھے گئے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے لطیفے جو اکبر اور بیربر سے ہوا کرتے تھے سب درج ہیں ۲/

سرگذشت بوعلی سینا

یعنی شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا کی زندگی کے عام حالات مع فہرست ان کی تمام تصنیفات کے درج ہے ۳/

تذکرہ تیمور

یعنی خاندان چغتائیہ کے مورث اعلےٰ شاہنشاہ تیمور کی سوانح عمری با تصویر بعد نظر ثانی وتصحیح وترمیم کے چھپائی ہے مصنفہ جناب مولانا مولوی احمد شفیع صاحب ۲/

سوانح عمری ابوالفضل

شاہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر اعظم اور ہندوستان کے ایک زبردست انشا پرداز مدبر اور فلاسفر ابوالفضل علامی کی سوانح عمری مع تصویر مصنفہ خواجہ غلام ثقلین صاحب ۲/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ و عذرِ مؤلف

شاید اِس امر کی جواب دہی میرے ذمہ ہو کہ مَیں نے خلفاء راشدین میں سے حضرت عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ) کو اُنکے حالات لکھنے کے واسطے کیوں منتخب کیا ہے۔ سب سے اوّل تو اِسکا جواب وہ خاص واقعات اور حالات دینگے جو مُجھکو پیش آئے اور جو مُجھکو اپنی استعداد سے بڑھکر ایک ایسے بزرگ کام کے اختیار کرنے کی ترغیب دینے کا باعث ہوئے ہیں اور جن کے لحاظ سے میرے اِس کام کو اختیار کرنے کا نام انتخاب نہ رہے گا۔ لیکن ہمارے زمانہ کے اسلامی مؤرخ نے خلفاء راشدین میں سے اگر حضرت عمرؓ ہی کو **ہیرو** منتخب کیا ہے تو ہماری اُن اغراض کے لحاظ سے جو اِس زمانہ میں قوم کے سامنے نامورانِ اسلام اور اسلام کی گزشتہ ترقیوں اور عروج کے حالات پیش کرنے کی ہیں یہی انتخاب بجا اور درست ہے۔ **سر سید احمد خاں** صاحب (مرحوم) کا یہ مقولہ ہمارے اِس قول کی تشریح کردیگا کہ "حضرت **ابوبکر صدیق** (رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ) کا زمانہ خلافت تو شمار کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ درحقیقت وہ زمانہ بھی حضرت عمرؓ ہی کی خلافت کا زمانہ تھا اور وُہی بالکل دخیل و منتظم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کا زمانہ کیا بنظر انتظام اور کیا بنظر فتوحات و امن و حکومت و رُعب و داب جو ابقائے صلاحِ اُمت و اصلاحِ تمدن کے لیئے ضرور تھا ایک بے نظیر زمانہ تھا۔ حضرت

عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جو کچھ ہوا وہ صرف حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کا اثر تھا۔ اصلی زمانۂ خلافتِ حضرت عثمانؓ اُن کی خلافت کا اخیر زمانہ تصوّر کرنا چاہیئے جس میں تمام اصول سیاست مدن اور وہ اصول سلطنت جمہوری جسپر اِس عالی شان محل کی بنیاد قایم ہوگئی تھی سب کے سب سُست اور درہم برہم ہو گئے تھے اور غدر ہونا اُسکا ایک ضروری نتیجہ تھا۔ جو ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام تک جب خلافت پُہنچی تو ایسی ابتر اور خراب ہوگئی تھی جسکا درست ہونا اگر ناممکن نہ تھا تو قریب قریب ناممکن کے تھا۔ اُسکی اصلاح میں جہاں تک ممکن تھا کوشش کیگئی۔ مُلک دیئے گئے۔ دوسری حکومتیں تسلیم کی گئیں مگر اصلاح نہ ہوئی اور روز بروز خرابی بڑھتی گئی[1]" سرسید کے اِس قول سے بڑھکر جسکی صحت اور صداقت کے تسلیم کرنے میں کوئی صحیح تاریخی واقعات کو جاننے والا ایک لمحہ بھی تامّل نہیں کرسکتا۔ ہم سر ولیم میور کا قول نقل کرسکتے ہیں کہ "پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بعد اسلامی سلطنت میں حضرت عمرؓ ہی سب سے بڑا تتبہ (greatest) رکھتے ہیں کیونکہ اُنہیں کی دس سالہ خلافت میں یہ تمام کامیابی ہوئی کہ اُن کی دانائی۔ استقلال اور قوت اور جوش سے شام۔ مصر اور ایران کی سلطنتیں فتح ہوگئیں جو اُس وقت سے ہمیشہ مُسلمانوں کے تسلط میں رہی ہیں[2]" ہمارا اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ خداوند کریم ہی کی یہ مرضی تھی کہ شارع اسلام علیہ التحیات والسلام کی پاک تعلیم کے نتایج کی صورت میں اسلامی سلطنت کا ایک نمونہ جو آیندہ نسلوں کیواسطے ایک نظیر ہو دنیا کو دکھادیا جائے اور وہ نمونہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا دکھلایا گیا۔

اُن کا بزرگ نام اِس قابل ہے کہ ہر ایک مسلمان اپنی اور بیگانی دنیا کے سامنے جتنا چاہے اُسپر فخر کرے۔ مگر افسوس ہے ہزار ہزار افسوس ہے اپنی تمام بدقسمت قوم کے حال پر جسکو خیر الاُمم کا معزز لقب دیا گیا تھا مگر آخر اُس نے اپنے آپ کو اِس لقب کے لائق نہ رہنے دیا اور اُن تمام برکتوں اور انعاموں سے جو خدا نے اُسے بخشے تھے اپنے آپ کو محروم کرلیا۔ بزرگانِ دین کے نام سے فخر کرنا تو درکنار رہا اُن کے ناموں کے ساتھ ایسے الفاظ کا استعمال کرنا اور اُن کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا جو نیکی اور حُسن اخلاق کے خلاف ہیں روا رکھے گئے ہیں۔ صرف روا نہیں رکھے گئے بلکہ اُن کو مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے اور خود ہماری لیئے نہایت شرم کی بات ہے کہ کلمات شنیعہ کے بزرگان دین کے حق میں استعمال کرنے کو فرائض مذہبی کا ایک ضروری جزو اور باعث نجات قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام نتیجہ ہماری بدبختی اور بدقسمتی کا ہے ورنہ یہاں تک نوبت پُہنچنے کے واسطے تو بہت کم اسباب موجود تھے۔ صحیح اور اصلی واقعات پر غلطیوں اور غلط فہمیوں اور جوش مذہبی کے غلط عقاید کا ایک اتنا بڑا انبار جمع کردیا گیا ہے کہ اُسکو اُٹھانے اور صحیح اور اصلی واقعات کے

---

[1] تصانیف احمدیہ جلد اوّل حصہ اوّل صفحہ ۴۷۔

[2] انس اوف اسلی خلافت صفحہ ۲۸۳۔

دکھانے کی کوشش جسقدر کہ ایک کٹھن کام ہے اُسیقدر حیرت انگیز ہوگی۔ سادہ اور سیدھے قدرتی واقعات کے عجیب وغریب مطالب نکالے گئے ہیں اور اُن سے حیرت ناک استدلال کیئے گئے ہیں۔ ہزارہا غلط روایتیں اور بیہودہ کہانیاں جوڑی اور وضع کی گئی ہیں جن کی غلطیوں کو ثابت کرنے بیٹھنا ایک مرنے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے +

اسلام دنیا میں اِس غرض سے آیا تھا کہ دنیا کے تفرقوں اور تمیزوں اور دشمنیوں کو مٹا کر محبت اور برادری کے ایک ہی رنگ میں رنگدے۔ کل مومن اخوۃ کی دلکش صدا اُس کی پاک تعلیم کا دیباچہ تھا۔ مگر افسوس کہ مُسلمانوں نے بہت جلد اُس بزرگ تعلیم کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور اُس پاک روشنی سے کُچھ فایدہ نہ اُٹھایا اور اُسی راستہ میں جسکے صاف اور روشن کرنے کے واسطے وہ چلے تھے خود ہی ٹھوکریں کھاکر گر پڑے۔ ہمارے ایک بزرگ عالم اسی کیفیت پر تاسف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ

"مذہب کی تاریخ کے ہر ایک فلسفیانہ طالب علم کو اِس کیفیت سے اگر رنج نہ ہوگا تو حیرانی ضرور ہوگی۔ اور ہر ایک مُسلمان کو جو بانیٔ اسلام کے پاک نام کا مُحب ہے غم اور شرمندگی ہوگی۔ افسوس کہ تمام نوع انسان کا اور بالعموم اُخوّت کے پھیلانے والا مذہب بھی اندرونی جھگڑوں اور تفرقوں سے نہ بچ سکا اور وہ دین جو پریشان اور متفرق دنیا کو امن اور راحت بخشنے کے واسطے آیا تھا غضب ناک نفسانیتوں اور قوت واقتدار کی پُرحرارت خواہشوں سے وہ خود ہی چیر پھاڑ کر پارہ پارہ کردیا گیا۔ جن بُرائیوں کی ہم مذہب عیسوی کی نسبت شکایت کرتے ہیں کہ اُس مذہب کے نامکمل ہونے اور انسانی ضروریات کے واسطے ناکافی ہونے سے پیدا ہوئیں وہ اسلام میں دنیوی قوت اور اقتدار کی حرص اور لوگوں کی انقلاب پسند طبائع اور اخلاقی قانون اور انتظام کی عدم پیروی سے پیدا ہوئی ہیں۔[1]"

اگرچہ ہر ایک تفرقہ اور ہر ایک اختلاف اور مخالفت پر افسوس ہے مگر اکثر اُن میں سے فروعی مسائل میں اختلاف اعتقادات سے پیدا ہوئی ہیں اور سوائے جہلاء کے اُن کو کوئی ضرر دینے والا نہیں بنا سکتا سُنیوں میں حنفی۔ مالکی۔ شافعی۔ حنبلی اور اُن کے بہت سے چھوٹے بڑے فرقہ اور اسیطرح شیعوں کے چند در چند فرقہ زیدیہ۔ اسماعیلیہ۔ اثنا عشریہ یا امامیہ۔ قیسانیہ۔ غالیہ جن میں سے بعض میں مذہبی اختلافات سے بڑھکر تفرقہ ہیں اور اُن کے فرقہ ایک دوسرے کے ساتھ کم وبیش رضامند ہیں اور اپنے اختلافات کو مخالفتوں تک بہت کم کھینچتے ہیں۔ لیکن سُنّی اور شیعہ وہ مہیب اور خوفناک فرقے ہیں جن کے درمیان اختلاف نہیں ہے بلکہ دشمنی اور مخالفت ہے مگر تعجب اور افسوس ہے کہ وہ دشمنی اور مخالفت جو کہ درحقیقت اُمور مُلکی میں اختلاف رائے ہونے سے جن کو مذہب سے کچھ تعلق نہ تھا پیدا ہوئی تھی مذہبی جامہ پہنادی گئی ہے

---

[1] سپرٹ اوف اسلام مولفہ مولوی سید امیر علی صاحب۔ صفحہ ۴۲۷ +

اور نجات ابدی کا دار و مدار اُسپر کرلیا ہے۔ اِس مخالفت کو جو صدیوں تک مُلکی اختلاف رائے سے بڑھکر کسی صورت میں کم ظاہر ہوئی تھی یہ مذہبی جامہ اُس وقت پہنایا گیا جبکہ اُس کی ضرورت اور سُود مندی کا وقت گزر چکا تھا اور اُس اختلاف کے اسباب ہی اُٹھ گئے تھے۔ مگر شاید واقعات کا یہی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا۔

اِس زمانہ میں ہمکو اپنی اِس بدبختی پر صرف افسوس کرنے پر قانع نہیں ہونا چاہیئے بلکہ علمی روشنی اور دانشمندی کے وقتوں پر بھروسا کرکے اِس اختلاف اور مخالفت کے اسباب کو اپنی آیندہ نسلوں کے سامنے پیش کرنے کے واسطے ظاہر کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ اُسکو اُسکی صحیح حالت میں دیکھکر اُسکی اصلی وقعت سے زیادہ وقعت اُسکو نہ دیں اور اُن تفرقوں اور دُشمنیوں کو مٹاکر جن کی صرف وراثت میں پانے کے سبب سے وہ حفاظت کرتے ہیں۔ اِسلام میں پھر اتفاق اور یکجہتی پیدا کریں اور اِسلام کی مُبارک نسلیں کہلانے کے مستحق ہوں۔ یہ کام ہمارے زمانہ کے علماء اور خیر خواہانِ قوم کی مستقل تصانیف کا کام ہونا چاہیئے۔ ہم صرف چند لفظوں میں اُسکی طرف اشارہ کرینگے۔

سُنّی اور شیعہ جو آج ہمکو دو مختلف النہئیت کشتیوں میں سوار دکھائی دیتے ہیں اور جن کو کہ زمانہ کی مخالف ہواؤں نے ایک دوسرے سے اِس قدر دُور پھینک دیا ہے اور اِس دُوری ہی کے پسند کرنے کو اُنکی عادت اور طبیعت بنادیا ہے درحقیقت ایک ہی بُزرگ جہاز لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے سوار تھے۔ اور ایک ہی ملاح اور ناخدا کے سایۂ رحمت اور حفاظت میں دنیا کے اِس پُرطوفان سمندر کو عبور کرکے نجات پانیوالے تھے۔ حوادث زمانہ نے اِس جہاز کے درمیان ایک بال کے برابر سوراخ کردیا جس نے اُس کے سواروں کو اُسیقدر فاصلہ پر دو حصّوں میں ایک دوسرے سے ہٹادیا۔ وہ زمانہ دراز تک شگاف کے اندازے کے موافق ایک دوسرے سے ہٹے ہوئے مگر ایک ہی جہاز پر سوار رہے یہاں تک کہ اُس مخالف اور مضر عنصر کے جہاز میں کثرت سے بھر جانے سے جہاز کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اگر سچ پوچھو تو جہاز ڈوب گیا جس کے ساتھ لاکھوں اور کروڑوں اجل رسیدہ غرق ہوگئے۔ دو ٹکڑوں پر جو بچ کے رہ گئے اُن کے نام سُنّی اور شیعہ ہوئے۔ دو دشمنوں کی طرح وہ ایک دوسرے سے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اگر ایک دوسرے کی طرف کبھی بڑھتے بھی ہیں تو جنگ اور لڑائی کے لیئے۔ اُن کو یاد ہی نہیں رہا کہ وہ تو درحقیقت ایک ہی جہاز کے سوار ہیں جن کو زمانہ کے بدحوادث نے جُدا کرکے دشمن بنا دکھایا ہے۔

کیا درحقیقت سُنّی اور شیعہ کے درمیان کوئی مذہبی اختلاف ہے؟ کیا ایک سے زیادہ خدا کی کتابیں کسی کے پاس ہیں؟ کیا ایک کی کتاب دوسرے کی کتاب سے مختلف ہے؟ کیا ایک ہی نبی کی وہ اُمّت نہیں ہیں؟ کیا ایک ہی ہادیٔ اعظم کے نام سے وہ فخر کرنے والے نہیں ہیں؟ کیا اسلام کی پاک تسلیم میں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے سوائے کوئی اور شہادت بھی شارع اسلام نے تعلیم کی تھی؟ کیا انہیں دونوں شہادتوں کو وہ اپنی نجات کا باعث نہیں سمجھے؟ کیا ارکان اسلام

کی تعلیم سے زیادہ کوئی تعلیم داخلِ اسلام ہو سکتی ہے ؟ کیا خاتم النبیینؐ کے بعد کسی اور کو نبی بنانا اور کسی اور تعلیم پر ایمان لانا اسلام کہلا سکتا ہے ؟ اگر شیعہ اور سُنّی ایک ہی خدا پر ایمان رکھنے والے اور ایک ہی فخرِ انبیاؐ کی اُمّت اور اُنہیں کے کہلائے ہوئے اسلام کے نام لیوا ہیں تو اُن کے درمیان مذہبی اختلاف کوئی نہیں ہے۔ فروعی اختلاف عقائد پر ہماری نجات کا مدار نہیں ؛

شیعہ اور سُنّی کی باہمی مخالفت اور دشمنی کی تاریخ اگرچہ بہت دُور پیچھے نہیں ہے مگر اُن کے اختلاف کے آغاز کو زیادہ سے زیادہ ہمکو حضرت علی مرتضیٰ علیہ السّلام کے زمانۂ خلافت تک لیجانا چاہیئے۔ جبکہ اسلامی خلافت کے اتفاق اور یکجہتی میں تزلزل آیا اور شام میں امیر معاویہ رضؓ نے ایک جُدا سلطنت قائم کرلی اور وہ آنیوالے سینکڑوں برسوں کے جھگڑے اور فساد اور کُشت و خون جن کی اس طرح پر بنیاد پڑ گئی تھی آخرکار اسلامی خلافت کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا باعث ہوئے۔ حضرت علی علیہ السّلام کے زمانۂ خلافت کے افسوسناک واقعات زندہ نہ رہے ہوتے اور اُن کی تکالیف اور مشکلات پر بہت کم نوحہ خوانی ہوتی اگر بنی فاطمہ خلافت کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہوتے اور یزید اور اُس کے عمال کے بے رحم بے ترس اور ظالم ہاتھوں سے حضرت امام حسین علیہ السّلام کی دردناک شہادت کا عالم آشوب واقعہ نہ ہوا ہوتا جو حمایان اہل بیت اور آلِ رسولؐ کو قیامت تک خون کے آنسو رُلائیگا آیندہ تمام زمانہ میں بنی فاطمہ کی مسلسل ناکامیابیوں اور جوربرداریوں نے اِن پُر درد واقعات کے زندہ رکھنے اور اُن کے راویوں کے دردناک تذکروں کو مؤثر اور جگر خراش بنانے اور اُن کی تاثیروں کو بڑھانے میں مدد دی اور خونی تلوار کے زخموں کا بدلا تیغِ زبان سے لینا شروع کیا گیا جو ایک ہی چارہ تھا ؛

اَب ایک شخص جس کا دل اہل بیت کی ہمدردی اور محبت سے لبریز ہے اس پر غور کرتا ہے کہ یہ غم آلود واقعات کس طرح پر ہوئے اور اِن کا الزام کس پر لگایا جائے۔ یزید اور اُس کے عاملوں کو ظلم اور بے رحمی کا مجرم اور ملعون ٹھہرانے میں اُس کو کچھ دقت نہیں پیش آتی۔ اُس کے ظلم اور ستم آشکارا ہیں۔ کربلا کے جاں سوز واقعہ کے واسطے وہ کوئی عذر نہیں پیش کر سکتا۔ امیر معاویہ کی بغاوت اور خلافت سے سرکشی کے جُرم کا بھی وہ بہت جلد فیصلہ کر لیتا ہے اور پھر اس بغاوت کے اسباب سوچتا ہے اور حضرت عثمان رضؓ کی خلافت پر کمزوری اور بنی اُمیّہ کی رعایت اور امیر معاویہؓ کو اپنی قوت اور اقتدار بڑھانے کا موقع دینے کا الزام لگاتا ہے۔ لیکن یہاں پہنچکر بھی وہ بس نہیں کرتا اور اُس کا جوش اُس کو حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ناجائز ٹھہرانے اور اُن پر غصب کا الزام لگانے تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر حضرت علی رضؓ ابتدا ہی میں خلیفہ ہو گئے ہوتے تو واقعات کی یہ صورت جو ایسے اندوہناک نتایج پیدا کرنے والی ہوئی پلٹ گئی ہوتی۔ ہمکو بھی اُس کے ساتھ ہمدردی ہے مگر اُس کی اس غلط منطق پر حیرت اور تعجب بھی ہے۔ کسی ایک واقعہ کے تلاش میں اتنی بلند پروازی کرنا اور اُن بزرگوں پر الزام لگاتے جانا جن کے وقتوں میں اُن واقعات کا کسی کو

خواب وخیال بھی نہ تھا ایک حیرت انگیز بات ہے۔ اور ایسا ہی ہے جیسا کہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی بربادی کا افسوس کرتے ہوئے ہم بابر اور تیمور پر الزام لگائیں کہ جس سلطنت نے آخر برباد ہونا تھا اُسکی بنا اُنہوں نے کیوں ڈالی۔ وہ کون سی خلافت تھی جس کا کہ حضرت علیؓ کو مستحق اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غاصب ٹھہرایا جاتا ہے۔ کیا وہ عرب اور شام اور ایران اور مصر کی سلطنتیں تھیں؟ یا کچھ اَور تھا۔ تاریخی واقعات کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خوشی اور رضامندی اور درخواست اور خواہش سے خلافت حاصل کی یا اُس نازک موقع پر جبکہ خانہ جنگی شروع ہوجانے کے اسباب پیدا ہوگئے تھے مجبور ہوکر طوعاً وکرہاً اُسکو منظور کیا؟ اور جو خطرہ سامنے تھا اُسکو دفعہ کرنے سے اسلام پر احسان کیا۔ اسلامی خلافت میں اُس وقت کچھ عیش وعشرت کے سامان تھے جن کی اُن کو حرص اور طمع تھی یا ایک بہت بڑی ذمہ داری اور جوابدہی کا کام سمجھکر کوئی اُس کے منظور کرنے پر راضی نہیں ہوتا تھا؟ وہ پھولوں کی سیج تھی یا کانٹوں کا بچھونا تھا۔ اَب اُسکی وسعت کو دیکھو۔ تمام عرب میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ارتداد اور بغاوت پھیل گئی تھی ایک مدینہ باقی تھا جس کا باغیوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا اور ہر ایک کو اسلام اور اپنی جان کے بچانے کی پڑ رہی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خلافت کا چند روزہ زمانہ اُس بغاوت اور فتنہ وفساد کے فرو کرنے میں گزر گیا۔

اُن کی وفات کے وقت صرف عرب مُسلمانوں کا تھا۔ مگر اُن آتشین عنصروں سے جو ہَوا کے ایک جھونکے سے ہمیشہ بھڑک اُٹھنے کو تیار تھے خالی نہیں تھا۔ اگر اچھے نتایج اچھے سبب کے ہوتے ہیں تو خلافت کا حضرت عمرؓ ہی کے ہاتھوں میں پہنچنا اسلام اور مُسلمانوں کے واسطے بہتر ہوا۔ اُن کے قوی اور زبردست ہاتھوں نے نہ صرف اعراب کی بے چین اور پُرشر طبائع کو قابو میں رکھا بلکہ شام۔ مصر اور ایران یعنی قیصر اور کسریٰ کی سلطنتیں فتح ہوگئیں اور وہ عظیم الشان اسلامی خلافت بن گئی جسکے حاصل کرنے کی خواہشوں اور کوششوں نے پاک اور بزرگ جانوں کے ساتھ دشمنی کی۔ پس حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر کوئی الزام لگایا جاسکتا ہے تو صرف یہ ہوسکتا ہے کہ اُنہوں نے بغاوت اور مفسدہ کو کیوں فرو کیا اور کیوں وہ اسلامی خلافت اور سلطنت پیدا کردی جس کے حاصل کرنے کی کوششوں نے ایسے بڑے انقلاب دنیا میں پیدا کیئے۔ غرض اگر اسباب دنیا کے بعض نتایج کی ناراضی کے سبب سے اُن کا الزام اُن کے سبب پر لگانا (معاذ اللہ منہا) درست ہے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر بھی الزام لگانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ خود شیعوں کے درمیان ان امور میں باہمی اختلاف ہے اور اسی اختلاف پر مختلف فرقوں کی بنا ہے۔ مثلاً فرقہ زیدیہ اُصول انتخاب کو مانتے ہیں اور پہلے خلفائے ثلاثہ کی امامت کو درست جانتے ہیں اور اسی اختلاف کے سبب سے روافض کے نام سے پکارے گئے ہیں اسی طرح بعض فرقہ مثلاً سلیمانیہ اور صالحیہ پہلے دو خلفاء کی امامت کو درست جانتے ہیں۔ جو زیادہ سرگرم ہیں وہ سوائے

حضرت علی رضؓ کے کسی کی امامت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اور جو اِن سے بھی بڑھے ہوئے ہیں وہ پہلے خلفار ثلاثہ کو خلافت کا حق غصب کر لینے کے الزام پر بُرے الفاظ سے یاد کرنا جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ کم سے کم یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ اِن تمام فرقوں کی بنا مُلکی امور میں اختلاف ہونے پر ہے اور مذہب سے اُن کو کچھ علاقہ نہیں ہے مثلاً فرقۂ زیدیہ اِس اختلاف کے سبب سے جُدا فرقہ ہوا ہے کہ وہ حضرت علیؓ اور حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ اور حضرت زین العابدینؒ کے بعد امامت کا مستحق اُن کے بیٹے زیدؒ کو سمجھتے ہیں اور اثنا عشریہ امام محمد باقرؒ کو مانتے ہیں۔ اِن بڑے فرقوں کے جو آگے چھوٹے چھوٹے فرقے ہیں وہ بھی اسی قسم کے اختلافات کے سبب سے جُدا ہوئے ہیں۔ مثلاً زیدیہ کے چار فرقے ہیں۔ جارودیہ۔ تبریہ[2] اور سلیمانیہ[3] اور صالحیہ[4] ہیں جن کو محمد نفس الزکیہ اور سلیمان ابن جریس وغیرہ کی راؤں اور استحقاق کے معاون ہونے کے سبب سے یہ نام دیئے گئے ہیں اور یہ آخری دو فرقہ پہلے دو خلفا کی خلافت کو درست سمجھتے ہیں۔

اسیطرح دوسرے فرقوں کے آگے چند در چند فرقہ ہیں۔ مگر بڑا دھوکا یہی ہے کہ اُمورِ ملکی میں مختلف الرائے ہونے اور مختلف بزرگوں کو مستحق امامت اور اقتدارِ مُلکی سمجھنے سے یہ سب فرقہ پیدا ہوئے ہیں اور جُدا جُدا مذہبی فرقہ بن گئے یا بنا لیئے گئے ہیں حالانکہ مذہب کو جس کا خلاصہ اور نجات کو جسکا وسیلہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان لانا ہے ان زاید اعتقادوں سے کچھ واسطہ نہ تھا۔

سُنّیوں کے فرقہ شیعوں کے فرقوں سے مختلف قسم کے ہیں۔ شیعہ سب سے پہلے ایک مُلکی اختلاف کے سبب سے علیحدہ ہوئے اور آیندہ اُسی قسم کے اختلافات کے سبب سے جو مختلف بزرگوں کے نام سے سلطنت حاصل کرنے کی ناکامیاب یا جزوی کامیاب کوششوں میں مصروف ہونے سے ہوئے اُن کے جُدا جُدا فرقے ہوتے گئے۔ اگرچہ مسائل فروعی میں اختلاف اجتہاد کے سبب سے بھی اُن میں مختلف فرقے ہیں۔ مگر زیادہ ممتاز یہی فرقے ہیں جو اُمورِ مُلکی میں ایک دوسرے سے مختلف الرائے ہیں سُنّیوں کے فرقوں کی تفریق مسائل اجتہادی کے اختلاف پر مبنی ہے سلطنت اُن کو حاصل تھی۔ پس مختلف علماء اور اماموں کے اجتہاد کا معتقد ہونے کے سبب سے اُن کے متعدد فرقے ہو گئے۔

اَب ہم ابتدائی خلافت کے استحقاق وغیرہ کی نسبت چند کلمات کہینگے۔ ہر ایک عقلمند اور دانا شخص کو سب سے پہلے سیّد احمد خاں صاحب کے اِس قول کو جس کو وہ اِن الفاظ سے شروع کرتے ہیں کہ "مذہب اہل سنّت و جماعت اور شیعہ اثنا عشریہ میں جو مباحث افضلیت خلافت خلفاء اربع کے ہیں اور مذہب خوارج میں جو عقاید ختنین و اہل بیت کی نسبت اور مذہب نواصب میں علی مرتضیٰؓ اور اہلبیت کی نسبت ہیں اُن سے زیادہ بیہودہ و لغو مباحث و عقاید کوئی نہیں ہیں" تسلیم کر لینا چاہیئے کہ "استحقاق خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا من حیث النبوۃ کسی کو بھی نہ تھا۔ اِس لیئے کہ خلافت فی النبوۃ تو محالات سے ہے باقی رہ گئی خلافت فی ابقاء صلاحِ اُمّت و اصلاحِ تمدن۔ اُس کا ہر کسی کو استحقاق تھا۔ جس کی چل گئی وُہی خلیفہ ہو گیا۔ خلافت

بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کوئی امر منصوصی نہ تھا نہ کسی شخص خاص کی خلافت اسلام کا کوئی جزو یا کوئی حکم تھا۔ اس کے بعد یہ بحث کرنی چاہیئے کہ خلافت کس کا حق تھا۔ مگر جس وقت ہم یہ بحث کرنے لگیں اُس وقت پہلے ہمکو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ خلافت کے استحقاق کا فیصلہ کرنے کے واسطے قوانین تمدن میں جو مختلف اصول استخلاف کے ہیں اُن میں سے کون سے اصول کی بنا پر ہم یہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ انتخاب کی بنا پر یا وراثت کے اصول پر۔ وراثت کا اصول عموماً ہمارے دلوں پر قبضہ کیئے ہوئے ہے اور اُسی کو مدنظر رکھکر ہم فیصلہ کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ وراثت کے اصول کے لحاظ سے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیوی خلافت کا حق نہ حضرت ابوبکرؓ کو تھا، نہ حضرت عمرؓ کو، نہ حضرت عثمانؓ کو، نہ حضرت علیؓ کو۔ سب سے پہلے حضرت امام حسنؓ اور اُن کے بعد حضرت امام حسینؓ کا حق تھا۔ اُن کے بعد اُن کی اولاد کا۔ بلاشبہ عرب کے واسطے یہ سب سے بہتر اصول ہوتا اگر اِسکو اختیار کر لیا جاتا۔ مگر عرب میں اُس وقت سیاست مدن کا جو طریقہ تھا وہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ نہ پورا جمہوری تھا، نہ شخصی۔ نہ پورا انتخابی تھا، نہ موروثی۔ اسلام نے تو اِسکی نسبت کوئی حکم نہیں دیا تھا اور کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ قدیم عرب اور خصوصاً حجاز میں جو طریقہ اسلام سے پہلے ایک مدت سے چلا آتا تھا اسلامی مساوات نے اُس کی تائید کی اور کسی قدر تبدیل صورت کے ساتھ وُہی دخیل اور مروّج رہا۔ پس اب جو فیصلہ ہمکو استحقاق خلافت کا کرنا چاہیئے وہ اُسی ایک غیر معین سے اصول کی بنا پر کرنا چاہیئے ؛

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو انتظام امور دنیا کے ساتھ کچھ تعلق نہ تھا۔ اُن کا پاک منصب اِس سے بہت بلند اور برتر تھا۔ عرب کے قدیم دستور کی وجہ سے اگر وہ مُسلمانوں کے درمیان امورِ دُنیا میں سردار ہونے پر مجبور نہ ہوتے اور مسلمان ایسے امور میں اُن کو اپنا مرجع نہ بنا لیتے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دُنیوی امور کے انتظام وغیرہ میں کچھ دخل نہ دیتے۔ امور دنیا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر اسدرجہ اپنی بے تعلقی ظاہر فرمائی کہ امور دنیا کے انتظام کے واسطے اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنا خلیفہ یا جانشین موسوم کرنے سے پرہیز فرمایا +

حضرت ابوبکرؓ کے لیئے نماز میں امامت کا حکم فرمایا جو مُسلمانوں کے اُمور کا مذہبی حصّہ تھا۔ اور گو اِس لیئے اُن کے امورِ دنیا میں خلیفہ ہونے کا پہلو نکلتا تھا مگر آنحضرت صلعم کا کوئی صریح فیصلہ اِس امر کی نسبت نہیں تھا جو درحقیقت دانستہ اُنہوں نے نہ فرمایا ؛

حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کی بنا جس واقعہ سے ہوئی اُس وقت کوئی خاص اصول انتخاب وغیرہ کا مرعی نہیں رکھا گیا۔ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو چند ساعتیں ہی گزری تھیں اور اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابھی حضرت سرور کائناتؐ کی تکفین و تدفین کی فکر کر رہے تھے کہ اُن کے پاس خبر آئی کہ انصار یعنی اصحاب مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اِس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ اپنے میں سے ایک شخص کو

امیر اور خلیفہ منتخب کریں۔ اسلام کا اتفاق اور یک جہتی سخت خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ باوجود خطرہ کے ثقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑے اور حضرت ابوعبیدہ راستہ میں اُن کے ساتھ ہو لیئے انصار نے سعد بن عبادہ کو موسوم کر ہی لیا تھا۔ ابھی اُس کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوئی تھی کہ یہ تینوں اصحاب مجمع انصار میں پہنچ گئے اور بہت دقت کے بعد اُن کو اپنے ارادہ سے باز رکھنے میں کامیاب ہوتے۔ انتخاب خلیفہ کی نسبت حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابوعبیدہ میں سے ایک کو منتخب کر لو۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ نہیں حضرت ابوبکرؓ اس کے لائق ہیں اُن کو منتخب کر لو۔ اگر حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ وہاں موجود ہوتے تو وہ بھی ایک دوسرے کی نسبت یہی کہتے اور خود اُس بوجھ کے اٹھانے پر راضی نہ ہوتے چہ جائیکہ درخواست اور خواہش کرتے۔ اُس وقت رفع تفریق اور اختلاف کے واسطے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور انصار نے اُن کی مثال کی پیروی کی اور آخر عام طور پر اُن کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ خلافت بغاوت اور فساد کے دفع کرنے میں گزر گیا جس میں تمام اصحاب رسول اللہ دل و جان سے شریک تھے۔ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ سے سب سے زیادہ مدد ملی۔ اُن کی قابلیت اور قوت کے سب قائل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات کے وقت اُن کو اپنا جانشین موسوم کیا اور مسلمانوں سے بیعت کرائی۔ حضرت ابوبکرؓ کے اس انتخاب کی عمدگی حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کی کامیابیوں سے ظاہر ہے جس میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمان اور تمام اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شریک اور مشیر اور صلاح کار اور معاون اور معین تھے۔ حضرت عمرؓ کو اپنی ناگہانی وفات کے باعث اپنی جانشینی کے متعلق کوئی قطعی اور قابل اطمینان فیصلہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ انہوں نے اصحاب رسول اللہ میں سے چھ شخصوں حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبدالرحمٰن۔ سعدؓ۔ زبیرؓ اور طلحہؓ کو ایک شخص کو منتخب کرنے کے واسطے اس خیال سے مقرر کیا کہ ان سب کے اتفاق اور تائید سے جو خلیفہ ہوگا اُس کی نسبت پھر کوئی جھگڑا اور اختلاف نہ ہوگا۔ حضرت علیؓ ایک گونہ شخصی خلافت کے خواہشمند تھے وہ منتخب نہ ہوئے اور حضرت عثمانؓ منتخب ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اُن کی طبیعت کی نرمی اور انتظام خلافت میں نرم اور کمزور ہاتھ سے کام لینے سے سیاست مدن اور انتظام سلطنت کے تمام اصول درہم برہم ہو گئے۔ اور آخر حضرت عثمانؓ مسلمانوں کے بے رحم ہاتھوں سے ذبح کیئے گئے اور اُن کی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت علیؓ اُن کے جانشین ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے قتل کا اُن کے قاتلوں سے بدلا لینے کے واسطے بغاوت ہوئی اور امیر معاویہ نے حضرت علی کی خلافت کو تسلیم کرنے سے بظاہر اسی وجہ سے انکار کیا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلا لیا جائے۔ حضرت علیؓ اس پر قادر نہیں تھے۔ اعراب کوفہ کو اپنا مخالف بنا لینا جن میں حضرت عثمانؓ کے قاتل بھی تھے حضرت علیؓ نے اُس وقت تک کہ اُن کی خلافت کو پورا استحکام حاصل نہ ہو جائے مناسب نہیں سمجھا اور بدلا نہ لیا گیا۔ امیر معاویہؓ کو شام میں اپنی جدا خلافت قایم کر لینے کا موقع

ہوگیا اور وہ جُدا ہوگئے۔ باہم صلح اور صفائی ہونے کی کوششیں بے سُود ثابت ہوئیں اور ہتھیار اُٹھانے تک نوبت پُہنچی۔ اگرچہ جمل کی لڑائی میں پہلے مسلمان مُسلمانوں کے خلاف ہتھیار اُٹھا چکے تھے مگر اتنی بڑی خونخوار لڑائی جس میں صفین پر چالیس ہزار مسلمان مُسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے پہلی ہی تھی۔ حضرت علیؓ کو فتح حاصل ہوگئی تھی اگر عمرو بن العاص کی خطرناک حکمت اپنا کام نہ کر گئی ہوتی طرفین سے ایک ایک شخص حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان فیصلہ کرنے کے واسطے منصف مقرر کیا گیا ابو موسیٰ حضرت علیؓ کی طرف سے اور عمرو بن العاص امیر معاویہؓ کی طرف سے۔ عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ کی سادگی سے فائدہ اُٹھا کر اُس سے کہلا دیا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ دونوں خلافت سے معزول کر دیئے جائیں اور خود اُس نے ابو موسیٰ کی توقع کے خلاف امیر معاویہ کو خلیفہ پکار دیا۔ ایسی حکمت اور تدبیر سے حضرت علیؓ اپنے حق سے معزول نہیں کیئے جا سکتے تھے۔ وہ کُوفہ میں جسکو اُنہوں نے مدینہ کو چھوڑ کر دار الخلافت بنا لیا تھا خلیفہ رہے۔ شام اگرچہ ایک خود مختار اور جُداگانہ صُوبہ بن گیا تھا مگر حضرت علیؓ شام کو فتح کرنے کے واسطے پھر تلوار سے کام لینا چاہتے تھے لیکن کُوفہ کے اعراب نے جنکی بے ضبط اور سرکش طبائع کو حضرت علیؓ کی ابتدائی مصلحت اور نرمی نے جو اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ لینے بلکہ اُن کے قاتلوں کے سرگروہ اور مالک بن اشتر کو اپنی فوج کا سردار بنا دینے سے ظاہر کی تھی اَور بھی گستاخ کر دیا تھا اور اُنہوں نے اُن کا ساتھ دینے میں پس وپیش کی اور حضرت علیؓ اپنے اِس ارادہ کو چھوڑ دینے پر مجبور ہوئے۔ پچھلے دنوں میں اُن کو مصر کی اُن کی خلافت سے علیحدگی کا رنج برداشت کرنا پڑا اور آخر اُن کی پاک زندگی کا ایک خوارج کی زہر آلود خنجر نے خاتمہ کر دیا جس نے اپنی گہری سازش سے امیر معاویہ اور عمرو بن العاص امیر مصر کو بھی اُسی روز دو مقرر کیئے ہوئے شخصوں سے قتل کرانا چاہا تھا۔ مگر امیر معاویہ اپنے قاتل سے زخمی ہوکر اور عمرو بن العاص صاف بچ گئے تھے۔ حضرت امام حسنؓ نے اُمت رسُول اللہ سے اِس فتنہ اور فساد کے دُور کر دینے کے واسطے تمام خلافت امیر معاویہ کے سُپرد کی اور خود گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ اور اُس کے بعد مدت تک اِس دار فانی میں زندہ نہ رہے۔ امیر معاویہ نے دنیا داری اور دنیا پرستی کا ثبوت آخر اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کرنے اور اُس کے ہاتھوں بیعت کرانے سے دیا جس کے نام پر سے حضرت امام حسینؓ کی الم ناک شہادت اور آل رسُول اللہ پر ظلم ہونے کے پُر درد واقعہ کا داغ قیامت تک نہ اُٹھیگا۔

یہ وہ تاریخی واقعات ہیں جو چند الفاظ میں ہم نے بیان کر دیئے ہیں اور جو مسلمانوں میں ایک ایسی خوفناک مخالفت اور تفریق پیدا کرنے کا باعث ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان وہ صدہا واقعات ہیں جنمیں بہت کچھ گفتگو کو گنجایش ہے۔ مگر حاشا جو ہم اُسکی طرف متوجہ ہوں۔ درحقیقت خلفاء اربعہ کی نسبت افضل اور مفضول کی بحث کرنے سے زیادہ لغو اور بیہودہ کوئی مباحثہ نہیں ہے۔ اور درحقیقت کوئی ضرورت اور

کوئی وجہ افضلیت تھی نہ مؤخر خلیفہ ہونے میں کوئی وجہ منقصت۔ یہ تمام واقعات اسی طرح پر واقعہ ہوئے تھے جیسے کہ ہمیشہ دنیا میں واقعہ ہوتے ہیں۔ اسلام سے ان واقعات کو کچھ تعلق نہ تھا کسی کو غاصب اور کسی کو برحق بلا فصل کہنا لغو باتیں ہیں۔ افضلیت کے مباحث میں جو دلائل اور وجوہات استعمال کیئے جاتے ہیں وہ اور بھی حیرت انگیز ہیں۔ تقرب الی اللہ۔ تقرب رسول اللہ اور خدمات اسلام انکو معیار افضلیت قرار دینا سب سے پہلی غلطی ہے۔ تقرب الی اللہ اور تقرب رسول اللہ جس سے مطلب ہمارا روحانی تقرب ہے۔ ان کے تولنے کے واسطے ہمارے پاس کوئی ترازو نہیں ہے جس سے ہم ایک کے اعمال کو بھاری اور ایک کو ہلکا ٹھہرا سکیں۔ خدمات اسلام میں بھی اُن کے حالات اور حیثیتیں مختلف ہیں۔ کسی کی قوت سے اسلام کو تقویت ہوئی۔ کسی نے مصائب میں ساتھ دیا کسی نے مال سے اور کسی نے جان سے خدمت کی۔ درحقیقت وہ بھی اسلام پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیئے یکساں تیار تھے۔ جو جس طرح کے امتحان میں ڈالا گیا اُس میں پورا اترا۔ اب اس سے ایک کی ترجیح اور افضلیت کی بحث کرنا کیسا فضول کام ہے۔ پہلے اور پیچھے اسلام لانے میں بھی کوئی وجہ افضلیت نہیں تھی۔ جناب رسول اللہ نے اُن کی خدمات اور جان نثاریوں کو دیکھ دیکھ کر مختلف اوقات اور مختلف مواقعہ پر اُن کی تعریف میں کلمات ارشاد فرمائے ہیں جن سے سب کی یکساں تعریف اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے تعجب ہے کہ اس زمانہ کے بزرگ عُلماء کو بھی ہم اسی دلدل میں پھنسا ہوا اور انہی احادیث سے ایک کو دوسرے سے افضل ٹھہراتے اور مستحق خلافت قرار دیتے ہوئے دیکھیں۔ جس سے بڑھکر نادانی کی بات کوئی نہیں ہو سکتی۔ بفرض محال ہم مان لیتے ہیں کہ ان احادیث سے ایک کی دوسرے پر افضلیت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ تقرب الی اللہ اور تقرب رسول اللہ اور خدمات اسلام میں ایک دوسرے سے افضل تھا۔ لیکن کیا یہ افضلیت استحقاق خلافت کی دلیل ہو سکتی ہے۔ کیا وہ خدا کی عبادت اور خدا کی پرستش اور رسول اللہ کی محبت اور دین کی خدمت دنیا حاصل کرنے کی توقع سے کرتے تھے۔ کیا رسول اللہ کے اُن کلمات اور الفاظ کا صلہ جو اُنہوں نے اُن کے مناقب میں فرمائے ہیں دنیا کی دولت اور حکومت سے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کیا اپنے دین اور اسلام کی بزرگیوں کا انعام وہ دنیوی خلافت سمجھتے تھے۔ اُن کے تقرب الی اللہ یا تقرب رسول اللہ یا خدمات اسلام میں افضل ہونے سے اُن کو دنیوی خلافت کا مستحق ٹھہرانا گویا اُن پر دین فروشی کا الزام لگانا ہے جس سے بڑھکر کوئی نالائقی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو اُن کو رشتے اور قرابتیں تھیں وہ بھی ایک حیثیت کی نہیں تھیں۔ رشتہ میں کوئی خسر تھا اور کوئی داماد تھا۔ ان مختلف حیثیتوں سے کسی کی افضلیت نہیں ثابت کیجا سکتی۔ اس کے علاوہ شیعہ علماء نے بعض خاص شرائط اور قواعد استحقاق

خلافت دنیا سے گزر چکی تھی اور اس نئے قانون کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ تعجب ہے کہ ایک شخص صدیوں پہلے کے گزرے ہوئے واقعات کی اصلاح کے واسطے اب قواعد اور قانون بنائے اور عرب کے اُس زمانہ کے سیاست مدن کی غلطیاں خلفا کی فضیلت ثابت کرنے کے واسطے نکالے۔ ہم بھی مان لیتے ہیں کہ بے شک استحقاق خلافت کیواسطے ایسی ہی شرائط اور قواعد ہونے چاہیئے تھے مگر اس سے فایدہ ؟

ان سب سے بڑھکر ہم ایک اور حیرت انگیز امر دیکھتے ہیں جو صرف حیرت انگیز اور تعجب خیز ہی نہیں ہے بلکہ اس لائق ہے کہ ایک مسلمان اُس کو دیکھکر اور سُن کر روئے اور فریاد کرے اور سر پیٹے کہ دُنیا کے جھگڑوں نے اُن پاک بزرگوں کی بزرگی پر بھی بدنما دھبے لگائے بغیر نہیں چھوڑا۔ شیعہ علمانے (ہم اُن کو عُلما اُن کے ادب کے سبب سے کہتے ہیں ورنہ وہ لوگ پرلے درجہ کے جُہلا تھے جنہوں نے مُسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور فساد پیدا کرنے کے واسطے ایسے کام کیئے ہیں) ایک سلسلہ احادیث اور روایات کا پیدا کیا ہے جس میں اُنہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ خلفاء اور اصحاب کبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں میں دشمنی اور کینہ اور بغض اور عداوت اور ایک دوسرے سے نفرت اور نفاق تھا یہاں تک کہ اُن کا اسلام ہی نفاق تھا۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی وہ منافقانہ برتاؤ کرتے تھے اور اُن کے آثار کے درپے تھے اور درپردہ دشمن رہتے تھے اور اسی بنا پر اُنہوں نے بزرگان دین کی نسبت کافر اور مرتد اور منافق کے لفظ استعمال کرنے کی جرأت کی ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کے روبرو جو ایک ذرہ کے برابر بھی عقل رکھتا ہے ایسی نالایق باتوں کا جواب دینے کی کوشش کرنا بجائے خود حماقت ہے۔ اب ایسے سادہ لوح لوگوں کا زمانہ گذر گیا ہے جن پر اس قسم کی لغو اور بیہودہ روایتوں اور تدبیروں کا جادو چل جاتا تھا اور وہ اُن کو سچ مان لیتے تھے یا اُن سے متاثر ہوتے تھے ایک واقعہ ہم بطور مثال کے بیان کرتے ہیں۔ اصحاب کبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو برادری اور محبت اور اخلاق اور اتحاد تھا اُس کے رُو سے یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی کہ اُن کے درمیان رشتہ اور قرابتیں ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت علیؓ کی بیٹی حضرت ام کلثومؓ سے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھیں نکاح کیا تھا۔ جو لوگ اُن بزرگان دین کے درمیان دشمنی اور عداوت کا ہونا بیان کرتے ہیں اور اصحاب کبار کو معاذ اللہ منہا کافر اور منافق اور مرتد کہتے ہیں اُنہوں نے اس واقعہ سے انکار کرنے کی عجیب و غریب کوششیں کی ہیں۔ بعض نے اس نکاح کے ہونے سے سرے سے انکار کیا ہے۔ کوئی اُم کلثوم کے بنت مرتضوی ہونے ہی کا منکر ہے۔ کسی نے نکاح پر غضب کا اطلاق کیا ہے۔ کوئی بعد نکاح ہونے کے ہم بستری ہونے سے منکر ہے اور

بعض یہ عجیب بات کہتے ہیں کہ ایک جنیہ بشکل حضرت ام کلثوم حضرت عمرؓ کے پاس آئی تھی اور بعض اس سے بھی زیادہ عجیب بات کہتے ہیں کہ ابتدا ہی میں جب حضرت علیؓ نکاح کر دینے کو مجبور کیئے گئے تو ایک جنیہ سے جو ام کلثوم کی شکل بن کر آئی تھی نکاح کرا دیا۔ بعض اس کو حضرت علیؓ کا انتہا درجہ کے صبر اور تحمل کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ بعض اس کو تقیہ بیان کرتے ہیں۔ مگر اُس سیدھے سادے صحیح واقعہ کے سامنے یہ سب کہانیاں لغو اور بیہودہ ہیں ؛

اس قسم کی غلط اور جھوٹی روایتوں کے پھیلانے اور ایجاد کرنے سے مطلب یہ تھا کہ اُن کے سُننے والوں کو اصحاب کبار کے بُرا سمجھنے اور اُن کے حق میں ناشایستہ الفاظ استعمال کرنے کی جرأت ہو اور اُن کی اصلیت ہم ایک واقعہ سے بطور مثال کے سمجھ سکتے ہیں۔ سر سید احمد خاں صاحب بیان کرتے ہیں کہ "ایک میرے نہایت دوست شیعہ مذہب تھے۔ اُن کے ہاں ایک چھوٹا بچہ تھا جس کو ایک بکری کا بچہ پال دیا تھا اور وہ خوب اُس سے ہل گیا تھا۔ ایک دن اُس بکری کے بچہ کو ذبح کر ڈالا۔ اور وہ چھوٹا بچہ خوب رویا۔ اُسکے باوا نے اُس سے کہا کہ عمرؓ یہ کام کر گیا ہے وہ بچہ عمر کو بُرا بھلا کہتا تھا۔ یہ کام صرف اس لیئے کیا تھا کہ بچپن ہی سے اُس کے دل میں عمرؓ کی عداوت اور اُن کے نام سے نفرت پیدا ہو" یہی اصلیت اُن روایتوں اور کہانیوں کی ہے جن میں اصحاب کے درمیان باہمی دشمنی اور عداوت ہونا بیان کیا جاتا ہے اور جن پر مذہب کا مدار ہو گیا ہے اور جزو مذہب بنالی گئی ہیں ؛

جیسے کہ شیعوں میں جھوٹی اور غلط روایتیں اور حدیثیں بنائی گئی ہیں اسی طرح سُنیوں میں بھی جھوٹی اور وضعی حدیثیں وضع کی گئی ہیں جن میں اوّل حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کا بیان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا گیا ہے بلاشبہ یہ حدیثیں اُس وقت وضع کی گئی ہیں جبکہ اُن کے موضوع اس دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔ مگر دونوں فرقوں کی وضعی حدیثوں میں اتنا فرق ہے کہ شیعوں کی حدیثیں اور روایتیں فتنہ اور فساد پیدا کرنے والی تھیں اور سُنیوں کی شر اور فساد کو مٹانے کی غرض سے دروغ مصلحت آمیز کی مانند تھیں مگر اہل بصیرت کے نزدیک نہ پہلی قسم کی روایتوں کی اب کچھ وقعت ہوگی اور نہ دوسری قسم کی احادیث کی کوئی ضرورت۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہم شیر و شکر کی طرح تھے اور ایک حدیث سے جو نہایت سچی ہے اُس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اصحاب کے ساتھ متفق بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ ہمارے پاس سے گزرے اور سلام کہا۔ میں فکر میں ڈوبا ہوا تھا میں نے سلام نہ سُنا اور جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت حضرت ابوبکرؓ کے پاس کی وہ یہ سُنکر اُن کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں میرے پاس آئے اور سلام علیک کہکر حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ پہلے تو میں نے کہا کہ اُنہوں نے

کہ اس قسم کی ذراسی بات کو گوارا نہیں کرتے تھے چہ جائیکہ اُن میں بغض اور عداوتیں ہوں ؛

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانۂ خلافت میں حضرت علی علیہ السّلام اُن کے دست و بازو اور معین اور مشیر اور صلاح کار تھے۔ رُتبہ میں وہ ایک دوسرے کے مساوی اور مساویانہ برتاؤ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ اپنے زمانۂ خلافت میں ایک دن کسی مسئلہ میں کچھ دریافت کرنے کے لیئے حضرت علیؑ کے مکان پر گئے۔ اور آدمی بھی ساتھ تھے۔ جب وہاں پہونچے تو حضرت علیؑ نے کہا یا امیر المومنین مرحبا۔ اور اُن کی بات سُن کر فرمایا کہ آپ نے مجھے وُہیں کیوں نہ بُلا لیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں خود آنے کو اچھا سمجھتا ہوں[1] ؛

حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے حضرت عمرؓ کو اس درجہ محبّت تھی کہ اپنی اولاد سے نہ تھی۔ ایک دن نہ دیکھتے تھے تو چین نہیں پڑتی تھی۔ اُن کے حالات سے یہ بخوبی معلوم ہو جائیگا۔ اگر یہ ایک لمحہ کیواسطے بھی سچ مان لیا جائے کہ اصحاب کبار کے درمیان باہم دشمنی اور عداوت تھی تو درحقیقت یہ اسلام اور شارع اسلام کی تعلیم پر ایک الزام اور سخت حملہ ہے ؛

اگر اسلام یہی تھا اور اُس کی تعلیم یہی تھی کہ وہ مُسلمانوں کے سرتاج اُن سب سے پہلے مسلمانوں کو جنہوں نے خود حضرت سرورِ کائنات سے تعلیم پائی تھی سوائے بداخلاقی کے کچھ نہ سکھلا سکا اور اُس اُخوّت اور برادری کی بجائے جس کی وہ تعلیم کرتا تھا بغض اور عداوت اور کینہ ہی دلوں میں پیدا کرتا رہا تو ایسے اسلام کو سلام ہے۔ ایسا اسلام ایک لمحہ کیواسطے دنیا میں سچّا سمجھا جانے کے لائق نہیں ہے اور نہ وہ انسان کی کسی مرض کی دوا ہو سکتا ہے۔ مگر خدا کی قسم ہے کہ اسلام کسی ایسے الزام اور بہتان سے پاک ہے ؛

خلافت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نزدیک ایسی تھی کہ خوشی سے اُس کو منظور نہیں لیا اور افسوس سے اُس کو چھوڑا نہیں۔ اُس کو اتنا بڑا ذمّہ واری اور جواب دہی کا کام سمجھتے تھے کہ بسا اوقات خوفِ خدا سے روتے تھے۔ خلافت سے جو اُنہوں نے حظّ اور آرام اُٹھایا وہ اُن کے حالات سے معلوم ہو جاوے گا۔ انگریزی مؤرخ لکھتا ہے کہ "خلافت کی ذمّہ واری کا حضرت عمرؓ کی طبیعت پر اتنا بوجھ تھا کہ اُن کو یہ کہتے ہوئے لوگ سُنتے تھے کہ "کاش میری ماں مُجھ کو نہ جنتی اور کاش میں ایک گھاس کا تنکا ہوتا" ؛

اب یہ بات کہ خلفاء سے امورِ خلافت میں غلطیاں ہوئی ہیں یا نہیں کچھ شور و غل اور بحث کرنیکے

---

[1] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک ۱۲

لائق بات نہیں ہے۔ انسان غلطی کرتا ہے اور اُن سے غلطیاں سرزد ہوئی ہونگی ؛

سر سید احمد خاں صاحب لکھتے ہیں کہ "مطاعن صحابہ ایک ایسا لغو اور بیہودہ اور جھوٹا کام ہے جسکے برابر دنیا میں دوسرا نالائق کام نہیں ہے۔ نہ ہمارے پاس صحیح صحیح واقعات موجود ہیں جو یقین کے لائق ہوں اور اگر بالفرض واقعات بھی ہوں تو وہ کیفیت اور حالات جن پر باہم صحابہ کے مشاجرات واقع ہوئے ہرگز ہماری آنکھ کے سامنے نہیں ہیں۔ پس جو لوگ صحابہ کے مطاعن پر بحث کرتے ہیں وہ بلا کافی شہادت اور بلا موجودگی روئداد کے اپنا فیصلہ قایم کرتے ہیں۔ علاوہ اِس کے انسان سے غلطی اور خطا کا واقع ہونا خصوصاً ایک ایسی بڑی سلطنت کے انتظام میں جو صحابہ کے ہاتھ میں تھی ایک ایسا امر ہے جو ناگزیر ہے۔ صحابہ معصوم نہ تھے اگر بالفرض اُن سے غلطیاں واقع ہوئی ہیں تو کیا آفت ہوئی اور کیوں بُری سمجھی جائیں۔ اگر انہیں روایتوں پر جو موجود ہیں نکتہ چینی کا مدار ہو تو اُس نکتہ چینی سے نہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السّلام بچتے ہیں نہ خلفاء ثلاثہ اور ہم تو باوجود تسلیم کر لینے اِن نکتہ چینیوں کے جو خوارج و نواصب اور شیعہ اُن بزرگوں کی نسبت پیش کرتے ہیں اُن میں سے کسی بزرگ کو بُرا اور بد خیال نہیں کرتے۔ وہ تمام واقعات ایسے ہی ہیں جو دنیا میں ہمیشہ پیش آتے ہیں وہ ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں اُن سے نہ اُن بزرگوں کی بزرگی میں کچھ نقصان لازم آتا ہے اور نہ مذہب اسلام کو اُن سے کچھ تعلق ہے۔" درحقیقت اُن علماء کی رائے نہایت قابل قدر ہے جو اِن مباحث کی اجازت نہیں دیتے اور اُن کی نسبت خاموشی اختیار کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔ اگر مخالفت اور نکتہ چینی کو اصول بنا کر کسی کی طرف دیکھا جاوے تو کوئی بھی دنیا میں نہیں بچ سکتا۔ خود حضرت فخر انبیاء کی ذات پاک مخالفین کی نکتہ چینی سے نہیں بچی اور جس حال میں کہ خلفاء کے حالات کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے پس اُن کے حالات سے بحث کرنا اور اسلام میں تفرقہ ڈالنا نہایت نقصان دینے والا امر ہے۔ بقول سر سید احمد خاں صاحب کے کہ "جو امور مذہب اسلام سے علاقہ رکھ سکتے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم ہو گئے اور جو واقعات اُن کے بعد ہوئے اُن کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہے نہ وہ مذہب اسلام کے جزو ہیں نہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے بعد اَشْهَدُ اَنَّ اَبَا بَكْرِ الصِّدِّيْقَ اَوَّلُ خَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کہنا ہمارا جزو ایمان ہے اور نہ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ وَصِيُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَخَلِيْفَتُهٗ بِلَا فَاصِلَةٍ ماننا ہمکو ضروری ہے بلکہ اسلام کے لیئے پہلے ہی دو تشہد کافی ہیں۔"

سُنّی اور شیعہ کے اختلاف کے تاریخی حالات کو جو محض مُلکی امور اور واقعات پر مبنی تھا اور رفتہ رفتہ مخالفت اور دشمنی کی صورت پکڑ گیا اور اِس بات کو کہ مُسلمانوں کو اِس سے کس قدر نقصان پہنچا ہم بہت اختصار کے ساتھ بیان کرینگے۔ زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے ؛

اسلام نے تو کوئی اِس قسم کا اختلاف اور تفرقہ پیدا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اُس کا کام تو دنیا کے تمام تفرقوں کو

مٹانا تھا اور اُس نے اپنی وسعت کے اندر مٹا دیئے تھے۔ پہلے دونوں خلفاء کے زمانۂ خلافت میں بھی اِس قسم کے کسی تفرقہ کو تعلق نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اِن آنے والے واقعات کی بُنیاد رکھی گئی کہ امیر معاویہ کو اِس قدر اقتدار اور قوت حاصل ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لینے کے عذر سے خلافت سے بغاوت کریں۔ اِس میں بھی کچھ شُبہ نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے واقعہ اور اُس کا بدلہ نہ لیئے جانے نے ایسے اشتعال کے اسباب پیدا کر دیئے تھے جن کی آڑ میں امیر معاویہ کو اپنی دوگونہ غرض پورا کرنے کا موقعہ مِل گیا۔ ورنہ امیر معاویہ کی اکیلی خواہشیں اہل عرب کے ہاتھوں پوری ہونی ناممکن تھیں۔ عمرو بن العاص کی حیلہ ساز طبیعت نے امیر معاویہ کے اغراض کی ایسی مدد کی کہ کوئی بڑی سے بڑی فوج بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت کو بڑی مجبوری سے مُسلمانوں کے درمیان خونریزی اور شام کی اور مصر کی خلافت سے علیحدگی کو دیکھنا پڑا۔ مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنانے کا نتیجہ اچھا نہ پیدا ہوا کُوفی اقوام عرب نے بجائے اِسکے کہ حضرت علیؑ کی خلافت کو اپنے درمیان دیکھنے پر فخر و ناز کرتے بہت بے اعتنائی اور نافرمانی بلکہ مخالفت ظاہر کی۔ اُن کی بے اعتنائی کا اِس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جب ایک نسل کے گزر جانے کے بعد حضرت علیؑ کی تعظیم اور تکریم اور امامت وغیرہ کے عجیب و غریب خیالات کا جوش پیدا ہوا تو حضرت علیؑ کے مدفن اور مقبرہ کا بھی کوئی نشان نہ بتا سکا +

بنی اُمیہ کی خلافت کے ساتھ دنیا طلبی اور قوت و اقتدار اور غلبہ کی خواہش اور ہوس کا زمانہ شروع ہوا۔ امیر معاویہ کو حضرت امام حسنؑ کو خلافت سے محروم کر کے تمام مفتوحہ ممالک پر اپنا تسلط بٹھا لینے کا موقع مِل گیا اپنے بیٹے یزید کو بظاہر رفع شر کے بہانہ سے صرف اپنا جانشین ہی نہ مقرر کیا بلکہ کہا جاتا ہے کہ اُس کو وصیت کی کہ تین شخصوں کی طرف سے جو مدعیٔ خلافت ہیں ہوشیار رہے۔ عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت امام حسین علیہ السّلام کی طرف اُس کا اشارہ تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ کی طرف تو امیر معاویہ کا شُبہ درست نہیں تھا۔ وہ دنیا کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ یزید نے جب بیعت چاہی تو عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے فوراً بیعت کر لی۔ عبداللہ بن زبیر اور حضرت امام حسینؑ نے بیعت نہ کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ اِس کے بعد حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا وہ عالم آشوب واقعہ ہوا جس نے گو بظاہر ایک مستحق خلافت کو ایسے ظلم اور بیرحمی سے راستہ سے اُٹھا کر یزید کی حکومت کو بے کھٹکا کر دیا مگر درحقیقت بنی اُمیہ کی خلافت کی بیخ کنی کے واسطے اُس کی بنیادوں میں بارود بھر دیا۔ کوئی فوج اور کوئی تلوار بنی اُمیہ کی بربادی کے واسطے اتنا کام نہیں کر سکتی تھی جتنا کہ شہدائے کربلا کے المناک واقعہ نے کیا۔ اہل بیت کے استحقاق کی طرف اس وقت تک جو ایک بے اعتنائی اور بے پروائی کا اظہار کیا گیا تھا وہ اُن کی حمایت اور اُن کا بدلہ لینے کے جوش سے مبدل ہوگیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے دعوئی خلافت کو بلا مزاحمت پیش کرنے اور حضرت امام حسینؑ کے دعووں کی

کی روح اٹھا دینے والے واقعہ حضرت امام حسین کو لوگ جانے کی رائے دی تھی اب شہدائے کربلا کا بدلہ لینے کے واسطے علم اٹھایا۔ اس کا نتیجہ مکہ اور مدینہ میں خرابی خوں ریزی۔ کعبہ کی تباہی اور انصار کی بربادی اور جوربرداری کے سوا فی الحال کچھ نہ پیدا ہوا۔ ابن زبیر کی مکہ اور مدینہ میں گو خلافت تسلیم ہوگئی مگر انجام اسکا بھی کچھ اچھا نہوا۔ مختار نے عبدالملک کی خلافت میں شہدائے کربلا کا بدلہ لیا۔ اور اگر آیندہ دنیا طلبی اور دنیا پرستی کی اغراض کے واسطے شہدائے کربلا کا بدلہ ایک بہانہ نہ بنالیا جاتا تو یہ بدلہ کافی سمجھ لیا جاتا۔ اب دنیا کے واسطے تمام جھگڑے اور لڑائیاں تھیں۔ دین اور دینی مسئلے اور شیعان علی کا یہ نیا نام اختیار کرنا اور امامت کے نئے مسئلہ کو پیدا اور شایع کرنا یہ ایک آڑ تھی جس کے پیچھے دنیا اور دنیوی اقتدار کے حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ ان اندرونی جھگڑوں اور لڑائیوں سے اسلامی سلطنت کو یہ ایک اصلی نقصان پہنچا تھا کہ عرب کی فتوحات جو ایک بے روک سیلاب کی طرح دنیا میں پھیل رہی تھیں بالکل بند ہوگئیں اور مسلمانوں کی قوت اپنی قوت سے ٹوٹ رہی تھی۔ لیکن ولید بن عبدالملک کی خلافت نے وہ پچھلے اچھے دن پھر یاد دلائے اور ملک گیری اور فتوحات میں وہ نام پایا کہ سر ولیم میور اس کے زمانہ کو ابتدائے خلافت سے انتہا تک عدیم النظیر کہتے ہیں۔ مگر جو آگ گھر میں لگ چکی تھی اور جس کی چنگاریاں دبی ہوئی تھیں آیندہ خلیفوں کے وقتوں میں وہ نئی نئی صورتوں میں بھڑکتی رہیں اور آخر بنی امیہ کی بدنام خلافت کا خاتمہ کردیا۔

بنی عباس نے گو خلافت شہدار کربلا اور اہل بیت اور بنی فاطمہ کا بدلا لینے کے نام سے حاصل کی مگر بہت جلد انہوں نے ثابت کردیا کہ یہ سب دنیا اور دنیوی اقتدار کے حاصل کرنے کے واسطے ایک آڑ تھی اور کچھ نہ تھا۔ بنی امیہ سے بدلا لیا گیا۔ اُن کے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کے مظالم کے بدلے اُن کو ذبح کرکے اُن کی لاشوں پر فرش کرکے دسترخوان بچھایا گیا۔ تلوار بدلہ لینے والوں کو ٹھنڈا نہ کرسکی اور لاشوں کو آگ کے سپرد کیا گیا۔ مشرقی دنیا کی زمین کے اوپر ایک متنفس بھی اُس بدنام نام سے پکارے جانے کے لائق نہ چھوڑا گیا۔ مگر کیا یہ بنی فاطمہ کا بدلہ لیا جارہا تھا۔ اُس وقت گو یہی خیال کیا جاتا مگر بنی فاطمہ کے ساتھ جو سلوک ہوا اُس نے بہت جلد بتادیا کہ اس سب کا مطلب خلافت اور پادشاہی کے میدان کو صاف کرنے کے واسطے روکنے والی اور بدنما جھاڑیاں اور درخت آیندہ بڑھ جانے کے خوف سے کاٹے جارہے تھے۔ بنی فاطمہ پر بنی عباس کے ظلم اور تشدد کی تاریخ بنی امیہ کی تاریخ سے بہت لمبی ہے اور سُنّی اور شیعہ کے درمیان دشمنی اور مخالفت پیدا ہونے کے بڑے واقعات اسی زمانہ میں ہیں۔ اب ہمکو شہدائے کربلا کے پاک ناموں اور اُن کے بدلہ لینے کے بہانوں کے ذکر کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگرچہ بنی فاطمہ کی آیندہ کوششوں میں جو خلافت کیواسطے کیجاتی تھیں اُن کا بڑا معاون یہی بہانہ تھا لیکن دراصل بنی عباس اور بنی فاطمہ میں خلافت کے واسطے لڑائیاں اور جنگ شروع ہوئے۔ بنی عباس نے

تو اب اُن کو بنی فاطمہ کی فکر ہوئی جن کے نام کو اُنہوں نے اپنی کامیابی کا وسیلہ بنایا تھا۔ لیکن اب ایسی رُکاوٹوں کو وہ اُٹھا دینا چاہتے تھے۔ ابو مُسلم اُس زمانہ کا بے نظیر سپہ سالار تھا جس نے دولت عباسیہ کی بنیاد رکھی اور عدم سے نکال کر اُس عظیم الشان سلطنت کا مالک بنا دیا اور زمین سے اُٹھا کر اُس آسمان مرتبہ تخت پر بٹھا دیا اور اِس کوشش میں اپنے ہاتھوں کو لاکھوں مسلمانوں کے خون میں رنگ لینے میں تامل نہ کیا اُسکا اقتدار اور قوت سب سے پہلا کانٹا تھا جو عباسیہ کے پہلے خلیفوں کی آنکھوں میں کھٹک رہا تھا۔ ابو جعفر منصور نے آخر اُس اپنے وفادار محسن اور بے گناہ اور بے خطا سپہ سالار کو ذبح کرا ہی دیا۔ بنی فاطمہ باقی تھے۔ عبداللہ کو مع اُن کے کُنبہ کے قید میں ڈال دیا اور اسپر بھی اکتفا نہ کر کے ایک یا دوسرے بہانہ سے اُن کو مار ڈالا۔ محمد اور ابراہیم اگر بھاگ نہ گئے ہوتے تو وہ بھی اِس قسمت میں شریک ہوتے بنی فاطمہ کے خلافت کے واسطے کمزور کوششیں کرنے اور بنی عباس کے اُن پر سختیاں اور جور و جفا کرنے کے واقعات تاریخی جھگڑے ہیں۔ سبز اور سیاہ رنگ کے نشان اور جھنڈے دونوں فریقوں اور فوجوں کو تمیز کرتے تھے بنی فاطمہ میں جن بزرگوں نے دنیاوی تعلقات اور جھگڑوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی وہ امن میں رہے۔ لیکن جنہوں نے اپنے نسبی فخروں کے عوض میں دنیا مول لینی چاہی اور سلطنت میں خلل انداز ہوئے اُنہوں نے اپنی قسمتوں کو دوسروں کے واسطے باعث حیرت بنانے کے سوائے اور کچھ نہ حاصل کیا۔ خلافت کے امن میں خلل ڈالنے کا جُرم اُن کی بغاوتوں کی اُن کو سزا دینے کا کافی عذر تھا اور قوت اور اقتدار اُنہیں کا تھا جن کے ہاتھ میں تھا۔ خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ خلافت نے بنی فاطمہ کے حق میں ایک مفید پلٹا کھایا مگر اُن کی بدقسمتی نے حضرت علی رضا کو خلافت کا وارث بننے کے واسطے زندہ نہ رہنے دیا اور زمانہ بہت جلد اُن کے خلاف پھر گیا۔ خلیفہ متوکل باللہ نے بنی فاطمہ کی مخالفت کو انتہا درجہ تک پہنچا دیا۔ حضرت امام حسینؑ کی قبر پر اُس نے ہل پھروا کر اُس زمین پر کھیتی بوادی اور زائرین کو بُلا کر سخت دھمکیوں سے منع کر دیا۔ ایک عالم شخص کو اس جُرم میں کہ اُس نے خلیفہ کے دونوں بیٹوں کو امام حسن اور امام حسین علیہم السلام پر ترجیح دینی پسند نہیں کی تھی پانوں میں روندوا دیا +

غرض یہی جھگڑے اور لڑائیاں سُنّی اور شیعہ میں مخالفت اور دشمنی بڑھاتی گئیں اور اُن کی عجیب عجیب صورتیں پیدا کرتی گئیں۔ انہیں مُلکی جھگڑوں سے دراصل سُنّی اور شیعہ کے نام سے دو مذہبی فرقہ پیدا ہو گئے۔ معز الدولہ دیلمی نے چوتھی صدی ہجری میں خلیفہ مطیع اللہ کے زمانہ میں یوم عاشورہ کا رواج دیکر ایک عُمدہ کام کے ساتھ اِس تفریق کے اور پختہ کرنے کا ایک سبب پیدا کر دیا۔ گوشیعوں میں نئے نئے مذہبی مسائل اور مذہبی تفرقہ عجیب و غریب قسم کے پیدا ہوئے مگر وہ اس اصلی اختلاف سے جُدا سمجھنے چاہیئے یہ اصلی اختلاف تو خلافت کی بابت تھا۔ بنی فاطمہ جسقدر کوششیں کرتے رہے سب میں ناکامیاب ہوئے

اور اس ضعف نے تلوار کی نمی کو زبان سے پورا کرنا چاہا اور سختیں اُن کے جوشوں کو بڑھانی اور نئی نئی صورتوں میں ظاہر کرتی رہیں جو نہ ہی رنگ پکڑتی گئیں۔ بنی فاطمہ ہی اگر دنیوی اقتدار اور دنیا کی ہوس چھوڑ دیتے تو ممکن تھا کہ ان دشمنیوں کا خاتمہ ہو جاتا مگر اُن سے بھی یہ نہ ہو سکا اور خلافت کو ایک دم چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ایشیا میں گو اُن کو کوئی دیرپا کامیابی نہ حاصل ہوئی مگر مصر میں اُن کی ایک خلافت آخر قایم ہو ہی گئی جو سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے وقت تک جس نے پھر مصر میں عباسیہ خلافت قایم کر دی تھی قایم رہی۔ مصر کی یہ عباسیہ خلافت مملوکیوں کے زمانہ تک برائے نام مصر میں رہی اور سلطان سلیم کے زمانہ میں ترکان عثمانی کی طرف منتقل ہو گئی ؛

خلفاء اربعہ کے سوا اوّل سے آخر تک جس قدر جھگڑے اور لڑائیاں اور کشت و خون ہوئے سب کی تہ میں ایک ہی وجہ دنیا کی طلب اور دنیا کی ہوس تھی اور کچھ نہ تھا۔ بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کے تعلقات قبل الاسلام کو بلا ضرورت زندہ کیا جاتا ہے بنی ہاشم ہی نے بنی ہاشم سے کون سا اچھا سلوک کیا جو بنی اُمیہ کے سلوک کو اتنی دور پیچھے لیجایا جائے دنیا کے واسطے جو کچھ بنی اُمیہ نے کیا وُہی کچھ بنی عباس نے کیا اور وہی بنی فاطمہ نے کیا۔ تاریخ گواہ ہے جس سے جو ہو سکا کسی نے کمی نہیں چھوڑی مُسلمانوں کا خون سب کی خلافتوں پر ایک ہی جیسا دعویٰ کر سکتا ہے ؛

جس قدر کشت و خون مُسلمانوں کا اِن جھگڑوں اور لڑائیوں میں جو رفتہ رفتہ مذہب بن گئی تھیں ہوا وہ شمار کے حد و حساب اور اندازے سے باہر ہے۔ اور آج تک رونیوالے کو اُس پر صبر کر لینا بھی مشکل ہے اگرچہ رونا اور فریاد کرنا ہی ایک چارہ ہے۔ اِسی دشمنی نے اسلامی خلافت کا نام دنیا سے رخصت کر دیا۔ عباسیہ کی وہ شان و شوکت پھر نہ آنے کے واسطے ہی مخالفت کی نذر ہو گئی۔ اِسی سُنّی اور شیعہ کے جھگڑے نے ہلاکو کے خوں خوار اور خوں ریز ہتھیاروں کو مسلمانوں کے گھر میں بلایا اور اسلامی سلطنت کی شان و شوکت۔ علم و فضل اور صدیوں کی جمع کی ہوئی بزرگیوں کو اُس غارت گر کے ہاتھوں سے فنا کروا دیا۔ اور عالموں اور فاضلوں اور شاعروں اور ادیبوں ہزارہا باکمال لوگوں کو جو انتخاب روزگار اور دنیا کا فخر تھے جاہل درندوں کے ہاتھوں سے ذبح کروا ڈالا۔ وہ بھی تباہی اور بربادی اور زوال اور مدینۃ الاسلام کی ویرانی کا واقعہ تھا جس کو دیکھکر شیراز کا علامہ خون کے آنسو روتا ہوا ہمارے رولانے کے لیئے یہ اشعار کہتا ہوا گیا ہے ؛

آسماں را حق بود گر خوں بیارد بر زمیں	بر زوالِ ملک مستعصم امیر المومنیں
اے محمدؐ گر قیامت می برآری سر ز خاک	سر برآر دیں قیامت در میانِ خلق بیں
دیدہ بردار اے کہ دیدی شوکتِ بیت الحرام	قیصرانِ روم بر سر خاک خاقانِ بر زمیں
خونِ فرزندانِ عمِ مصطفےٰ شد ریختہ	ہم بران خاکے کہ سلطانانِ زمانہ بر جبیں

جلبن سبایا سافرات وجوهها	نواعب لا تبرزن من کل مخدر

جو لڑکیاں پردہ میں چادروں سے چہرے باہر نہ نکالتی تھیں اُن کو کھُلے مونھ اسیر کر کے لے گئے ؛

رعی اللہ انسانا تیقظ بعدھم	لان مصاب الزید مزجرۃ العمرو

خدا حمایت کرے اُس شخص کی جو دولت بنی عباس کے بعد خوابِ غفلت سے بیدار ہو گیا کیوں زید کی مصیبت عمرو کے لیئے تازیانہ ہے ؛

اِس آخری بڑی تباہی اور ویرانی کا سبب صرف سُنّی اور شیعہ کی دشمنی اور مخالفت تھی۔ اِسکی تفصیل کے معلوم کرنے کے واسطے تاریخ کو کھولنا چاہیئے اگرچہ بنی عباس کی خلافت کا انجام ویسا ہی ہوا جیسا کہ پانچ صدیاں پہلے اُن کے ہاتھوں سے بنی اُمیہ کا ہوا تھا مگر وہ آیندہ مسلمانوں کے واسطے اُس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے واسطے کافی سے زیادہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ مُسلمانوں نے اُس سے عبرت نہ حاصل کی اور سلطان سلیم اور شاہ اسمٰعیل صفوی کے زمانہ میں وہ چنگاریاں ایک دفعہ پھر بھڑکیں اور مُسلمانوں کی ہزارہا جانیں صرف اِس تفرقہ اور مخالفت کی نذر ہو گئیں۔ ہندوستان میں بھی یہ آگ مسلمانوں کے گھروں کو جلائے بغیر نہ رہی۔ مگر چھوٹے بڑے تمام واقعات کا بیان کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کے واسطے یہی واقعات کافی ہیں۔ سعدیؒ اگر اپنے زمانہ میں ایسی مصیبت اور تباہی دیکھکر زندگی سے بیزار تھا اور موت طلب کرتا تھا تو ہمارے زمانہ میں مسلمانوں کے سامنے رونے اور فریاد کرنے اور مرجانے کے واسطے اُس سے بھی زیادہ حوادث موجود ہیں۔ یورپ اور افریقہ اور ایشیا اور ہندوستان میں اسلامی سلطنتوں کی تباہی اور اپنے بُرے انجام سے بھی اگر ہم سبق نہیں حاصل کر سکتے تو ہماری اِن زندگیوں سے درحقیقت موت ہزار درجہ بہتر ہے ؛

اے اسلام کی نسلو! تمہاری تاریخ سے بڑھکر تمہارے واسطے کوئی معلم نہیں ہو سکتا۔ اپنی تاریخ اور اپنے حال سے عبرت حاصل کرو۔ دنیا کی خلافت اور سلطنت کے جھگڑوں نے جو تفرقے تمہارے درمیان پیدا کیئے ہیں کم سے کم اب تو اُن کو درمیان سے اُٹھا دو۔ نہ وہ خلافت رہی نہ وہ سلطنتیں رہیں۔ نہ وہ دعوے اور نہ وہ دعویدار رہے مگر افسوس ہے کہ وہ تفرقے اور مخالفتیں باقی ہیں۔ ذرا غور کرو کہ کوئی عقلمند ہمارے اِس حال پر سوائے ہنسنے یا افسوس کرنے کے کیا کرے گا۔ ہم اپنے اِن تفرقوں سے دوگونہ نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ خدا کی مرضی یہی تھی۔ اگر یہ دُشمنیاں ہمکو اپنے ہی گھر میں مصروف نہ رکھتیں تو یہ دنیا اسلامی سلطنت کے سوا کوئی دوسرا نام سُننے کے لائق باقی نہ رہتی۔ مگر ایسے خوابوں کا وقت گزر گیا ہے۔ ہم اپنی امن بخش موجودہ سلطنت کے تحت میں اپنی زندگی کے اعلےٰ اغراض پورے کر کے اپنے بہت سے نقصانوں کی تلافی کر لینے کے لائق ہیں ؛

آؤ اتفاق کریں۔ محبت اور اُخوت کے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑ کر اپنے اسلام کا ثبوت دیں اور زمانہ جو کچھ ہم سے چاہتا ہے وہ کریں اور اسلام کی مبارک نسلیں کہلانے کے مستحق ہوں ؎

بزرگانِ دین کے حق میں بُرے اور ناشائستہ الفاظ کا استعمال کرنا اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا تمامتر نقصان ہمیں کو پہنچتا ہے کیونکہ انسان کے دل میں اُس سے بدی اور بدطینتی اور بداخلاقی پیدا ہوتی ہے جو اسلام کے مقصد اعلےٰ کے برخلاف ہے۔ اور اُس کی بُرائی کا بجائے خود یہی ایک ثبوت ہے بلاشبہ آلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ہمدردی نہایت نیکی کا کام ہے اور دل کو پاک اور ایمان کو مضبوط کرتا ہے مگر بزرگانِ دین کے حق میں بُرے اور ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے سے وہ تمام نیکی برباد ہو جاتی ہے اور بُرائی حاصل ہوتی ہے اُنہیں بزرگان دین کے اخلاق اور اطوار کو ہمیں اپنا شعار بنانا چاہیئے اور آج وہ زمانہ آگیا ہے کہ دھوکا دینے والے پردہ درمیان سے اُٹھ جائیں ہم اپنی غلطیوں پر نادم ہوں اور بزرگان دین کے نام کی جو عزت اور تعظیم و تکریم ہمکو کرنی واجب ہے وہ کریں ؎

مجھ کو دیباچہ کے آخر میں اپنی استعداد اور مقدور سے بڑھکر ایک ایسا بزرگ کام جیسا کہ حضرت عمرؓ کے حالات کا لکھنا ہے اختیار کرنے کی نسبت چند الفاظ کہنے ہوں گے۔ اصل یہ ہے کہ میں نے کوئی خواہش اور ارادہ نہیں کیا اور کسی طرح ایسا ارادہ کرنا واجب نہیں تھا جبکہ ہمارے اِس زمانہ کے اسلامی مورخ مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی اِس کے کرنے کا وعدہ اور اعلان کر چکے تھے۔ مگر بعض واقعات نے مجھے اِس کام کی طرف کھینچا۔ کئی برس سے ایک قلمی مسودہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات پر ترتیب دینے اور شائع کرنے کے واسطے فرمائشاً میرے پاس تھا۔ اُس کی صحت کے خیال نے مجھے اِس مضمون پر زیادہ حالات پڑھنے کی طرف مائل کیا اور اُس وقت وہ مسودہ مجھ کو صرف حضرت عمرؓ کے بزرگ اور عظیم الشان حالات کے روبرو بیکار معلوم ہوا اور اُن کے دلچسپ حالات اور اُس عظیم نفع کے خیال سے جو ہر ایک مسلمان ایک بادشاہ سے لیکر عامی تک حضرت عمرؓ کے حالات کے مطالعہ سے حاصل کر سکتا ہے مَیں اپنے چند روزہ مطالعہ کے نتیجہ کو جمع کرنے اور شائع کر دینے کی طرف مائل ہوا کیونکہ مَیں یہ یقین کرتا ہوں کہ ہماری اُردو زبان میں جسکو چھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں بولتے ہیں ایک ہی مضمون پر ایک سے زیادہ کتابیں موجود ہونے میں کوئی نقصان نہیں ہے ؎

لیکن میری کتاب سے یہ اُمید کرنا غلطی ہوگی کہ جناب مولوی محمد شبلی صاحب کی کتاب الفاروق کی ضرورت کو اِس نے رفع کر دیا ہو۔ یہ کتاب زیادہ تر سہل الحصول ماخذوں سے تالیف کی گئی ہے اور عالمانہ تحقیقات اور تدقیقات کی صرف مولوی صاحب کے علم و فضل سے ہی توقع کی جا سکتی ہے۔ اور مجھکو اُمید ہے کہ یہ کتاب بوجہ اُن اعلےٰ اُمیدوں کے جو مولوی صاحب کی کتاب سے ہیں اُس کے اشتیاق کو زیادہ کرنے کا باعث ہوگی ؎

اگرچہ مَیں نے یہ بات کہی ہے کہ میری کتاب سہل الحصول ماخذوں سے تالیف کی گئی ہے لیکن باینہمہ مَیں نے ضعیف روایات اور غیر معتبر تاریخوں کو وُہی وقعت دی ہے جس کی کہ وہ لائق تھیں اور مَیں نے اُنکی طرف مطلق کچھ التفات نہیں کیا ؛

سب سے زیادہ مَیں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قابل قدر اور بیش بہا کتاب "ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء" اور سر ولیم میور کی انگریزی تاریخوں کا جو اُنہوں نے خلافت پر لکھی ہیں مشکور ہوں۔ مولوی محمد شبلی صاحب کی کتاب الفاروق جو اطمینان اِس مضمون کی طرف سے دلا چکی ہے اور دلاتی ہے اُس نے مجھے اِس سے زیادہ محنت اور تجسس اور تلاش کرنے سے جس قدر کہ مَیں نے اپنی استعداد کے موافق کی ہے بے پروا کر دیا ہے ورنہ ممکن تھا کہ مَیں اپنی ناچیز محنت اور سعی اور اُسکے نتایج کو بڑھاتا گو ہر ایک شخص کو جو حضرت عمرؓ کے حالات جمع کرنا اور لکھنا چاہیگا آخر شاہ ولی اللہ صاحب کی طرح یہی شعر پڑھ دینا پڑیگا۔ ؎

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ ؛ یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

یعنی

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عُمر ؛ ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

ایسے حالات اور مباحثوں اور مذہبی مسائل اور تنازعہ اور تکرار کی باتوں کو جن کا ذکر مَیں اپنے سب سے بڑے مقصد کے لحاظ سے نامناسب سمجھتا تھا مَیں نے ترک کر دیا ہے۔ مَیں اپنے ناظرین سے یہ اُمید کرنے کے بعد دیباچہ کو ختم کرتا ہوں کہ وہ میری استعداد کا خیال کر کے جو بہت تھوڑی ہے اور اِس بات کو معلوم کر کے کہ اِن پانچ چھ مہینوں میں جس عرصہ میں مَیں نے اِس کتاب کے متعلق تمام کام کیئے اور کرائے ہیں بہت کم وقت اطمینان اور فراغت کا مجھے ملا ہے میری غلطیوں کے ساتھ سختی سے سلوک نہ کرینگے ؛

ناہن ۔ ۱۰ ۔ دسمبر ۱۸۹۳ء

خاکسار سراج الدین احمد

پہلا باب

نام و نسب - ولادت - بچپن - سن رشد - عرب جاہلیت

عمرؓ نام - ابوحفص کنیت - فاروق خطاب - امیر المومنین لقب - القرشی العدوی نسب - شجرۂ نسب کے بارے میں مورخین میں کسی قدر اختلاف ہے - تاریخ الخلفاء سیوطی میں شجرۂ نسب عمر ابن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی ہے - اور طبری میں عمرؓ ابن خطاب ابن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن عدی بن کعب بن لوی ہے - بہر صورت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شجرۂ نسب آٹھویں پشت میں یعنی کعب بن لوی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملجاتا ہے - پس آپ اشراف قریش میں سے تھے - والد آپ کے مشہور اور عمدہ متکلم اور اپنی قوم اور قبیلہ کے امیر اور سردار[1] تھے - آپ کی ماں خنثمہ بنت ہشام ابن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھی +

حضرت عمرؓ کے نام کے بارے میں ایک دلچسپ روایت استیعاب میں ہے کہ ایک دن آپ مسجد سے نکلے - جارود آپ کا غلام ساتھ تھا - سامنے سے ایک عورت (خولہ بنت حکیم) آئی جسکو آپنے سلام علیک کہا - اُس نے جواب دیکر کہا کہ اے عمرؓ کچھ اور کہو میں تجھے پہچانتی ہوں - تیرا نام عکاظ کے بازار میں عمیرہ تھا اور تھوڑے دنوں بعد تجھے عمر کہنے لگے اور اب بہت عرصہ نہیں ہوا کہ تو امیر المومنین کہلانے لگا[2][3] اس نام کی تبدیلی کی بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی - ممکن ہے کہ بچپن میں یا ایام جاہلیت میں لوگ آپ کو عمیرہ کے نام سے پکارتے ہوں - گو نام آپ کا عمرؓ ہی ہو +

---

[1] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور ۱۲

[2] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء مولفہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی ۱۲

[3] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء 〃 〃 ۱۲

کی ولادت کا سال ہے تیرہ[۱۳] برس بعد پیدا ہوئے اور ذہبی کی روایت کے حساب سے آپ عام فیل سے اُنیس برس بعد پیدا ہوئے[۱] یہ اختلاف چھ برس کا آپ کی نسبت آخر تک پایا جاتا ہے جیسکہ طبری لکھتا ہے کہ بعضوں نے اُن کی عُمر ستاون[۵۷] سال کی اور بعضوں نے ترسیٹھ[۶۳] سال کی لکھی ہے مگر ذہبی کی روایت زیادہ قابل اعتبار ہے[۲]

اگر ہر ایک شخص کو جو اسی قسم کا کام اختیار کرے جیسا کہ میرے ہاتھ میں ہے زمانۂ جاہلیت کے حالات کے نہ ملنے کے ساتھ مجبوراً رضامند ہونا پڑتا ہے تو مجھ کو تو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے سب سے پہلے اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ حضرت عمرؓ کے بچپن کے زمانہ کے حالات بھی ایسی ہی تاریکی میں ہیں اور مشکل سے آج کوئی وسیلہ اُن کے تلاش اور معلوم کرنے کا دستیاب ہو سکتا ہے۔ عرب کی عجیب و غریب شاعری اگر اُن حالات کے زندہ رکھنے کا جو آج دستیاب ہو سکتے ہیں اور اُن کے تاریخی اور سوشل حالات اُس سے اخذ کیئے گئے ہیں ایک ذریعہ نہ بنتی تو طریقۂ تحریر کے موجود نہ ہونے اور حالات کو قلمبند نکرنے کی عادت نے اُن کی قدیم تاریخ کے علم کا خاتمہ ہی کر دیا تھا۔ اگرچہ غیر اقوام کی تحریروں اور قدیم کُتب مذہبی سے بھی عرب کے پُرانے حالات جمع کرنے میں مدد ملی ہے مگر سب سے بڑا منبع اُن کی وہ شاعری ہی ہے جس کے وہ اِسقدر دلدادہ تھے[۳]

مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بچپن اور عموماً زمانۂ جاہلیت کے حالات نہ لکھنے اور نہ بیان کرنے کی نسبت تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مُسلمان مورخوں اور راویوں نے دانستہ چشم پوشی کی ہے۔ اُن کے زمانۂ جاہلیت کے حالات لکھنا یعنی جب تک کہ وہ اسلام نہیں لائے تھے اُن کی شان کے خلاف اور بے ادبی سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ اِسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان مورخوں نے اُن کے زمانۂ جاہلیت کے ساتھ ایک غیر ضروری رعایت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اِس سے گمان ہوتا ہے کہ دانستہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ کفر کے حالات نہیں لکھے گئے۔ بہرحال اسی ناکامی کے ساتھ رضامند ہونا سب سے آخری چارہ ہے[۴]

اگر پھل سے ایک درخت کی اور پیڑ سے ایک پودے کی حالت کا ہم کچھ اندازہ کر سکتے ہیں تو ایک سادہ اور سنجیدہ مزاج شخص کے زمانۂ بچپن کے حالات سے کسی غیر معمولی دلچسپی اور تبدیلی کی توقع نہیں کیجا سکتی حضرت عمرؓ کے بچپن کے زمانے کا بڑا حصہ جاہلیت کے ایک سادہ زندگی بسر کرنیوالے کُنبہ کے اِس قسم کے کاموں میں مصروف رہنے میں گزرا ہے جس کی ایک مثال وہ خود ایک دفعہ ضجنان کے جنگل میں سے

---

[۱] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

[۲] طبری فارسی نسخہ مطبوعہ لکھنؤ ۱۲

گزرے ہوئے جو ملکے قریب ہے بیان کرتے ہیں کہ "میں اُس جنگل میں خطاب (اپنے باپ) کے اُونٹ چرایا کرتا تھا۔ اُن کا مزاج بہت سخت تھا۔ اُس کی طبیعت کے خلاف اگر میں کوئی کام کرتا تھا تو میرے پیچھے پڑ جاتا تھا اور اگر میں قصور کرتا تھا تو مجھے مارتا تھا"[1] اس سے حضرت عمرؓ کے باپ کی طبیعت کا ایک خاصہ بھی معلوم ہوتا ہے اور حضرت عمرؓ کی طفولیت کا زمانہ جس قسم کے کاموں میں گزرا اُسکی بھی ایک مثال ہے ؛

سن رشد بھی حضرت عمرؓ کا جاہلیت کے اُنہیں گم شدہ حالات میں پوشیدہ ہے۔ مورخین اُنکے اس تمام زمانے کے حالات کو جو اسلام لانے سے پہلے کے ہیں ایک جملہ میں ختم کر دیتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ قبل از اسلام قریش میں ایک بڑا رتبہ اور وجاہت رکھتے تھے۔ اشرف قریش میں سے تھے اور جاہلیت میں سفارت کا کام کرتے تھے۔ قریش میں جب کوئی باہمی لڑائی یا کسی دوسرے قبیلہ کے ساتھ جنگ ہوتا تھا تو اُن کو سفیر کر کے بھیجتے تھے۔ گاہ گاہ ثالث مقرر ہوتے تھے اور اگر کسی کی تذلیل اور توہین اور خفت کرنے اور عیوب اور برائیاں بیان کرنے یا اپنے آباو اجداد کی بزرگیاں اور اپنے حسب و نسب کی فخریہ بڑائیاں بیان کرنے کی ضرورت ہوتی تو ایسے موقع پر قریش کی طرف سے حضرت عمرؓ منتخب کیئے جاتے تھے"[2] اس پچھلے الفاظ کے مطلب کی شاید کچھ تشریح کرنے کی ضرورت ہو۔ یہ جاہلیت کی ایک خاص رسم کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ منافرت اور مفاخرت یعنی دوسرے قبیلوں کی بزدلی اور عیوب اور اپنی بہادری اور اوصاف اور حسب نسب کی بڑائیاں بیان کرنا جاہلیت کی ایک عام رسم تھی۔ شاعروں کو اپنی طباعی اور ذہانت اور جودت طبع ظاہر کرنے کا ایک بڑا موقعہ ہوتا تھا وہ برجستہ اور برمحل اشعار تصنیف کر کے پڑھتے تھے بعض اوقات وہ اِن منافرت اور مفاخرت کے معرکوں میں حد سے گزر جاتے تھے مثلاً بنی عبد مناف اور بنی قصی اور بنی سہم کے درمیان یہاں تک نوبت پہنچی کہ اپنی فضیلت اور کثرت کے فخر کو ثابت کرنے کے واسطے قبریں کھود کر اپنے مقتولین کا شمار کیا جسپر سورۃ "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ" نازل ہوئی ہے زیادہ تر رواج اشعار میں منافرت اور مفاخرت کرنے کا تھا۔ مثلاً حارث بن ہمام ابن زیابہ کو کہتا ہے کہ :-

اشعار با ترجمہ

ایا ابن زیابۃ ان تلقنی	لا تلقنی فی النعم الغارب

اے زیابہ کے بیٹے اگر تو مجھ سے ملے تو میں تجھ سے اُونٹوں میں جو اپنے مالکوں سے دور ہوں نہیں ملوں گا یعنی میں شتر چرانے والا نہیں ہوں اور گھوڑوں اور سواروں میں ملوں گا ۱۲

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء ۱۲ [2] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء و تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

[illegible]	[illegible]

اور تو مجھ کو ایسے وقت میں ملے گا کہ گھوڑا مثل اپنے سوار کے بلند و فراخ سینہ مجھے تیز لیئے جاتا ہو ؛

ابن زیاد اِس کا جواب دیتا ہے کہ :-

یا لھف زیابۃ للحارث	الصابح فانعانم فالائب

مطلب شعر کا یہ ہے کہ زیابہ کو اِس بات کا بڑا افسوس ہے کہ حارث صُبح کو لوٹ کر سلامت چلا گیا ؛

والیہ لو لاقیۃ خالیًا	لاب سیفانا مع الغالب

بخدا اگر مَیں اُس سے تنہا ملتا۔ تو بے شک ہم دونوں کی تلواریں غالب کے ساتھ جاتیں یعنی اُس کی تلوار چھین لیتا ؛

انا بن زیابۃ ان تدعنی	آتک والظن علی الکاذب

میں زیابہ کا بیٹا ہوں اگر تو مُجھ کو (لڑائی کے واسطے) بُلاوے گا تو میں تیرے پاس آؤں گا اور تردّد کا انجام جُھوٹے کے حق میں بُرا ہوتا ہے ؛

ایک دوسرا شاعر مفاخرت کے طور پر کہتا ہے کہ :-

رویدبنی شیبان بعض وعیدکم	تلاقو غدًا خیلی علی سفوان

اے بنی شیبان اپنی دھمکیاں کسی قدر کم کرو۔ کیوں اب سفوان پر کل تم سے میرے گھوڑوں کی مُٹ بھیڑ ہوگی ؛

علیہا الکماۃ الغرّ من آلِ مازنٍ	لیوث طعانٍ عند کل طعانٍ

اُن گھوڑوں پر مشہور و نامی بہادر لوگ آل مازن کے سوار ہوں گے جو ہر قسم کی نیزہ بازی میں مثل شیروں کے حملہ آور ہیں ؛

تلاقوھم فتعرفو کیف صبرھم	علی ما جنت فیھم ید الحدثان

اُن سے ملو گے تو جانو گے کہ یہ لوگ حوادث اور مصائب دہر پر کیسا صبر کرتے ہیں ؛

مقادیم وصالون فی الروع خطوھم	بکل رقیق الشفرتین یمان

وہ لوگ لڑائی میں سب سے آگے رہنے والے ہیں اور خوف کی جگہ میں اپنے قدم ہر دو دھاری یمانی تلوار سے ملانے والے ہیں ؛

اذا استنجدوا لم یسألو من دعاھم	لآیۃ حرب ام بای مکان

جب اُن سے کوئی مدد مانگتا ہے تو مدد خواہ سے نہیں پُوچھتے کہ کس لڑائی کے لیئے مدد مانگتا ہے

اور ہمکو کہاں لیجاوے گا یعنی نہایت بے دھڑک ہیں ؛

کی طرف سے اس کام کیواسطے منتخب کیئے جاتے تھے لیکن ہم اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ مشکل سے نکال سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ شاعر تھے یا خواندہ اور تعلیم پائے ہوئے تھے۔ کیونکہ منافرت اور مفاخرت مقفّٰی اور مسجع اور معمولی نثر میں بھی کیجاتی تھی اور بڑے بڑے مشہور شاعر بھی ناخواندہ اور اَن پڑھ تھے۔ مثلاً طرفہ جو جاہلیت کا ایک مشہور اور ممتاز شاعر ہے ناخواندہ تھا مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کام کو انجام دینے کے واسطے حضرت عمرؓ کی لیاقت اور دلیری اور وقار کے لوگ قائل تھے اور اسی طرح سفیر ہونے کے واسطے جو خاص اوصاف درکار ہیں وہ بھی حضرت عمرؓ میں موجود تھے۔ حضرت عمرؓ لکھ پڑھ سکتے تھے۔ یہ امر بخوبی ثابت ہے اور شعر بھی کہتے تھے ؛

حضرت عمرؓ کے حالاتِ جاہلیت کی نسبت اب سوائے اِسکے کچھ کہنے کو نہیں رہا کہ ہم ایک نظیر اُس سادہ مزاج۔ سادہ معاش۔ خودپسند اور خودسر قوم پر ڈالیں جس میں اُنہوں نے ستائیس[۲۷] برس کی عمر تک پرورش پائی تھی اور جن کے عادات اور خیالات کے حصہ دار ہونے میں وہ کسی سے کم نہیں تھے اور جو کہ عنقریب خداوند تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت سے بہرہ یاب ہونیوالے تھے ؛

یہ وہ عجوبہ روزگار قوم تھی جو ہمیشہ آزاد اور اپنی آزادی پر فخر و ناز کرنے والی رہی۔ کسی غیر قوم کی اطاعت کا جوا اس نے اپنے کندھوں پر نہیں اُٹھایا اور کوئی غیر قوم اُن پر فرماں روا نہیں ہوئی تھی کوئی خاص قوم یا خاص شہر کو کسی تاتاری ظالم (جبابرہ سدیہ) یا رُومی حاکم کے سامنے چند روز کے واسطے عارضی طور پر جُھک گیا ہو ورنہ عرب کی کُل قوموں نے بڑے بڑے صاحب جلال اور باشان و شکوہ بادشاہوں کے غاشیۂ اطاعت کو کندھے پر نہ آنے دیا ہزاروں برس آزاد رہے۔ فراعنہ مصر اور شاہانِ شام کی سعی اس کی فتح میں بے حاصل رہی۔ کیخسرو ایرانی اور سکندریہ یونانی سے بچا رہا۔ رُوم کی سلطنت کا عَلم ساری دنیا میں بلند ہوا مگر یہ سرزمین محفوظ رہی۔ ٹارمس۔ پومپی۔ ٹریجن وغیرہ کی فوجیں سرٹپک کر بیٹھ رہیں مگر ملک عرب کو نہ زیر کر سکیں ؛

بدو عرب کی معاشرت ایک چرواہے کے طریقۂ معاشرت سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ خیمہ اور چراگاہ صرف یہی دو چیزیں اُسکو اپنے اور اپنے دُنبوں اور بکریوں کے ریوڑ کے واسطے درکار تھیں۔ البتہ شہروں اور قصبوں میں رہنے والے کسی قدر مہذب زندگانی کے فوایدسے متمتع ہوتے تھے۔ ان کا وقت کاشتکاری میں کھجوروں اور درختوں کے بونے میں جن کے پھلوں سے اوقات بسری ہو اور مختلف انواع کی دستکاری اور مختلف اشیاء کی تجارت اور سوداگری میں صرف ہوتا تھا ؛

مہمان نوازی۔ ہمسایہ کی خبرگیری اور پناہ گیر کی حفاظت۔ قیدیوں کو چھوڑانا۔ محتاج اور بے کس کی مدد کرنا۔ جس کی طرف کھڑے ہو گئے اُس کا ساتھ دینا۔ وعدوں کو پورا کرنا۔ اِن عادات کی بہت تعریف

حسب نسب کی بڑائی - جنگجوئی - بہادری - اپنے قبیلہ کے مقتول کا انتقام لینا - گھوڑے کی سواری میں شاق اور ہوشیار ہونا اور اس قسم کی چیزیں تھیں - مثلاً ایک شاعر (سمول) کے فخریہ شعروں میں سے چند یہ ہیں :-

تعیرنا انا قلیل عدیدنا	فقلت لها ان الکرام قلیل
وہ طعن کرتا ہے کہ ہماری تعداد تھوڑی ہے - میں نے اُسکو جواب دیا کہ ہاں اصلِ کرم تھوڑے ہوتے ہیں ؛	
وما ضرنا انا قلیل وجارنا	عزیز وجار الاکثرین ذلیل
اور ہمکو اُس نے ضرر نہیں دیا کہ ہم تھوڑے ہیں جبکہ ہمارا ہمسایہ صاحب عزت ہے حالانکہ ہمسایہ اکثروں کا ذلیل ہوتا ہے ؛	
لنا جل یحتله من بخیره	منیف یرد الطرف وهو کلیل
ہمارا ایک پہاڑ ہے اُس میں وُہی داخل ہوتا ہے جسکو ہم پناہ دیتے ہیں - بہت استوار ہے نظر کو خیرہ کرکے ہٹا دیتا ہے ؛	
وانا لقوم ما نری القتل سبةً	اذا ما رانه عامر وسلول
اور ہم بیشک ایسی قوم ہیں کہ ہم قتل کو گالی نہیں سمجھتے - جب اُسکو عامر اور سلول نے عار سمجھا	
یقرب حب الموت اجالنا لنا	وتکرهه اجالهم وتطول
ہمارا موت کو محبوب رکھنا ہماری عمریں نزدیک کر دیتا ہے اور اوّل عمریں اس موت کو مکروہ جانتی ہیں اور دراز ہوتی ہیں ؛	
وما مات منّا سیّد حتف انفه	ولا طل منا حیث کان قتیل
اور ہم میں سے کوئی سردار یوں ہی (یعنی بے قتل ہوئے) نہیں مرا اور نہ ہم میں سے کوئی مقتول کہیں ہو باطل ہو گیا ہے (یعنی ہم اُس کا انتقام لیتے ہیں)	
تسیل علی حد الظبات نفوسنا	ولیست علی غیر الظبات تسیل
ہماری روحیں یا خون تلوار کی دھاروں پر رواں ہوتی ہیں - اور تلواروں کے سوا اَور پر رواں نہیں ہوتیں ؛	
صفونا فلم نکدر واخلص سرنا	اناث اطابت حملنا وفحول
ہم (نسب میں) صاف ہیں پس ہم میں کوئی کدورت نہیں ہے اور ہماری پاک اصل کو اُن عورتوں نے کہ اُنھوں نے ہمارا حمل پاک رکھا اور اصل مردوں نے خالص رکھا	

علونا الی خیر الظہور وحطنا	لوقت الی خیر البطون نزول

ہم اچھی پشتوں کی طرف (نطفہ ہوکر) بلند رہے - اور ہمو ایک وقت معین پر نزول نے اچھے بطون کی طرف پہنچا دیا ؛

فنحن کما المزن ما فی نصابنا	کھام ولا فینا یعد بخیل

سو ہم ابر کے پانی کی مانند (پاک وصاف) ہیں - ہمارے گروہ میں کوئی ضعیف نہیں ہے اور نہ ہم میں کوئی بخیل گنا جاتا ہے ؛

ونکران تسئنا علی الناس قولہم	ولا ینکرون القول حین تقول

اور اگر ہم چاہیں تو لوگوں کی بات پر اعتراض کریں - اور جب ہم گویا ہوتے ہیں تو ہمارے قول پر اعتراض نہیں کر سکتے ؛

اذا سیدنا منا خلا قام سید	قؤول لما قال الکرام فعول

جب ہم میں سے کوئی سردار انتقال کر جاتا ہے تو ایسا سردار اُس کی جگہ قایم ہوتا ہے کہ کہتا ہے وہ جو شریفوں کا قول ہے اور وہی کرتا ہے ؛

وما احمدت نارٌ لنا دون طارق	ولا ذمنا فی النازلین نزیل

اور ہماری آگ کسی رات کے آنیوالے پر کبھی بجھی نہیں ہے - اور نہ مہمانوں میں سے کسی مہمان نے ہماری مذمت کی ہے ؛

وایامنا مشہورۃ وفی عدونا	لھا غرر معلومۃ وحجول

اور ہمارے واقعات ہمارے دشمنوں میں مشہور ہیں - اُن واقعات کے واسطے روشنی اور بیاض معلوم ہے ؛

وسیافنا فی کل غرب ومشرق	بھا من قراع الدارعین فلول

اور ہماری تلواریں تمام مغرب اور مشرق میں زرہ پوشوں پر شمشیر زنی سے دندانہ دار ہو گئی ہیں ؛

معودۃ الاتسل نصالھا	فتغمد حتی لیتباح قبیل

یہ عادت کی گئی ہے کہ تلوار کھینچکر پھر میان نہ کیجائے جب تک کوئی جماعت قتل نہ کیجائے ؛

غرض لڑائی اور جنگجوئی اُن کا رات دن کا مشغلہ تھا - جاہلیت کی لڑائیوں کی شمار کوئی ستر سو بتاتا ہے کوئی بارہ سو - اِن بے باک اور بیخوف عربوں کی معرکہ آرائیاں اور خوں ریزیاں بڑی مشہور ہیں - ایک ذراسی بات اُن کے درمیان آتش جنگ مشتعل کرنے اور سالہا سال باہم لڑتے رہنے کے واسطے

کانی تھی مثلاً حرب بسوس جو بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان ہوئی اُس کا سبب یہ تھا کہ کلیب ایک بڑا مشہور امیر عرب تھا اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ میری چراگاہ میں کوئی اُونٹ چرنے نہ پائے۔ ایک شخص قوم جرم کا حساس کی پھوپھی بسوس نامی کے پاس اُترا تھا اُن کے ناقہ کا نام سراب تھا۔ وہ چرتی ہوئی کلیب کی چراگاہ میں چلی گئی۔ کلیب نے اُسپر تیر چلائے اور پھر اُس کے تھن کاٹ لیئے۔ یہ اُونٹنی لہولہان بڑبڑاتی ہوئی اپنے مالک کے پاس آئی۔ بسوس کو دیکھکر بہت رنج ہوا کہ اُس کے مہمان کو تکلیف پہنچی۔ حساس نے جو اپنی پھوپھی کو غمگین پایا اور ماجرا سُنا تو تمام قوم کو جمع کر کے کلیب کو جا گھیرا اور احاطہ میں پھرتے ہوئے پاکر حساس نے اُس کو ایک ایسا نیزہ مارا کہ وہ مرگیا۔ یہ جنگ کی آگ پچاس برس تک بھڑکی رہی جس کے شراروں میں ستّر ہزار جانیں خاکستر ہوگئیں ؛

اسی طرح جنگ داحس کی کیفیت یہ ہے کہ عرب کے ایک امیر قیس کے پاس دو گھوڑے داحس اور غبرا نامی تھے۔ حذیفہ بن بدر کے گھوڑوں کے ساتھ دوڑ ہوئی۔ دو دو سو خیروں کی شرط بدی گئی۔ مگر دوڑ کے نتیجہ پر باہم تکرار ہوگیا اور لڑائی چھڑ گئی۔ چالیس برس تک خوں ریزی کا ہنگامہ برپا رہا۔ قبیلہ کے قبیلہ کٹ گئے اور ہزارہا جانیں اُس ناچیز سے جھگڑے کی نذر ہوگئیں ؛

اُونٹ اور گھوڑا اُن کے دو وفادار اور خدمتگزار تھے اور وہ بھی اُن کے پورے قدردان اور عاشق زار تھے۔ اونٹ کا دودھ۔ دہی۔ گوشت۔ پشم۔ چمڑا۔ مینگنیاں۔ پیشاب ہر چیز اُن کے کام آتی تھی۔ پس یہ ریگستان کا جہاز صرف ریگستانی دشوار گزار راستوں ہی میں کام نہیں دیتا تھا بلکہ اُن کے اسباب معیشت کا ایک بہت بڑا جزو تھا ؛

گھوڑے کی نسبت علم حیوانات کے عالم یہ رائے دیتے ہیں کہ وہ عرب کی پیدایش ہے۔ وہیں کی آب وہوا اس شریف اور نجیب جانور کے لیئے موزوں کی گئی تھی گو اُس کے قدوقامت کو وہ چنداں بلند نہیں کرتی مگر تیزی اور چستی وچالاکی اور شتاب روی وہ پیدا کرتی ہے کہ جسکا دنیا میں جواب نہیں شریف ونجیب گھوڑوں کی نسل کا باقی رکھنا عرب کا ایمان تھا۔ اور جگہ انسان اپنی شرافت کو ایسا یاد نہیں رکھتا جیسا کہ عرب ان گھوڑوں کی نسل کی نجابت کو یاد رکھتا تھا۔ نر کو فروخت کردے مگر مادہ کو جان کے برابر رکھتا اور جُدا نہیں کرتا تھا۔ جب کوئی نجیب گھوڑی بچھیرا دیتی تو اُس کی خوشی ایک بڑی شادی کی تقریب سے کم نہ ہوتی۔ اولاد کے اُن سے محبت کرتے اور اولاد ہی کی طرح اُس کی تعلیم وتربیت کرتے تھے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اُن کی تیزی اور دوڑ ہزاروں جانیں بچا دیتی تھی۔ عرب اسی کے بھروسے پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا تھا۔ اور وہ اُس کے اعتبار کو دھوکا نہیں دیتا تھا اور ہوا کی طرح لیکر اُڑ جاتا تھا گو سوار پیٹھ سے گر جاتا تو وہ اُس کی مصیبت کا دوست اُسکے سنبھلکر پھر سوار ہونے تک اُسکے پاس کھڑا رہتا ؛

شعروشاعری نے حیرت انگیز ترقی کی تھی۔ عرب شعر اور شاعری کا دلدادہ تھا۔ کسی قوم میں اگر کوئی

ہونہار شاعر پیدا ہوتا تھا تو مرد اور عورتیں سب ملکر خوشی کرتے اور شادیانے بجاتے تھے۔ اپنے لائق شاعروں پر بھی فخر کیا جاتا تھا۔ عکاظ کے بازار کے مشاعرے اور معلقہ مشہور ہیں۔ اپنے اشعار میں وہ شجاعت دل کی اُمنگیں۔ خوں ریزی۔ شرافت نسب۔ رفاقت باوفا۔ سخاوت۔ فرحت مقام۔ دریا کی روانی۔ جنگلوں کی ویرانی پہاڑوں کی وحشتناکی۔ جنگلوں کی سرسبزی۔ حیوانات کی خوبی۔ اونٹ گھوڑوں کی تعریف۔ عشق معشوق کی تعریف۔ ہجر کی اداسی۔ وصل کی مسرت۔ اور اس قسم کے مضامین ہوا کرتے تھے۔ فصاحت۔ بلاغت لطافت و ظرافت بھی فضیلت کے دائرے کی تکمیل کے لیئے ضروری تھی۔ ایک فصیح متکلم اور مقرر کو خطیب کا خطاب ملتا تھا ؛

بعض خوبیوں کے ساتھ ساتھ عرب جاہلیت میں نہایت بد اخلاقی اور فحش پھیلا ہوا تھا۔ قصائد کے شروع میں جو تشبیب کے اشعار ہوتے تھے اُن میں دولتمند امیروں کی لڑکیوں اور عورتوں اور بہنوں کا نام لیکر بیان کرتے تھے اور ہر طرح کے عیبوں کو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اُن کا یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے اختیار میں ایک جن رہتا ہے اور جس قدر بڑا شاعر ہوتا ہے اُسیقدر زبردست جن اُس کے زیر حکم ہوتا ہے ؛

بدکاری اور زناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور ہر طرح کی غیر مہذب نظم میں ازراہ بے شرمی اُسکو مشتہر کرتے تھے اور اُسپر فخر کرتے تھے ؛

سب لوگ شراب اور نہایت قوی منشی عرقوں کے پینے سے بدرجۂ غایت اُنس رکھتے تھے اور مدہوشی کی حالت میں تمام لوگوں سے خراب اور معیوب باتیں سرزد ہوتی تھیں ؛

قمار بازی سب لوگوں کا بلا استثنا ایک ہر دل عزیز کھیل تھا اور کوئی خاص مقام قمار بازی کا مشہور ہوتا تھا تو لوگ دُور و دراز مسافت طے کر کے وہاں جُوا کھیلنے کو جایا کرتے تھے۔ سُود خواری بھی عام طور سے نہایت درجہ مروج تھی ؛

لونڈیوں کو جو قنیات کہلاتی تھیں گانا بجانا اور ناچنا سکھایا جاتا تھا اور وہ حرامکاری کرنے کی مجاز تھیں۔ اس حرامکاری کی آمدنی اُن کے آقا اپنے تصرف میں لاتے تھے ؛

رہزنی اور غارت گری اور قتل روزمرہ کی باتیں تھیں۔ انسانوں کا خون بلا خوف و تاسف ہر روز ہوا کرتا تھا۔ لڑائی میں جو عورتیں قید ہوتی تھیں اُن کو فحش لونڈیاں بنا لیتے تھے ؛

ٹوٹکوں اور شگون لینے میں اُن کا نہایت مضبوط اعتقاد تھا۔ جب کوئی مصیبت اُن پر نازل ہوتی تھی تو پتھر کی چھوٹی کنکریوں پر کچھ پڑھکر پھونکتے تھے اور اُن کو دفع مصیبت کی غرض سے پھینکتے تھے۔ جانوروں کے اُڑنے اور بولنے سے نیک اور بد شگون لیا کرتے تھے ؛

خون کے انتقام میں دیت لینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ اگر کسی آدمی کے خون کا عوض

خون سے نہ لیا جائے تو ایک چھوٹا پرواز کیڑا مقتول کے سر میں سے نکلکر آسمان میں پیچھا پھرتا ہے۔ اِس عجیب کیڑے کو "ہامہ" اور "صدی" کہتے تھے۔

ہر شخص کے مرنے کے بعد دستور تھا کہ اُس کے اونٹ کو اُس کی قبر سے باندھ دیتے تھے۔ یہانتک کہ بھوک اور پیاس کے مارے وہ مرجاتا تھا اور اُس اُونٹ کو "بلیہ" کہتے تھے۔ کسی کے مرنے پر برس روز تک سوگ کرتے اور اُسکو رویا کرتے تھے۔

لڑائی میں عورتیں مردوں کے ہمراہ ہوتی تھیں اور ہر طرح اُن کی مدد کرتی تھیں۔ اُن کے شوہر جب لڑائی میں مصروف ہوتے تھے تو وہ پکار پکار کر کہتی تھیں "آگے بڑھو آگے بڑھو اے ہمارے جری بہادر خاوندو اگر تم کوتاہی کروگے اور ہمکو دشمن سے نہ بچاؤگے تو ہم تمہاری بیویاں نہ ہوں گی"۔

قحط اور گرانی کے زمانہ میں اپنے اُونٹوں کو مجروح کرکے اُن کا خون پیا کرتے تھے۔ خشک سالی میں مینہہ برسنے کا ٹوٹکا اِس طرح پر کرتے تھے کہ پہاڑوں میں ایک گائے کو لیجاتے تھے اور اُسکی دُم میں سُوکھی ہوئی گھاس اور کانٹے اور چھڑیاں باندھکر اُس میں آگ لگا دیتے تھے اور گائے کو پہاڑوں میں چھوڑ دیتے تھے۔

باوجودیکہ کوئی شخص اپنے غلاموں کو آزاد کردیتا تھا تو بھی اُسکی ملکیت کا استحقاق اُسکو باقی رہتا تھا اور اُس استحقاق کو فروخت کردینے کا بھی مجاز تھا اور مشتری اور غلاموں پر اپنی ملکیت قایم کرتا تھا۔ اور اِس طرح سے یہ بدبخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے۔

عورتیں کسی جانور کا دودھ نہیں دوہتی تھیں اور اگر کسی خاندان کی عورتوں کو دودھ دوہتے دیکھ پاتے تھے تو اُس خاندان کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے اور وہ خاندان لوگوں کی آنکھوں میں دفعتاً حقیر ہوجاتا تھا۔

مجرم کو فوجداری کی سزا میں جلتی ہوئی ریت پر بٹھا دیتے تھے مُردہ جانوروں کا گوشت کھاتے تھے اور اُسکو بہت لذیذ غذا سمجھتے تھے۔ جو اُونٹنی یا بھیڑ بکری دس دفعہ بچہ جن لیتی تھی اُسکو چھوڑ دیتے تھے اور وہ چھوٹی پھرا کرتی تھی اور جب وہ مرجاتی تھی تو اُس کا گوشت مرد کھاتے تھے اور عورتوں کو اُس کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی۔ اگر اُونٹنی یا بھیڑ بکری پانچویں دفعہ مادہ بچہ جنتی تھی تو اُس کے کان کاٹ کر اُسکو چھوڑ دیتے تھے اور اُسکو "بحیرہ" کہتے تھے اور اُس کا گوشت کھانا اور دودھ پینا منع تھا۔ کسی کام کے ہوجانے پر اُونٹوں کو بطور سانڈ چھوڑ دینے کی منت مانتے تھے اور جب وہ کام ہوجاتا تھا تو اُونٹ کو بطور سانڈ کے چھوڑ دیتے تھے وہ جہاں چاہتا پھرا کرتا تھا۔ اگر کوئی اُونٹنی دس بچہ اور بکری سات بچہ دے چکتی تھی تو عورتوں کو اُس کا گوشت کھانے کی ممانعت تھی اور صرف مرد ہی اُس کا گوشت کھا سکتے تھے۔ اگر کسی بکری کے مادہ بچہ ہوتا تھا تو مالک اُسکو اپنے لیئے رہنے دیتا تھا اور اگر نر پیدا ہوتا تھا تو بتوں پر بطور نذر کے چڑھایا جاتا تھا اور اگر دو بچے ایک نر اور ایک مادہ پیدا ہوتے تھے تو مالک دونوں کو اپنے لیئے رکھتا تھا اور وہ "وصیلہ" کہلاتے تھے۔ جو اُونٹ دس بچوں کا باپ ہوچکتا تھا وہ چھوڑ دیا جاتا تھا اور جہاں وہ چاہتا تھا پھرا کرتا

تھا اور وہ بنام "حامی" موسوم ہوتا تھا ؛

قسم لینے کا نہایت سنجیدہ قاعدہ یہ تھا کہ آگ جلا کر اُس میں نمک اور گندھک پیس کر ڈالتے تھے۔ یہ آگ "ہولہ" کہلاتی تھی اور اُس کے جلانے والا "محمول" کہلاتا۔ قسم کے مستحکم کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ تھا کہ میزاب خانہ کعبہ کے نیچے چابک کمان اور جوتی رکھ دیتے تھے اور اس طرح کرنے سے قسم پختہ ہو جاتی تھی اقرار اور وعدہ کے مستحکم کرنے کو اپنے بزرگوں اور بتوں کی قسم کھاتے تھے ؛

ہر شخص گو وہ اجنبی ہو دوسرے شخص کے گھر میں بلا طلب اجازت چلے آنے کا مجاز تھا۔ کسی رشتہ دار کے گھر کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا تھا ؛

خانہ کعبہ میں سات تیر رکھے ہوئے تھے اور ہر تیر پر ایک علامت بنی ہوئی تھی۔ بعضوں پر کام کرنے کے حکم دینے کی اور بعضوں پر اُس کام سے منع کرنے کی علامت تھی۔ ہر شخص پیشتر اُس سے کہ کوئی کام کرے اُن تیروں سے استخارہ کرتا تھا۔ اور اُسی کے بموجب کام کرتا تھا۔ اُن تیروں کو "ازلام" کہتے تھے ؛

تمام عرب جاہلیت کا شیوہ بت پرستی تھا۔ مختلف قبائل کے مختلف بت تھے جن کے نام اور شکلیں جدا جدا تھیں۔ مثلاً **ھبل** ایک بہت بڑا بت آدمی کی شکل کا جو شام سے لایا گیا تھا اور مینھ برسانے والا یقین کیا جاتا تھا خانہ کعبہ کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ وہ قبیلہ بنی کلب کا بت تھا۔ **سواع** جو عورت کی شکل کا بت قبیلہ بنی ہذیل کا تھا۔ **یغوث** قبیلہ بنی مراد کا شیر کی شکل کا بت تھا۔ علیٰ ہذا القیاس **یعوق** ۔ **لفر**۔ **عزیٰ**۔ **لات**۔ **منات** ۔۔ **دوار** (نوجوان عورتوں کا بت جو اُس کا طواف کرتی تھیں) **اساف**۔ **نائلہ**۔ **عبعب**۔ مختلف بت تھے۔ کعبہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مورت بنی ہوئی تھی جس کے ہاتھ میں استخارہ کے تیر تھے۔ حضرت مریمؑ کی بھی ایک مورت تھی جس کی گود میں حضرت عیسےٰ تھے۔ اِن بت پرست باشندوں کے درمیان ایک فرقہ "صابئی" مذہب کا تھا جو ثوابت اور سیاروں کی پرستش کرتا تھا ؛

عورتیں نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں۔ مردوں کو جس قدر چاہیں عورتیں کرنے کا اختیار تھا۔ طلاق دیکر پھر عورت کو اپنی زوجیت میں لے آنے کا اختیار تھا۔ سب سے خراب رسم لڑکیوں کو بے رحمی سے مار ڈالنا یا اُن کو زندہ دفن کر دینے کی تھی۔ لڑکے اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ ازدواج کرنے کے مجاز تھے مگر باپ اپنے بیٹے یا متبنیٰ کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنے کا مجاز نہ تھا۔ شوہر کے مرنے کے بعد اُس کا سوتیلا بیٹا اگر وہ نہ ہو تو کوئی قریب کا رشتہ دار بیوہ کے سر پر ایک چادر ڈال دیا کرتا تھا اور وہ شخص جو اس طرح چادر ڈالتا تھا اُس سے شادی کرنے پر مجبور ہوتا تھا ؛

عورتیں بے حجاب عام مجمعوں میں آتی تھیں اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو کھلا رکھنے اور عوام الناس کو

دکھلانے میں کوئی بے حیائی اور بے شرمی کی بات خیال نہیں کرتی تھیں۔ عورتیں مصنوعی بال سر پہ لگایا کرتی تھیں اور اپنے جسم کو نیل سے گودا کرتی تھیں ؛

دیووں اور خبیث ارواحوں۔ خیالی اور وہمی فرضی صورتوں اور نیک و بد جنات کو مانتے تھے اور اُن کی مختلف شکلیں مقرر کر رکھی تھیں[1] ؛

غرض جاہلیت کے یہ خیالات۔ یہ عادات اور اطوار اور عقائد اور رسوم تھے جن میں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی ابتدائی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ بسر کیا تھا۔ انہیں حالات کو ہماری زبان کے یگانہ شاعر نے سب سے مؤثر الفاظ میں یوں بیان کیا ہے :-

کہیں آگ پوجی تھی وہاں بے محابا
کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا

بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا
بتوں کا عمل تھو بسو جا بجا تھا

کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا

ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا
کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا

وہ تیرتھ تھا اِک بت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلہ قبیلہ کا بت اک جدا تھا
کسی کا ہُبل تھا کسی کا صفا تھا

یہ عزّیٰ پہ وہ نائلہ پہ فدا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ

فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے
سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے

جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے
تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

[1] یہ حالات خطبات احمدیہ مصنفہ سر سید احمد خاں صاحب اور بعض دوسری معتبر کتابوں سے لکھے گئے ہیں۔ مؤلف

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اُس سے بھڑک اُٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی
مسدی جس میں آدھی اُنہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی
تھی اِک آگ ہر سُو عرب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی مُلک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اِک اُن کی جہالت کا تھا وہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یُوں ہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یُوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دُختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جاکر

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جُوا اُن کی دن رات کی دِل لگی تھی
شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی
غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی

بہت اس طرح گزری تھیں اُن کو صدیاں
کہ چھائی ہوئی تیرگیوں پر تھیں بدیاں

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت
بڑھا جانبِ یوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے دیتے جسکی شہادت

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دُعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اِک لگن دل میں سب کے لگادی
اِک آواز میں سوتی بستی جگادی

پڑا ہر طرف غُل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

دوسرا باب

اسلام کی ابتدائی حالت۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام لانا ہجرت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے پہلے تین برسوں میں عرب سے بُت پرستی چھوڑانے کی کوششیں پوشیدہ طور پر کیں۔ مگر آخرکار آپ نے علانیہ تلقین کرنا شروع کیا اور بُت پرستی کی مذمت کرنی شروع کی۔ قریش اور قبائل عرب اس سے آگ کی طرح غصہ سے بھڑک اُٹھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے روکنے اور باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب ایک نہ ماننے کے لائق بات کو آنحضرت ؐ نے نہ مانا تو قریش نے آنحضرت ؐ کو کعبہ سے جہاں آپ موعظت فرمایا کرتے تھے نکال دیا[1]۔ آنحضرت ؐ جسقدر اعلاء کلمۃ الحق اور بُتوں کے عیوب کے اظہار میں اصرار فرماتے تھے اُسیقدر قریش آپ سے زیادہ دشمنی اور مخالفت کرنے پر آمادہ ہوتے جاتے تھے۔ اُن کے اس بڑھتے ہوئے طیش اور غصہ نے آخرکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن مسلمان مردوں اور عورتوں کو جو اسلام لائے تھے ایذا پہنچانے کا ایک سلسلہ قائم کردیا۔ آنحضرت ؐ کی نسبت مُنہ در مُنہ دشنام دہی کرنا اور تذلیل کرنا یہ تو ایک عام بات تھی جو روزمرّہ ہوتی تھی۔ معزّزین قریش کمینہ لوگوں کو اور اپنے غلاموں کو اشارہ کرتے تھے اور وہ اس طرح سے آں حضرت کو ایذا پہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ اسیطرح اُن کمینہ لوگوں اور قریش کے غلاموں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا اور گالیاں دینی اور سخت و سُست الفاظ کہکر غُل مچانی شروع کی۔ بہت سے آدمی جمع ہوگئے اور ایسی دھکا پیل ہوئی کہ آنحضرت صلعم کو ایک احاطہ میں پناہ لینی پڑی[2]۔ ابولہب ہمیشہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر نجاست اور نجس اور بدبودار چیزیں ڈلوا دیتا تھا[3]۔ ام جمیل ابولہب کی بیوی (حمالۃ الحطب) اُس راستہ پر جہاں سے

---

[1] سپرٹ اوف اسلام مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی ۱۲

[2] از ابن ہشام۔ تفسیر القرآن جلد چہارم مصنفہ سر سید احمد خاں ۱۲ [3] از تاریخ ابن الاثیر جلد ۲۔ تفسیر القرآن جلد چہارم ۱۲

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت ہوتی تھی اور جہاں آپ عبادت اور مراقبہ کرنے کو تشریف لیجاتے تھے کانٹے بچھا دیتی تھی[1]۔ راہ چلنے کی حالت میں آنحضرت ؐ کے سر مبارک پر لوگ مٹی۔ کوڑا۔ کرکٹ ڈالدیتے تھے[2]۔ قریش نے باہم پختہ عہد کرلیا تھا کہ کوئی شخص آں حضرت ؐ کے پاس نہ جائے اُن کے پاس نہ بیٹھے اور اُن کی بات نہ سُنے۔ ایک دفعہ عقبہ جاکر آنحضرت ؐ کے پاس بیٹھا اور کچھ کلام سُنا۔ اِسکی خبر اُبَی کو پہنچی جو اُسکا بڑا دوست تھا۔ وہ اُس کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تو آنحضرت ؐ کے پاس جاکر بیٹھا تھا اور اُن کی باتیں سُنی تھیں۔ تیری صورت مجھ کو دیکھنی اور تجھ سے بات کرنی حرام ہے اور میں اپنی قسم کو اور زیادہ سخت کروں گا اگر تو اب گیا اور اُن کے پاس بیٹھا۔ کیا تجھ سے یہ نہ ہوسکا کہ اُن کے مُنہ پر تھوک دیتا چنانچہ اُس خدا کے دشمن نے ایسا ہی کیا[3]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جاتے تھے وہاں وہ بھی پہنچتے تھے۔ اور جب آپ اور آپ کے اصحاب نماز میں مصروف ہوتے تھے اُس وقت پتھر مارتے تھے اور جب آپ کھانا کھاتے تھے اُس وقت غلیظ پھینکتے تھے اور کعبہ کے قریب آپ کو نماز پڑھنے نہ دیتے تھے[4]۔

جو لوگ مُسلمان ہوگئے تھے اُن پر بھی نہایت ظلم ہوتا تھا اور سخت ایذا پہنچائی جاتی تھی۔ جہاں بے کس مُسلمانوں کو دیکھتے تھے پکڑ لیتے تھے قید کرتے تھے۔ مارتے تھے۔ بھوکا پیاسا رکھتے تھے۔ جلتی ریت میں ڈالتے تھے۔ آگ سے جلا کر ایذا پہنچاتے تھے[5]۔ حضرت بلال رض کو عین دوپہر میں سورج کی تپش کے وقت اُمیہ بن خلف کبھی مُنہ کے بَل اور کبھی پیٹ کے بَل جلتی ریت پر ڈال دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تیرے ساتھ اسی طرح کیئے جاؤں گا جب تک کہ تو مرجائے یا حضرت محمد صلعم کے ساتھ کُفر کرے[6]۔ ایک دفعہ اُنہوں نے عمار بن یاسر کو اور اُس کے باپ کو اور ماں کو جو مسلمان ہوگئے تھے پکڑ لیا اور دھوپ میں جلتی ریت پر ڈال دیا اتفاقاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس طرف سے گزرے اور اُن سے کہا کہ اے یاسر کے خاندان کے لوگو صبر کرو تمہاری جگہ جنت میں ہے۔ حضرت یاسرؓ اسی سختی میں مرگئے اور اُن کی بیوی سمیہ کو ابوجہل نے اُس مظلومہ کی شرمگاہ میں ہتھیار مار کر مار ڈالا اور اُس کے بعد حضرت عمار کو سخت ایذا پہنچائی۔ کبھی دھوپ میں ڈالتا تھا کبھی آگ سے گرم کیا ہوا پتھر اُن کے سینہ پر رکھواتا تھا۔ کبھی اُن کو پانی میں ڈال کر ڈبواتا تھا۔ آخر کار اُن سے کہا کہ ہم تجھے کبھی نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ تو محمد کو دشنام نہ دے

---

[1] از ابن ہشام تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی صفحہ ۴۴ و تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۵ ۔ [2] از ابن ہشام تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۵ ۔

[3] از ابن ہشام صفحہ ۲۳۸ و تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ [4] تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام صفحہ ۴۵ ۔

[5] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ ۔ از تاریخ ابن اثیر ۱۲

[6] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ ۔ از تاریخ ابن اثیر ۔ ۱۲

ذات کی تعریف نکرنے سے خباب ابن ارث کو کافروں نے پکڑلیا اور نہایت سخت ایذا پہنچائی۔ اُسکو ننگا کرکے موغہ کے جل گرم جلتی ریت پر لٹاتے تھے اور پھر پتھر کے تکلوں کو آگ سے گرم کرکے اُس پر لٹاتے تھے اور اُس کا سر مروڑ کے اُلٹا پھیر دیتے تھے[1]۔ فکیہ کو اُمیہ بن خلف نے ایذائیں پہنچا پہنچاکر آخر گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ زنیرہ مسلمان عورت کو ابوجہل نے اندھا کردیا۔ غرض تمام مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں اور یہ سلسلہ ایذا رسانی کا جاری تھا۔ پس جو حال کہ ابتدا میں اسلام کا تھا اور جس مصیبت میں مسلمان گرفتار تھے وہ اس قسم کے واقعات سے ظاہر ہے ؛

جیسا کہ ہمنے کہا ہے مُسلمان مورخوں نے حضرت عمرؓ کے ایام جاہلیت کے حالات کو صرف چھوڑ ہی نہیں دیا بلکہ غیر ضروری رعایت اُن سے کرنا چاہی ہے۔ اس قسم کی روایتیں موجود ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اسلام لانے سے پہلے کبھی مُسلمانوں کو یا آں حضرت صلعم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائی[2] مگر ابن اثیر کی ایک روایت سے صحیح حال معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے اپنے مسلمان ہونے سے پہلے لبینہ ایک مُسلمان عورت کو پکڑلیا اور اُس کو ایذا پہنچائی اور مارنا شروع کیا۔ جب تھک جاتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ مَیں نے تجھے چھوڑا نہیں ہے۔ مَیں تھک گیا ہوں اس لیئے ٹھہر گیا ہوں۔ اُس نے جواب دیا کہ اسیطرح خدا تیرے ساتھ بھی کریگا اگر تو مسلمان نہ ہوا[3]۔ یہی مخالفت حضرت عمرؓ کی اپنی بہن فاطمہ کے اسلام لانے کی خبر سُن کر اور طیش کھاکر اُس کے گھر جانے اور اُن کو مارنے کے مشہور واقعہ سے ظاہر ہے۔ ہوشمند مورخین کو بھی اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کو ایذا اور عذاب پہنچانے میں متہم اور مشہور تھے۔ اسلام کے وہ سخت مخالف اور پیغمبر کے غایت درجہ کے دشمن اور رقیب[4] تھے۔ انگریزی مورخین سب اس قول پر متفق ہیں کہ حضرت عمرؓ پہلے اس نئے دین کے نہایت مخالف اور دشمن تھے[5] اور اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کے ساتھ سختی اور تشدد کرنے میں بدنام تھے[6]؛

غرض جیسا کہ حضرت عمرؓ کی سخت اور درشت طبیعت سے جبکہ وہ لوگ اپنی دلیری اور شجاعت اور تہور اور ہٹ اور لڑاکا پن ثابت کرنے کے واسطے اسی قسم کے موقعوں کے متلاشی رہتے تھے توقع کرنی چاہیئے وہ جاہلیت میں اسلام کے بے طرح مخالف تھے۔ بعض روایات میں خود حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی ملا ہے کہ میں رسول اللہ کے زمانے میں اُن پر "اشد الناس" تھا[7]۔ حضرت عمرؓ جس طرح کہ عزت اور وجاہت اور رعب میں

---

[1] و [2] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۶ - از تاریخ ابن اثیر ؛ [3] مدارج النبوت از مواہب لدنیہ ؛
[4] تفسیر القرآن جلد چہارم صفحہ ۴۸ - از ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۷ ؛ [5] سپرٹ اوف اسلام مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب رضوی صفحہ ۱۱۲ ؛ [6] کتاب اسلام مصنفہ شاہرٹ صفحہ ۸۳ ؛
[7] لیف اوف محمد مصنفہ سر ولیم میور صفحہ ۹۵ ؛ [8] تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۷۶ ؛

ابوجہل سے کم نہ تھے اسیطرح معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں سے سختی کرنے میں بھی اس سے کم نہ تھے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں سے ایک کے مسلمان ہوجانے کی دعا خدا سے کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ؐ نے خدا سے دعا مانگی کہ خدایا عمر ابن ہشام (ابوجہل) یا عمرؓ ابن الخطاب سے اسلام کو عزت (یا مدد) دے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ابن عمرؓ کی روایت میں آنحضرت ؐ کا صرف حضرت عمرؓ کے لیئے دعا مانگنا بیان ہوا ہے۔ جس سے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ آنحضرت ؐ کو حضرت عمرؓ کی طبیعت سے ہدایت قبول کرنے کی زیادہ توقع تھی۔ × × ×

بخاری کی ایک اور روایت سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کی طبیعت پر اسلام لانے سے پہلے کچھ نہ کچھ اثر اسلام کی طرف سے موجود تھا۔ حضرت عمرؓ خود ایک واقعہ اپنے خواب کا بیان کرتے ہیں کہ قبل نبوت ایک دن میں حطیم (یا ہتیم) کے پاس سوتا تھا۔ دیکھتا ہوں (خواب میں) کہ ایک شخص ایک بچھڑا لایا اور اسکو ذبح کیا۔ اور پھر کسی نے چیخکر ایسی سخت آواز سے کہ پہلے میں نے کبھی نہیں سنی تھی جلیح کا نام لیکر کہا کہ اے جلیح یہ شخص جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے نیک مرد اور خوش کلام ہے۔ لوگ اُدھر جھپٹے میں نے کہا کہ جب تک اِسکا حال معلوم نہ ہو پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ دوبارہ اُس نے اسی طرح آواز دی۔ پھر میں بیدار ہو گیا اس کے بعد بہت مدت نہ گزری تھی کہ آنحضرت صلعم نبی مشہور ہو گئے[1] گو اسکی کچھ اصلیت ہو کہ حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پہلے صداقت اسلام کی نسبت کوئی خفیہ اور غیر محسوس اثر دل میں رکھتے تھے مگر ایسا اثر اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت اور توہین و تذلیل کرنے سے روک نہیں سکتا تھا کیونکہ اپنے آبائی دین کی غیرت اور حمیت کی صورت میں اور قوم اور جماعت کے دباؤ اور اپنے قبیلہ کے مذہب کے ساتھ فخریہ چسپیدگی اور دلبستگی سے جو جوش پیدا ہوتے تھے اُن کا مقابلہ کوئی ایسا پوشیدہ خیال نہیں کر سکتا تھا۔

قریش کا غضب اور غصہ جس قدر اپنی غایت اور انتہا کو پہنچتا جاتا تھا اُسیقدر حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا۔ ابوجہل حضرت حمزہؓ سے زک اُٹھا کر آ ہی بھبک گیا تھا اور اُسکی آخری تدبیر جس میں وہ رات دن غلطاں و پیچاں رہتا تھا سوائے اِس کے کچھ نہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خون سے اپنے غصہ کی آگ کو بجھانے کے درپے تھا چنانچہ ابوجہل نے ایک دن معززین قریش کی جماعت میں علانیہ اعلان کیا کہ جو کوئی آنحضرتؐ کو قتل کرے اور اُن کا سر میرے پاس لائے اُسکو سَو اُونٹ اور چالیس ہزار درم اور ایک دوسرے قول کے مطابق ہزار اُونٹ اور بہت سے دینار و درم دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اس کام کو غیرت کھا کر اپنے ذمہ لیا اور تلوار گلے میں حمائل کیئے ہوئے گھر سے نکلے[2]۔ بعض روایات میں صرف اسیقدر ہے کہ حضرت عمرؓ گھر سے نکلے اور ایک مسلمان شخص بنی زہرہ سے (نعیم بن عبداللہ) راستہ میں ملا اور اُن سے پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جوابدیا کہ محمد صلعم کو قتل کرنے۔ اُس نے کہا کہ بنی ہاشم اور بنی زہرہ کے انتقام کا تمکو خوف نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے

---

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء ۱۲

[2] اکثر مورخوں نے روایت کے اس حصہ کو شاید ضعیف سمجھکر چھوڑ دیا ہے۔ اور بعض نے بیان کیا ہے۔ مگر مولوی سید امیر علی صاحب نے سپرٹ اوف اسلام میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک انگریز مصنف (سٹابرٹ مصنف کتاب اسلام صفحہ ۸۲) حضرت عمرؓ کا حضرت حمزہؓ سے ابوجہل کا بدلہ لینے کیواسطے روانہ ہونا لکھا ہے اسیطرح کا کثیر اختلاف موجود ہے اور جس حالت میں ہمارے پاس تنقیح روایات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اگر کل نہیں تو بعض روایات کا بیان کرنا لازم اور ضروری ہے۔ مؤلف ۱۲

تو بھی صابی ہو لیا ہے اُس نے جواب دیا کہ پہلے تم اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو کہ وہ بھی صابی ہو گئے ہیں اور تیرا دین چھوڑ دیا ہے[1]۔ ایک روایت حضرت عمرؓ ہی سے ہے کہ ایک دن میں گھر سے نکلا تو ایک مخزومی مجھے راستہ میں ملا۔ میں نے اُسے کہا کہ تو اپنے باپ دادا کے دین سے برگشتہ ہو کر دینِ محمدؐ کا پیرو بنا ہے۔ اُس نے کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہے تو جن پر تیرا زیادہ حق ہے اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے یعنی تیری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں ؛

اِسی قسم کی ایک اور روایت ہے کہ ایک دن دوپہر کو میں مکہ میں راستہ پر چلا جا رہا تھا تو ایک شخص نے مجھے ٹوکا اور کہا کہ اے عمرؓ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو فخر کرتا ہے کہ میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں اور تیری بہن مسلمان ہو گئی ہے ؛

بعض روایات میں صرف اسقدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن فاطمہ اور اُس کے خاوند سعید بن زید کے مسلمان ہو جانے کی خبر سُنی[2] اور غصہ کھا کر اُس کے گھر گئے۔ اور بعض نے صرف اِسیقدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دن اپنی بہن کے گھر کی طرف آئے[3] دروازہ بند پایا اور قرآن مجید کے پڑھنے کی آواز سُنی۔ دروازہ کھلوایا اور کہا کہ لاؤ جو کچھ تم پڑھتے تھے۔ اُنہوں نے انکار کیا (بعض روایتوں میں ایک صحابی حضرت خبابؓ کا موجود ہونا اور ڈر سے چھپ جانا لکھا ہے) حضرت عمرؓ نے اپنی بہن اور بہنوئی کو اِسقدر مارا کہ خون بہنے لگا۔ آخر اُن کی بہن نے کہا کہ جو کچھ تیرے دل میں آئے تو کر ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں اور دین محمدؐ اختیار کر چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا دل بھی اُن کو دیکھکر پسیجا اور سورۂ طٰہٰ اُن سے لیکر پڑھی یا اُن سے سُنی۔ ایک روایت میں آیۃ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ الخ پڑھی۔ مگر معتبر یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سورۂ طٰہٰ کی یہ آیات اُن سے سُنیں :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ۔ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؛

اِن آیات کا سُننا تھا کہ اُن کی فصاحت اور بلاغت پر غش ہو کر حضرت عمرؓ کے دل کو یقین ہو گیا

---

[1] تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ [2] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا۔ مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت میں حضرت عمرؓ کے بہنوئی کا نام سعد بن زید بن عمر بن نفیل لکھا ہے اور طبری فارسی نسخہ میں حضرت عمرؓ کی اس بہن کا نام خفصہ اور بہنوئی

کہ یہ بے شک سچا کلام خدا کا ہے اور اسپر ایمان لے آئے اور آنحضرت ص صلعم کی حضور میں حاضر ہونے کا قصد کیا تاکہ مشرف باسلام ہوں اور اس فیض رحمت الٰہی سے بہرہ یاب ہونے کا اقرار کریں۔ آنحضرت ص اُس وقت ارقم کے گھر میں جو مکہ کے اسفل میں تھا تشریف رکھتے تھے[1] اور قریش کی شر سے محفوظ رہنے کے واسطے چند روز سے وہیں تھے۔ حضرت عمر رض نے وہاں پہنچکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اصحاب رسول اللہ میں جو اُس وقت وہاں موجود تھے اور حضرت عمر رض کے اِس ارادے سے واقف تھے تہلکہ پڑ گیا مگر حضرت حمزہ رض نے جو خود بھی دلیری اور شجاعت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اُٹھکر دروازہ کھولا۔ حضرت عمر رض کا ارادہ معلوم ہونے پر اصحاب رسول اللہ بے انتہا مسرور ہوئے اور صدائے تکبیر بلند ہوئی۔ آنحضرت ص نے حضرت عمر رض کو گلے سے لگایا اور آغوش رحمت میں دبایا اور حضرت عمر رض نے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پکار کر کہا۔ آنحضرت ص نے حضرت عمر رض کے سینہ پر تین دفعہ ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اے خدایا اِن کے سینہ میں جو آلودگی ہے اُسکو اسلام سے بدل دے[2]۔ اِسی اثنا میں جب نماز کا وقت ہوا اور آنحضرت ص نماز کیواسطے اُٹھے تو حضرت عمر رض نے کہا کہ یا حضرت بُتوں کی عبادت تو کفار خانۂ کعبہ میں جو خانۂ خدا ہے علانیہ کریں اور آپ خدا کی عبادت چھپ کر۔ یہ گوارا نہیں ہے۔ خانۂ کعبہ کو چلیئے اور وہاں آشکارا نماز ادا کیجیئے۔ پس آں حضرت ص اصحاب کرام کے ساتھ خانۂ کعبہ کی طرف عازم ہوئے۔ کفار حضرت عمر رض کو خلاف توقع اِس حال میں دیکھکر حیران ہوئے۔ حضرت عمر رض نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور لڑ بھڑ کر کفار کو خانۂ کعبہ کی نواحی سے دُور کیا۔ آنحضرت ص نے مع اصحاب رض کے کعبہ کا طواف کیا اور ظاہرا خدا کی عبادت کی[3] اُسوقت یہ آیۂ کریمہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ نازل ہوئی۔

حضرت عمر رض چھٹے سال نبوت کے ماہ ذالحج میں جبکہ اُن کی عمر چھبیس[26] (اور ایک روایت میں ستائیس) برس کی تھی چالیس مرد اور گیارہ یا پندرہ عورتوں کے بعد اور حضرت حمزہ رض عم رسول اللہ ص کے مسلمان ہونے سے تین دن بعد اسلام لائے۔

ہمارے ایک مشہور اور فاضل[4] عالم حضرت عمر رض کے اسلام لانے کے واقعہ کو مختصر عبارت میں

---

[1] طبری فارسی نسخہ میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ص اُسوقت خدیجہ رض کے گھر میں تھے اور حضرت عمر رض اپنی بہن کے ساتھ وہاں گئے اور بعض روایات کے بموجب حباب صحابی کو ساتھ لیکر ارقم کے گھر گئے۔ بہرحال ارقم کے گھر میں حضرت عمر رض کا جانا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں ہونا معتبر ہے۔ مؤلف ۱۲ [2] ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء ۱۲

[3] منہاج النبوت۔ روضۃ الاحباب طبری فارسی نسخہ۔ ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفا۔ تاریخ الخلفا سیوطی۔ ۱۲

[4] مولوی سید امیر علی صاحب رضوی مصنف کتاب سپرٹ اوف اسلام و سیرۃ محمدی صفحہ ۱۱۲

اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "اس وقت میں نئے دین کو ایک قیمتی معاون حضرت عمرؓ کی ذات میں حاصل ہوا جن کی دانشمندی اور قابلیت نے اُن کو اسلام کی آیندہ جمہوری سلطنت کا ایک عضو اور جزو ضروری بنا دیا دین محمدی کی جو خدمات وہ بجا لائے ہیں اُنہوں نے اُن کے نام کو تاریخ کے صفحوں پر تابندہ کر دیا ہے وہ عدی بن کعب کے خاندان کے معزز اور ممتاز ممبر اور خطاب کے بیٹے اور اس سے پہلے اسلام کی سخت مخالفت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معاندت کے سبب سے مشہور تھے اُن کا اسلام لانا قرآن مجید کی ایک سورۃ کے اُن کے دِل پر جادو کا سا اثر پیدا کرنے کا نتیجہ بیان ہوا ہے جو اُنہوں نے اپنی بہن کے گھر میں سُنا جہاں وہ غضب اور طیش میں آکر قتل کرنے کے ارادے سے گئے تھے اُن الفاظ سے متاثر ہو کر جو اُنہوں نے سُنے ہاتھ میں ننگی تلوار لیئے ہوئے جس سے وہ پیغمبر کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے وہ سیدھے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جس سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں ایک تہلکہ برپا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے آقا کے ہاتھ چومے اور سچے دین میں داخل ہونیکی درخواست کی۔ مُسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے رحمت الٰہی میں شریک ہونے پر دِل سے خُداوند کریم کا شکر کیا۔ مُسلمان ہونے کے بعد وہ اسلام کا ایک رُکن ہو گئے۔ اب اسلام کو گلی کوچوں میں اپنا سر چھپانے اور پوشیدہ رہنے اور چھپکر خدا کی عبادت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی اور ان نئے اسلام قبول کرنیوالوں نے اُن کو علانیہ طور پر عبادت کرنے کی جُرأت دلائی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خبر سُن کر قریش پر بجلی گر گئی اور معاملہ کے نازک ہو جانے کو جان گئے"۔

سر ولیم میور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ نے چھٹے سال نبوت کے اختتام پر اسلام قبول کیا۔ اُن کی بہن فاطمہ اور اُس کا خاوند سعید بن زید پہلے اسلام لا چکے تھے مگر قریش کے خوف سے اپنے دین کو ظاہر نہیں کرتے تھے۔ ایک دن جب حضرت عمرؓ بعض مُسلمانوں کو دھمکا رہے تھے ایک دوست نے اُن سے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو اور اُن کی بہن اور بہنوئی کے نئے دین قبول کرنے کی طرف اشارہ کیا۔ اس سے اُن کا غُصہ بھڑک اُٹھا اور معاً اپنی بہن کے گھر کو روانہ ہوئے۔ وہ اُس وقت خباب سے قرآن کی بیسویں سُورۃ سُن رہی تھی جو ایک تحریری نسخہ سے پڑھ رہا تھا یہ مخالف (حضرت عمرؓ) نزدیک ہوتے اور پڑھنے کی نیچی آواز کو سُنا۔ اُن کے پاؤں کی آہٹ پاکر خباب ایک کوٹھڑی میں چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ نے داخل ہوتے ہی غُصہ سے کہا کہ یہ کیا آواز تھی جو مَیں نے سُنی ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ حضرت رضؓ نے قسم کھا کر کہا کہ نہیں مَیں نے سُن لیا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کے دین سے برگشتہ ہو گئے ہو۔ اِس پر اُن کے بہنوئی نے کہا کہ کیا تمہارے دین کے سوا کسی دوسرے دین میں

لہ لیف اوف محمد مصنفہ سر ولیم میور صفحہ ۹۵ ؛ ۱۲

سچائی نہیں ہو سکتی ؟ اِس سوال سے حضرت عمرؓ کا شبہ مبدل بہ یقین ہو گیا اور غصہ کھا کر سعید پر جھپٹے اور اُسکو لاتوں سے مارا۔ اُن کی بہن چھوڑانے کے واسطے دوڑیں۔ اِسی کشاکش میں اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا اور جوش میں آکر اُس نے کہدیا کہ بیشک ہم نے دین اسلام قبول کیا ہے اور خدا واحد اور اُس کے نبیؐ پر ایمان لائے ہیں۔ جو تیرے دل میں آئے تو ہمارے ساتھ کر لے۔ حضرت عمرؓ نے جب اُس کا چہرہ خون سے بھرا ہوا دیکھا اُن کا دل نرم ہو گیا اور کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے وہ مجھے دکھاؤ مگر اُن کی بہن نے کہا کہ "لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ" جب تک تم پاک نہ ہو گے تم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ حضرت عمرؓ اُٹھے اور غسل کیا اور کاغذ لیکر پڑھنے لگے (کیونکہ وہ پڑھ سکتے تھے) جب تھوڑا سا پڑھ لیا تو کہنے لگے کہ یہ کلام کیسا عمدہ اور بزرگ ہے۔ یہ سُن کر خباب بھی اندر سے نکل آئے اور کہنے لگے کہ اے عمرؓ مجھے یقین ہے کہ خدا نے اپنے نبیؐ کی دُعا قبول فرما کر تجھے اپنے واسطے منتخب کر لیا ہے کل ہی آنحضرتؐ نے خدا سے دُعا مانگی تھی کہ "خدایا اسلام ابوجہل سے یا عمرؓ سے مضبوط کر"۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے آں حضرتؐ کے پاس لیچلو کہ میں اپنے قبول اسلام کا اُن پر اظہار کروں۔ اُن کو ارقم کے گھر میں لے گئے حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت حمزہؓ اور دوسرے اصحاب نے دروازے کے شگاف سے دیکھا کہ عمرؓ ہیں اور چونک کر پیچھے ہٹ گئے لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُسے اندر آنے دو اور خود آگے بڑھکر اُس سے ملے اور اُس کے دامن اور تلوار کی پیٹی کو پکڑ کر فرمانے لگے کہ تو مُسلمانوں کے ستانے سے کب باز آوے گا جب خدا تجھپر غضب نازل کریگا۔ حضرت عمرؓ نے اِس کے جواب میں کلمۂ "اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ" کہا۔ آں حضرتؐ نہایت خوش ہوئے اور بآواز بلند "اللہ اکبر" زبان مبارک سے فرمایا"۔

ایک انگریز مصنف لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا آنحضرتؐ کے ہاتھ پر یک بیک اسلام لانا ایسا ہی تھا جیسا کہ پال (پولوس رسول) کا حضرت مسیح کے ہاتھ پر۔ ایک شیعہ عالم نے اپنی کتاب حملۂ حیدری[2] میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے تمام واقعات کو عُمدہ منظوم عبارت میں بیان کیا ہے ؎

عمرؓ بعد ازاں از پسِ چند گاہ	در آمد بدینِ رسولِ اِلٰہ
چُناں بُد کہ بوجہل ازاں سرزنش	بکیفیتے شد عداوت منش
کہ جُز قتلِ پیغمبرِ ذوالجلال	نبودش دگر ہیچ فکر و خیال
یکے روز مے گفت با اشقیا	کہ آرد کسے گر سرِ مصطفےٰ
ہزار اُشتر از خود بخشم بہ او	دو کوہاں سیہ دیدہ و سُرخ مُو

[1] از بتھناٹ مصنف آرٹسٹن آتھرس صفحہ ۴ [2] [illegible]

زدیبائے مصری و برد یمن
دگر سیم و زر بخشش چند من

عمرؓ چوں شنید آں سخن گفتنش
بجنبید عرقِ طمع در تنش

باو گفت سوگند اگر مے خوری
کہ از گفتۂ خویشتن نگذری

من امروز خدمت رسانم بجا
بیارم بہ پیشت سرِ مصطفےٰ

گرفت از ابوجہل اوّل قسم
پس آنگہ زدہ در رہِ کیں قدم

بآں کار چوں رفت بیروں عمرؓ
یکے گفت با او نداری خبر

کہ ہمشیرہ ات نیز با جفت خویش
گرفت است دینِ محمدؐ بہ پیش

برآشفت اباحفص زیں گفت و گو
بگفتا بریزم کنوں خونِ او

سوئے خانۂ خواہرِ خویش رفت
چو آمد بہ نزدیک تر پیش رفت

بیامد بہ پیشِ در ایستاد
صدائے شنید و بآں گوش داد

شنید آنکہ میخواند مردِ نکو
کلامے کہ نشنیدہ بُد مثلِ او

وزو میگرفتند یاد آں کلام
ہماں خواہر و جفتِ او با تمام

عمر زد در و خواہرش باز کرد
چوں آمد دروں شور آغاز کرد

در افتادہ با جفتِ خواہر بجنگ
گرفتش زحلق و بمفشرد تنگ

در آویخت داماد ہم با عمرؓ
گرفتند خصمانہ ہم را بہ بر

بجستند گہ روئے ہم گاہ پشت
لگد گہ زدندے بہم گاہ مشت

زہم پوست کندند گہ گاہ مُو
گہے ایں بزیر آمدے گاہ اُو

ازو چوں عمرؓ بُود پُر زور تر
فگندش بزیر و نشست از زبر

گلویش بہ تنگی فشرد آں چناں
کہ نزدیک شد تا شود قبض جاں

بیامد دواں خواہرش نوحہ گر
بگفتش چہ خواہی زما اے عمرؓ

اگر شاد گردی زما در ملول
نمودیم دینِ محمدؐ قبول

کنوں گر کُشی سر بداریم پیش
ولے برنگردیم از دینِ خویش

چو بشنید ازو ایں حکایت عمرؓ
بدانست کو برنگردد دگر

بگفتش چہ دیدی تو از مصطفےٰ
کہ گشتی بدینش چنیں مبتلا

بگفتا کلامِ خدائے جلیل
کہ آرد باو حضرتِ جبرائیلؑ

شنیدیم و گردید بر ما یقین
کہ ہست ایں کلامِ جہاں آفرین

عمرؓ گفت ازاں قولِ معجز اساس
اگر یاد داری بنخواں بے ہراس

دلش زاں شنیدن بسے نرم شد | بسودائے اسلام سرگرم شد
عمرؓ گفت دیگر بخواں نیں کلام | بگفتا دگر نیست زیں مے بجام
ولے ہست اُستادِ ما در نہفت | کہ گر دید پنہاں چو نامت شنفت
قسم گر خوری گو نیابد زیاں | بیاریم پیشت کہ خواند ازاں
چو بگرفت سوگند از و خواہرش | بیاورد اُستادِ خود را برش
بُد از اہلِ اسلام ناش خباب | بیامد بہ نزدِ عمرؓ بے حجاب
برو خواند آیاتِ پروردگار | ابا حفصؓ اسلام کرد اختیار
چو آیاتِ معجز بیاں راشنید | ہمش قولِ کاہن بخاطر رسید
باسلام شد رغبتش بیشتر | کہ آں ہم شود راست چوں ایں خبر
وزاں پس بگشتند باہم رواں | بہ نزدِ رسولِ خدائے جہاں
بدولت سرائے پیمبر شدند | چو در بستہ بُد حلقہ بر در زدند
یکے آمد و دید از پُشتِ در | کہ اِستادہ با تیغ بر در عمرؓ
بہ نزدِ نبیؐ رفت و احوال گفت | بماندند اصحاب اندر شگفت
چنیں گفت پس عمرؓ خیر البشر | کہ غم نیست بروے کشائید در
گر از راہِ صدق آمدہ مرحبا | وگر باشد او را بخاطر دغا
بہ تیغے کہ دارد حمائل عمرؓ | تنش را سبکسار سازم زسر
چو در باز کردند بر روئے او | در آمد عمرؓ بالب عذر گو
گرفتش بہ بر سرورِ انبیا | نشاندش بجائے کہ بُودش سزا
بگفتند اصحاب ہم تہنیت | وزاں بیشتر یافت دیں تقویت
پس اصحابِ دیں راشد ایں مدعا | کہ از خدمتِ سرورِ انبیا
بسوئے حرم آشکارا روند | نمازِ جماعت بجا آورند
رسید ایں سخن چوں بعرضِ رسولؐ | زخیر البشر یافت عزِ قبول
رواں شد بتائید دیانِ دین | چو سوئے حرم سید المرسلین
بہ پہلو رواں حمزۂ نامدار | بہ پیشش علی رضؓ صاحبِ ذوالفقار
ہمی رفت در پیشِ حیدرؓ عمرؓ | حمائل ہماں تیغ کیں بر کمر

چو دیدند کفّار زاں گونہ حال
نمودند باہم بسے قیل و قال

یکے رفت زاں ہا بہ نزدِ عمرؓ
بدو گفت ایں چیست اے بدگہر

نہ زانساں کہ رفتی تو باز آمدی
بکیں رفتی و با نیاز آمدی

عمرؓ کرد اسلام خود آشکار
پس انگہ باو گفت اے نابکار

ہراں کز شما جنبد از جائے خویش
ببیند سرِ خویش بر پائے خویش

چو کفّار دریافتند از سخن
کہ در دل چہ دارند آں انجمن

نہادند پا در رہِ امتناع
نمودند با اہلِ ملّت نزاع

چو دیدند آں صحبت اصحابِ دیں
ہمہ دست بُردند بر تیغِ کیں

ازاں حال کفّار پس پاشدند
دلیرانِ دیں مسجد آراشدند

بہ پیش اندر آمد رسُولِ خدا
نمودند یاراں باو اقتدا

نبیؐ گفت تکبیر چوں در حرم
فتادند اصنام بر روئے ہم

زتائیدِ ایزد بہ مسجد نماز
ادا کرد و آمد سُوئے خانہ باز

حضرت عمرؓ گو قوی اور ذی رُعب آدمی تھے، اور ایک ایسے بے دھڑک اور بیخوف طبیعت پائی تھی کہ کسی خوف و خطرے کا خیال اُن کے پاس نہیں آسکتا تھا۔ مگر یہ ناممکن تھا کہ اسلام لانے کے بعد کفار کی جاہلانہ اور متعصّبانہ چھیڑ چھاڑ سے بچے رہتے۔ ایک عام برانگیختگی اور جوش و غضب کے روبرو ایک شخص کی قوت اور رعب کہاں تک ٹھہر سکتے ہیں۔ ضرور ہے کہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کی قلیل جماعت کے شریکِ حال ہو کر خطرہ اور اندیشہ میں رہیں اور اُن کے ہاتھ سے کم و بیش ایذا اُٹھائیں مگر صبر اور تحمل جو اِس خدا کی جماعت کا شیوہ تھا اسی کو اختیار کرنے کے سوائے کوئی چارہ نہیں تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تو جمیل بن معمر الجمحی کے کان میں یہ خبر ڈالی گئی جو خبر کے مشتہر کرنے میں ایک عام اشتہار کا کام دینے میں مشہور تھا۔ حضرت عمرؓ نے خود جمیل کو اپنے اسلام لانے کے سانحہ سے مطلع کیا۔ وہ اِس خبر کو سُنتے ہی اُٹھ بھاگا۔ حضرت عمرؓ اُسکے پیچھے ہولیئے اور عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں بھی اپنے باپ کے پیچھے ہولیا۔ مسجد کے دروازے پر جہاں قریش کعبہ کے گرد اپنی نشست گاہوں میں بیٹھے ہوئے تھے جا کھڑا ہوا اور باواز بلند پکار پکار کر کہنے لگا کہ عمر صابی ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے مَیں نے تو دین اسلام قبول کیا ہے۔ قریش جمع ہو کر آگئے اور باہم لڑائی شروع ہوگئی۔ دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ تھک گئے اور قریش کو کہتے تھے کہ خدا کی قسم اگر ہم تین سو مسلمان ہوتے تو تمہارا ہوتا یا تمکو ہمارے لیئے چھوڑ دینا پڑتا۔

ماجرا ہے۔ قریش نے کہا کہ عمرؓ صابی ہوگیا۔ اُس نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے پر ایک امر کو اختیار کیا ہے تمکو اس سے کیا مطلب ہے کیا تم اُسید رکھتے ہو کہ بنی عدی اپنا آدمی تمہارے حوالہ کردیں گے اسے چھوڑ دو۔ چنانچہ قریش علیحدہ ہوگئے[51] ایک دوسری روایت اسی مضمون کی ابن عمرؓ سے بیان کی گئی ہے جو اس گزشتہ واقعہ سے زیادہ قرین صحت و قیاس معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی خبر جب مشہور ہوئی تو لوگ اُن کے گھر کے گرد آکر جمع ہوگئے اور غل کرنے لگے کہ عمرؓ صابی ہوگیا۔ میں کوٹھے پر سے کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور یہ ماجرا سُن کر کہنے لگا کہ اگر وہ صابی ہوگیا ہے تو کیا ہوا۔ میں اُسکو پناہ دیتا ہوں۔ لوگ یہ سُن کر منتشر ہوگئے۔ اور وہ مرد بزرگ عاص بن وائل تھا[52] اس قسم کی اور روایتیں بھی موجود ہیں کہ ابوجہل نے حضرت عمرؓ پر تشدد کیئے اور اُن سے لڑائیاں لڑا کیا مگر وہ اُس کے بس میں نہ آئے اور آخر زبون ہوا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ میں ہمیشہ لوگوں سے لڑا کرتا تھا وہ مجھ کو مارتے تھے اور میں اُن کو مارتا تھا۔ یہاں تک کہ خدا نے اسلام کو قوی کردیا۔ حضرت[53] عمرؓ کے قریش سے لڑ جھگڑ کر بیت اللہ میں نماز پڑھنے میں کامیاب ہونے کے واقعہ کو اکثر اہل سیر بیان کرتے ہیں۔

غرض حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی خواہش پوری ہوئی اور اسلام اور مسلمانوں کو نہایت قوت اور تقویت حاصل ہوگئی اور اس حسن اتفاق سے کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ قریباً ایک ہی وقت میں اسلام لائے یہ قوت اور شوکت دوبالا ہوگئی۔ قریش اور کفار کی کمریں ٹوٹ گئیں اور دل بیٹھ گئے۔ ابن عباس کے اس قول کی صحت کی تصدیق کیجاتی ہے کہ "جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو مشرکین نے کہا کہ آج کے دن ہماری قوم نصفا نصف ہوگئی[54]" ابن مسعود کا قول ہے کہ "جب سے حضرت عمرؓ اسلام لائے ہم صاحب عزت ہوگئے"۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ "حضرت عمرؓ جب اسلام لائے اور وہ نہایت قوی اور ایسے بے خوف اور باسیاست اور ذی رعب شخص تھے کہ کوئی آدمی اُن کی کسی چیز کی طرف اُن کی غیبت میں بھی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا اور ساتھ ہی حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے اصحاب رسول اللہ کو بہت سہولیت اور آرام اور اطمینان نصیب ہوا عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ "حضرت عمر خطابؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہمکو یہ یارا نہیں تھا کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھیں جب وہ اسلام لائے قریش کے ساتھ لڑے یہاں تک کہ ہم اُن کے ساتھ

---

۵۱ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ۱۲ ۵۲ ازالۃ الخفا ۱۲

۵۳ منہاج النبوت ترجمہ مدارج النبوت ۱۲ ۵۴ تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

کعبہ کے پاس نماز پڑھنے میں کامیاب ہوئے۔" انہیں کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا اسلام کی فتح تھی[1]۔ اس کے بعد مسلمانی ظاہر ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ آشکارا نماز ادا کرتے تھے اور مشرکان قریش غم و غصہ کھاتے تھے[2]۔ اسلام کو اب گلی کوچوں میں چھپنے اور پوشیدہ رہنے اور خفیہ طور پر خدائے واحد کی عبادت کرنے اور خوف زدہ پھرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے گویا قریش پر بجلی گر گئی اور جان گئے کہ اب صورت معاملہ کی نازک ہو گئی ہے[3]۔ ایک انگریز مورخ حضرت حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ کو بیان کر کے لکھتا ہے کہ "اسی زمانہ ۶۱۶ء میں ایک اور شخص ابن الخطاب نے اسلام قبول کیا جس کے عظیم قد و قامت اور ہیبت اور بے انتہا جسمانی قوت اور بہادرانہ اور شجاعانہ دلیری نے اس کو حضرت حمزہؓ کا ایک موزوں ساتھی اور جوڑ بنا دیا[4]۔" اس کے بعد حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کو بیان کر کے لکھتا ہے کہ "اس قسم کے لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو نہایت تقویت حاصل ہوئی۔ کوئی شخص پیغمبر کے نزدیک جانے اور ان کو ایذا پہنچانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ عمرؓ اور حمزہؓ ان دونوں خوفناک دلیران جنگ اور مردانِ میدان کی نگاہوں سے لوگ خوف کھاتے تھے جو اپنے دشمنوں کی طرف ایسے دو شیروں کی طرح دیکھتے تھے جن سے کہ ان کے بچے چھین لیے گئے ہوں۔ نیز اب مسلمان چھپکر اپنے گھروں میں عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی جانچی ہوئی طاقت اور مقابلہ کرنیوالی صورت کے ساتھ کعبہ میں جمع ہوتے تھے اور عبادت کرتے تھے۔ قریش پر خوف اور بے چینی طاری ہو گئی تھی[5]۔" سر ولیم میور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے واقعہ کا ذکر کر کے لکھتا ہے کہ "قبول اسلام کے وقت اگرچہ حضرت عمرؓ کا سن صرف چھبیس برس کا تھا مگر ان کی شمولیت کا اسلام پر اتنا بڑا اثر اور ایسا ہی فوری اثر ہوا کہ گویا مکہ میں علانیہ اور بلا خوف اسلام کے ظاہر ہونے کی وہی تاریخ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے گھر سے نکل آئے مسلمان علانیہ طور پر عبادت کرنے لگے اور ان کے دل بڑھ گئے درآنحالیکہ قریش پر خوف اور بے چینی طاری ہو گئی[6]۔"

القصہ ہر ایک مورخ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر اس بات کا قائل ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے اسلام اور مسلمانوں کی شوکت اور ہمت کو بڑھا دیا اور مصیبت اور تکلیف کو گھٹا دیا۔ درحقیقت اس بات سے جس کی طرف سر ولیم میور نے اشارہ کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کی بے انتہا عزت اور رعب اور دباؤ

---

[1] یہ سب روایتیں ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا میں بقیہ رواۃ وغیرہ موجود ہیں ۱۲

[2] تاریخ طبری فارسی نسخہ صفحہ ۳۸۰ [3] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۱۲

[4] سٹابرٹ مصنف کتاب اسلام اینڈ اٹس فونڈر [5] لیف اوف محمد صفحہ ۹۷ و

اور شان و شوکت معلوم ہوتی ہے کہ صرف چھبیس برس کی عمر میں اُن کی ایک ذات اس قدر وزن اور قیمت رکھتی تھی کہ قریش نے اُن کے علیحدہ ہونے کو اپنی قوم اور قوت کا آدھا ہو جانا تسلیم کیا اور مسلمانوں کو جو اُس جہالت اور کفر کے ریگستان میں چند چمکتے ہوئے مگر بے پناہ ذروں کے مانند تھے قریش اور کفار کی ایذا دہی سے خلاصی مل گئی۔ حضرت عمرؓ کا یہ رعب اور ہیبت اور عزت جس قدر اُن کی ذاتی شجاعت اور بیدھڑک بہادری کے سبب سے تھی اُسی قدر اُن کی آبائی بزرگی اور نسبی فضیلت اور قوم اور قبیلہ کی قوت اور شوکت کے سبب سے بھی تھی۔

حضرت عمرؓ کو "فاروق" کا خطاب دیا گیا اور اُس شاہنشاہِ دوجہاں سرورِ کائنات افضل الانبیاء خدا کے برگزیدہ رسول صلعم نے یہ خطاب عنایت کیا۔ پس اُس کی بزرگی آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔ اکثر مورخین کا بیان ہے کہ یہ خطاب حضرت عمرؓ کو اُس وقت جبکہ وہ اسلام لائے اور اسلام مکہ میں ظاہر ہوا اور علانیہ خدائے واحد کی عبادت کی گئی اور اُن کے اسلام لانے سے گویا حق اور باطل میں تمیز اور تفریق ہو گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا تھا۔ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک دن حضرت عمرؓ سے "فاروق" نام پانے کی وجہ دریافت کی تو اُنہوں نے اپنا اسلام لانے کا واقعہ بیان کر کے یہ کہا کہ "اُس وقت مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں حق پر ہیں۔ تو مَیں نے کہا کہ پھر حق کو چھپایا کیوں جائے تو ہم ارقم کے گھر سے دو صفیں باندھے ہوئے نکلے ایک میں میں تھا اور ایک میں حمزہ تھے۔ یہاں تک کہ مسجد میں پہنچ گئے۔ قریش نے جب میری اور حمزہؓ کی طرف دیکھا تو اُن کو بہت رنج ہوا اور آنحضرتؐ نے اُس دن سے میرا "فاروق" نام رکھا۔ کیونکہ اسلام ظاہر ہوا اور حق اور باطل میں تفریق ہو گئی"[1]۔ مگر بہت سے مورخوں نے اس خطاب کے حاصل کرنے اور حضرت عمرؓ کو یہ نام دیئے جانے کو ایک اَور زمانہ اور ایک اَور واقعہ سے منسوب کیا ہے جو یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی اور ایک مسلمان کے درمیان تنازعہ ہو گیا۔ ایک نے کہا کہ کعب ابن اشرف یہودی کو منصف مقرر کریں اور دوسرے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منصف بنایا۔ آخر جناب رسول اللہ صلعم سے فیصلہ کرانے پر دونوں راضی ہوئے اور مقدمہ انفصال کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے گئے آنحضرتؐ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کیا۔ مگر وہ مسلمان راضی نہ ہوا اور کہنے لگا کہ دوبارہ حضرت عمرؓ کے پاس مقدمہ لے چلیں۔ جب دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو تنازعہ کی کیفیت بیان کر کے یہودی نے حضرت عمرؓ سے یہ بھی بیان کیا کہ آنحضرت صلعم اس مقدمہ کا فیصلہ دے چکے ہیں مگر اُسکے مخالف نے اُسے منظور نہیں کیا۔ مسلمان شخص نے یہودی کے اس بیان کی تصدیق کی جس کو سُن کر حضرت عمرؓ اُٹھ کھڑے

---

[1] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

ہوئے اور سنے کے رسول کی دیر ٹھہرو۔ میں اس کا فیصلہ کیے دیتا ہوں۔ وہ اگر اپنی تلوار لے لئے اور ایک ہاتھ سے مسلمان کا سر اُس کے تن سے جُدا کر دیا اور بآواز بلند کہا کہ "اُس شخص کی یہ سزا ہے جو خدا اور اُس کے رسولؐ کے فیصلہ سے انحراف کرے"۔ اِس فعل سے حضرت عمرؓ کو "فاروق" کا نام دیا گیا اُس منافق مسلمان کے سر کو تن سے جُدا کرنے اور حق اور باطل میں تمیز کرنے دونوں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے[1]۔

اگر سچ پوچھو تو اُس نسبت کے خیال سے جو حضرت عمرؓ کے حالات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد ازاں اُن کے زمانۂ خلافت کے حاصل ہو سکنے اور بیان کیئے جانے کی ہے۔ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا گویا اُن کا پیدا ہونا اور عدم کفر سے وجود اسلام میں آنا ہے اور آنحضرت صلعم کے ظلِّ رحمت میں بسر کرنا اور تربیت پانا گویا اُن کی طفولیّت کا زمانہ ہے۔ اگرچہ ہونہار اولاد کی طرح ہم اُن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ایک شریک اور مشیر کے مانند پاتے ہیں۔ اِس صورت میں اُنکی خلافت کے زمانہ کو اُن کے عہد شباب اور پیری سے موسوم کرنا چاہیئے"۔

حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے جسقدر اسلام کو اور مُسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی اُسیقدر کفار اور قریش زیادہ برافروختہ اور برانگیختہ ہو گئے[2]۔ ایک اَور وجہ قریش کی برانگیختگی اور غصہ سے بھڑک اُٹھنے کی یہ ہوئی کہ جو مسلمان قریش کے ظلم سے بچنے کے واسطے ہجرت اولیٰ کر کے حبشہ کو چلے گئے تھے اور نجاشی عیسائی پادشاہ حبشہ کے پاس جا کر پناہ لی تھی قریش نے نجاشی کے پاس اپنے سفیر بھیجکر اُن پناہ گیر مُسلمانوں کو واپس طلب کیا تھا۔ مگر نجاشی پادشاہ نے انکار کیا اور سفیروں کو بے نیل مرام لوٹا دیا[3]۔ قریش مُسلمانوں کو ایذا دینے اور ستانے میں اَور زیادہ سختی اور تُندی سے کوشش کرنے لگے جسپر آنحضرتؐ نے مہاجرین حبشہ کو آرام و آرائش میں پاکر دوسری دفعہ اَور مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی اور بعض کے نزدیک حضرت عمرؓ نے بھی اِس جماعت کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی ہے[4]۔ اگر یہ صحیح ہو تو حضرت عمرؓ کی طبیعت کے لحاظ سے اس بات کا تسلیم کرنا مشکل ہوگا کہ اُنہوں نے اپنی جان کے خوف یا اپنی ذات کے آرام کے لیئے ہجرت کی ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی دوسرا سبب مثلاً مہاجرین کی حفاظت وغیرہ اِس کی وجہ ہو جیسا کہ اُن کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے حبشہ سے مکہ معظمہ میں واپس آجانے کی روایت[5] سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال آنحضرتؐ اور مُسلمانوں پر جو مکّہ میں تھے کچھ زیادہ دن

---

[1] جلال الدین بیضاوی۔ ہسٹری اوف سرے سینیس مصنفہ اوکلی۔ و قرآن انگریزی مترجمہ سیل حاشیہ صفحہ ۶۱

[2] ازالۃ الخفا بروایت ابن مسعود

[3] ازالۃ الخفا بروایت ابن مسعود و مناہج النبوۃ وغیرہ

[4] تفسیر القرآن از سر سید احمد خاں صاحب جلد چہارم صفحہ ۵۲

[5] تفسیر القرآن سر سید احمد خاں صاحب جلد چہارم صفحہ ۵۲

مسلمانوں کے حال میں پیدا ہوئی تھی اور جس قدر تقویت اُن کی جماعت کو پہنچی تھی اُسی قدر حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب عمِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امن تھا ضعف پہنچگیا[1]۔ آنحضرتؐ جب طائف میں جاکر بنی ثقیف کو خدا کے کلام کی طرف راغب کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اور اہل مدینہ کے حالات نے اچھی اُمیدیں دلائیں تو آنحضرت نے اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت اور ہدایت فرمائی۔ پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ۵ سنہ نبوی میں ہوئی تھی دوسری ۶ سنہ نبوی میں۔ یہ تیسری ہجرت مدینہ کی طرف ۱۳ سنہ نبوی میں ہوئی جس میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضؓ اور حضرت حمزہ رضؓ اور اکثر اصحاب آنحضرت صلعم مکّہ سے مدینہ کو چلے گئے[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکّہ میں حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت علیؓ کے سوا خاص اصحاب میں سے کوئی نہ رہا۔ جنہوں نے کہ آخر ۱۳ سنہ نبوی مطابق سنہ ۶۲۲ء میں آنحضرت کے ساتھ ہجرت کی +

حضرت عمر رضؓ کے ہجرت کرنے کو بعض مورخین[3] نے ایک واقعہ سے مخصوص کیا ہے کہ کسی نے سوائے حضرت عمر رضؓ کے علانیہ ہجرت نہیں کی۔ جب وہ مکّہ سے چلنے کے واسطے تیار اور آمادہ ہوئے تو اپنی تلوار گلے میں لٹکا کر اور کمان کندھے پر رکھکر ہاتھ میں تیر لیئے ہوئے کعبہ میں آئے جہاں کہ اکابر قریش جمع ہوئے بیٹھے تھے اور سات دفعہ طواف کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور کہا کہ اُن کا بُرا ہو جو پتھروں کو اپنا خدا سمجھیں اور پھر کہا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اُس کی جورو بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں وہ میرے پیچھے آئے اور ویرانہ میں مجھ سے ملے مگر کسی کو اُن کے پیچھے جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ گو اس قسم کی روایات کی صحت میں حجت کیجاسکتی ہے مگر ہمارے پاس جیسیکہ اُن سے انکار کرنے کے واسطے قرائن موجود ہوں ویسے ہی اُن کی صحت پر یقین کرنے کے واسطے قیاسات موجود ہوتے ہیں ؛

ایک اور روایت جس کی صحت اور درستی میں اور اس امر میں کہ حضرت عمر رضؓ ہی کی نسبت ہو گو شبہ ہوتا ہے مگر سر ولیم میور[4] نے اُسکو حضرت عمر رضؓ ہی کے نام سے نقل کیا ہے اُسکا درج کرنا بیجا نہوگا۔ وہ اس امر کے بیان میں کہ بہت سے مسلمانوں کو جبر اور فریب سے ہجرت کرنے سے روکا گیا تمثیلاً بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ نے عیاش اور ہشام کے ساتھ مکّہ سے باہر ایک مقام پر ملکر اور اکٹھے مدینہ کی طرف روانہ ہونیکی تجویز ٹھہرائی تھی۔ ہشام کو اُس کے کُنبہ نے اس سے باز رکھا اور کچھ عرصہ تک بُت پرستی کرنے پر مجبور کیا۔ حضرت عمر رضؓ کہتے ہیں کہ پس میں اور عیاش تنہا چلے گئے اور قبہ تک سفر کیا۔ جہاں ہم رفاع کے مہمان نواز گھر میں جا ٹھہرے

---

[1] سپرٹ اوف اسلام مؤلفہ مولوی سید امیر علی صاحب [2] تفسیر القرآن از سر سید احمد خاں صاحب طبع بہام ومناہج النبوّت وغیرہ [3] تاریخ الخلفا سیوطی و معارج النبوّت ومناہج النبوت صفحہ ۱۱۷ ؛
[4] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۳۷ ؛

لیکن ابوجہل پیچھے ہی پیچھے مدینہ پہنچا اور عیاش کو آکر کہا کہ تیری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تیرا مونھ نہ دیکھے گی سایہ میں نہ بیٹھے گی اور بالوں میں تیل اور کنگھی نہ لگائے گی۔ تب میں نے عیاش کو کہا۔ کہ تجھکو دین سے برگشتہ کرنے کے واسطے یہ ایک چال ہے۔ تیری ماں اپنی قسم کو جلد توڑ ڈالیگی۔ خبردار مدینہ کے پاس مت جائیو۔ لیکن اُس نے نہ مانا اور کہا کہ میں دین سے نہیں پھر سکتا۔ اپنی ماں کی قسم توڑوا کر اور اپنا اسباب لیکر جلد چلا آؤں گا۔ تب میں نے اُسکو ایک تیز رفتار اُونٹ دیا اور کہا کہ اگر فریب کا شُبہ معلوم ہو تو اِسکی تیزی سے اپنے آپ کو بچائیو۔ لیکن جب وہ راستہ میں ایک جگہ اُترا تو اُس کے ہمراہیوں نے اُسے پکڑ کر رسیوں سے جکڑ لیا اور اسی طرح مکّہ لے گئے اور روک لیا۔ عیاش اُس وقت تک مکّہ میں بُت پرستی کرتا رہا۔ جب تک کہ مدینہ میں یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی۔ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ اور حضرت عمرؓ نے اُسکو لکھکر عیاش کے پاس بھیجا جس سے وہ دلیری کر کے مکّہ سے مدینہ کی طرف چلا آیا" ۔

سب سے پہلے مدینہ میں مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم مسلمانوں میں سے پہونچے ہیں جو لوگوں کو دین سکھلاتے تھے۔ اُن کے بعد حضرت عمرؓ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اور ایک روایت میں بیس اصحاب کے ساتھ پُہنچے۔ اُن کا جانا اُن حضرتؐ کی تشریف آوری کیواسطے گویا مقدمہ تھا۔ عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کا ہجرت کرنا اسلام کیواسطے نصرت تھا[1] ۔

حضرت عمرؓ اور جو اصحاب آنحضرتؐ سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ پُہنچ گئے تھے اُن کے پاس آنحضرتؐ کی تشریف آوری تک سوائے اس کے اَور کیا کام تھا کہ اہل مدینہ کو دین اسلام کی تلقین اور تعلیم کریں۔ مگر آنحضرتؐ کی طرف سے جو مکّہ میں کفار اور دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے اُن کے اصحاب کو فکر دامنگیر رہتی تھی۔ خصوصاً آنحضرتؐ کے مدینہ پُہنچنے سے پہلے تین چار روز جو آنحضرتؐ نے غار میں گزارے مدینہ کے اصحاب نہایت تشویش اور تردّد میں رہے کیونکہ مکّہ سے آنحضرتؐ کے چلے آنے کی خبر اُن کو پُہنچگئی تھی۔ لیکن یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ آنحضرتؐ تین روز تک غار میں پنہاں رہے ہیں۔ ہر روز مہاجرین یعنی مسلمان اہل مکّہ اور انصار یعنی مسلمانان اہل مدینہ شہر سے تھوڑی دُور فاصلہ پر آکر آنحضرت کا انتظار کیا کرتے تھے مگر آپ کے نہ آنے سے تردّد اور تشویش کے ساتھ لَوٹ جاتے تھے[2] ۔ آخر جمعہ کے ایک مبارک دن کو آنحضرت قبہ سے ہوتے ہوئے یثرب یعنی مدینۃ النبی یا مدینہ میں پہونچے۔ وہ دن مُسلمانوں کے واسطے عید کا دن تھا۔ اور اسی لیئے وہ مُبارک دن ہمیشہ کے لیئے عید المسلمین کا دن قرار پایا ۔

اسلام کا جو سب سے بڑا کرشمہ بانی تھا اہل مدینہ اُس سے فیض یاب ہونے میں پیچھے نہیں

---

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ۔ [2] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۷۰

کو اسلام کے برادرانہ لطف و محبت کے جذبہ میں بھول گئے مہاجرین (اہل مکہ) اور انصار (اہل مدینہ) میں جو رشتہ اُخوت اسلام نے قائم کیا تھا اور قدیم تفرقہ جو عرب کے خمیر میں تھا اُسکو مٹا دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس برادری اور باہمی محبت اور اُلفت اور یگانگت کے خیالات کو اُن کے درمیان زیادہ پختہ اور مضبوط کرنے کے واسطے ایک صیغۂ اُخوت اُن میں قائم کیا اور دو دو آدمیوں کے درمیان عقد مواخات باندھا حضرت عمرؓ کا عقد مواخات حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ باندھا گیا۔

مدینہ میں آں حضرتؐ کا پہلا کام ایک مسجد تعمیر کرنے کا تھا جو مسجد قبا کے نام سے موسوم ہوئی آنحضرتؐ نے اُسکی تعمیر میں خود دست مبارک سے کام کیا اور حضرت عمرؓ نے دوسرے خاص اصحابؓ سمیت پتھر اور مٹی ڈھو کر جمع کی۔ اور ایک سادہ قطع کی مسجد تیار ہو گئی جو اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی مسجد ہونے سے ممتاز ہے۔ اور ایک دوسرے درجہ کا شرف اُسکو یہ حاصل ہے کہ حضرت عمرؓ اُس میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے اور کوڑا کرکٹ اور تنکے اکٹھے کرتے اور مسجد کو صاف کرتے تھے۔

اس وقت سے حضرت عمرؓ ہر دم اور ہر لحظہ اور ہر ساعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور آپ کے کاموں اور سرگزشتوں میں مدد اور مشیر رہے اور اُن کے اور دوسرے صحابہ خاص کے حالات آنحضرتؐ کے حالات سے گویا ملے جُلے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ ایک غیر ضروری کام اور باعث طوالت ہوگا کہ آنحضرتؐ کے حالات کو جن کی بابت بے شمار مستقل کتابیں موجود ہیں حضرت عمرؓ کے حالات کی تکمیل کا باعث خیال کر کے زیادہ تر بیان کیا جائے۔ پس ہم سوائے اُن خاص واقعات کے جو حضرت عمرؓ کی نسبت کسی خاص دلچسپی یا کیفیت کے ظاہر کرنے کے واسطے بیان ہوئے ہیں بیان نہیں کریں گے۔ البتہ واقعات کے قابل فہم ہو جانے کی ضرورت سے جہاں دوسرے تاریخی واقعات کے بیان کرنے کی ضرورت ہوگی وہ بیان کرنے پڑینگے۔

قریش اور کفار مکہ کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن کے قاتل ہاتھوں سے بچکر سلامت نکل جانے اور اُن کے مہلک ارادوں کے پورا نہ ہونے کی نرک اُٹھانے سے غصہ کی آگ بھڑک رہی تھی اسپر مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور دین اسلام کی روز افزوں ترقی اور بڑی بڑی جماعتوں کے مشرف باسلام ہونے کی خبروں نے اُن کے ساتھ وہ کام کیا جو ہوا آگ کے ساتھ کرتی ہے۔ اسکے سوائے اُن کو مسلمانوں کی جماعت اور جمعیت کی ترقی سے ایک اور خدشہ یہ لاحق ہوا کہ مکہ کی جو بہت بڑی تجارت ملک شام کے ساتھ ہوتی تھی اور اس سفر کے راستے مدینہ کے قرب میں واقع تھے اگر درمیان میں مسلمانوں کی جماعت زیادہ مضبوط اور قوی ہو گئی تو اُن کے تجارتی قافلوں کے واسطے امن اور سلامتی مخدوش ہو جاویگی

اگرچہ آنحضرت کی طرف سے جن لوگوں کو "امین" کا خطاب دیا گیا بھولی نہیں تھی۔ اس قسم کا خوف و اندیشہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ مگر اُن کی اپنی طبائع اور سلوک کے لحاظ سے جو اُن کے پاس ایسے امور کی نسبت کرنے کے معیار تھے اس قسم کا خطرہ اُن کے دلوں میں پیدا ہونا ضروری تھا۔ پس اُنہوں نے مدینہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو چین اور اطمینان سے زیادہ دنوں تک نہ بیٹھنے دیا اور اُن غریب الوطن مسافروں اور اُن کے پناہ دہندوں کو اپنی جان اور مال کی حفاظت کے واسطے طوعاً و کرہاً تلوار اُٹھانے کے واسطے مجبور کیا۔ دو ہی سال میں قریش نے پے در پے حملے کیئے مگر صلح و صفائی پر ٹل گئے۔ آخر کار اسی دوسرے سال کے آخر پر قریش کے ایک بہت بڑی فوج جمع کر کے مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے کوچ کرنے کی خبریں مدینہ میں پہنچیں۔ آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کو ایک اور مشکل یہ درپیش تھی کہ مدینہ میں رہکر وہ دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اُنہوں نے اُس شہر میں مسافروں اور مہاجرین کی طرح جا کر پناہ لی تھی اور گو بعض قبائل اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے مگر شہر کے مالک انصار ہی تھے اور اُن کو کفار مکہ اور قریش کے ساتھ ہمدردی ہونی ضروری تھی اور اگر اُن سے ہمدردی نہ کرتے تو کم سے کم مسلمانوں کو اپنے شہر میں پناہ دینے کو اپنے لیئے ایک مصیبت ضرور خیال کرتے کہ اُن کے ساتھ ہی ساتھ اُن کے دشمنوں کے حملوں نے اُن کے شہر کے امن و آسائش کو برباد کر دیا۔ پس نہ تو شہر مسلمانوں کا تھا کہ اُس میں محصور ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کرتے نہ تمام باشندوں کو اُن سے ہمدردی تھی کہ اُن کی طرف سے بے خطر اور بے اندیشہ ہو کر دشمنوں سے لڑائی کرتے۔ پس آنحضرت نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ قریش کے اس حملہ کے دفع کرنے کے واسطے خدا پر توکل کر کے مدینہ سے باہر جا کر دشمنوں سے لڑیں اور مکہ کی طرف روانہ ہونے کے واسطے آمادہ کیا۔ اسی اثنار میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ کے شام سے مکہ کی طرف بسرداری ابی سفیان گزرنیوالا ہونے کی خبر پہنچی۔ اور گو بعض اصحاب کو قافلے کے لُوٹنے کا خیال ہو مگر یہ امر آنحضرت صلعم کے ارادہ اور منشار کے بالکل خلاف تھا اُنہوں نے مکہ کی طرف کوچ کیا جدھر سے غنیم کے لشکر کے آنیکی خبر تھی نہ کہ شام کی طرف جدھر سے قافلہ آرہا تھا[1]۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام بدر کے قریب

---

[1] مسلمان مورخوں نے جیسا کہ اُن کی عادت ہے آنکھیں بند کر کے اس قسم کی روایتیں بیان کی ہیں کہ آنحضرت قافلہ کے لُوٹنے کے ارادہ سے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے اور مخالفین کو بانیٔ اسلام کے پاک ارادوں پر نکتہ چینی کرنے اور حرف رکھنے کا موقعہ دیا ہے مگر قرآن مجید کی آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم بارادۂ جنگ مکہ سے روانہ ہوئے تھے اور نیز تاریخ سے بھی ایک منصف اور عقلمند شخص یہی امر بخوبی ثابت اور مستنبط کر سکتا ہے۔ نہ تو آنحضرت مدینہ سے قافلہ لُوٹنے کے واسطے نکلے تھے نہ ابوجہل اس قافلہ کی حفاظت کے واسطے آیا تھا کیونکہ اس صورت میں جب قافلہ صحیح و سلامت چلا گیا تھا تو اُسکو لوٹ جانا چاہیے تھا مگر وہ بھی بارادۂ جنگ آیا تھا اور نہ لوٹا۔ اس بحث کو مفصل دیکھنا ہو تو تفسیر القرآن از سرسید احمد خاں صاحب جلد چہارم کے شروع میں دیکھو۔ مؤلف ۱۲

سبب سے مشہور تھا تو بعض اصحاب نے یہ رائے دی کہ قریش کا مقابلہ اور مدافعت اور ان سے لڑائی کرنیکے ارادے کو ترک کرکے قافلے کے لوٹنے کے واسطے تدبیر اور تعاقب کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ رائے سُن کر نہایت برآشفتہ ہوئے[۵۱] مگر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہوکر اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ قریش بڑے معزز اور مغرور اور غالب ہیں۔ نہ اُنھوں نے اب تک اسلام قبول کیا اور نہ آیندہ اسلام قبول کرینگے اور آپ سے اور مُسلمانوں سے جنگ و جدل کرنے سے باز نہ آوینگے اور ناچار اُن سے لڑائی اور مقابلہ کرنا پڑے گا۔[۵۲] پس آپ بھی اُن سے جنگ کرنے کے ارادے میں مستعد رہیں۔ حضرت عمرؓ کی اِس رائے سے آنحضرتؐ نہایت خوش ہوئے اور بڑھتے ہوئے بدر کے مقام پر پہنچ گئے جو اسلامی تاریخ میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان حق اور باطل میں فیصلہ کرنے اور پہلے جنگ کا مقام ہونے کے واسطے مشہور ہونیوالا تھا۔ آخر کار قریش کے حملہ آور لشکر سے سامنا ہوا اور آنحضرتؐ نے اتمام حجت کیواسطے حضرت عمرؓ کو قریش کے پاس یہ پیغام پہنچانے کے واسطے بھیجا کہ میں تم سے جنگ کرنا اور لڑنا ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور مناسب یہ ہے کہ تم یہیں سے اپنے وطن کو پھر جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے یہ پیغام نبی کریم کا قریش کے پاس پہنچا دیا۔ مگر قریش کب ماننے والے تھے۔ حکیم بن خزام نے اگرچہ آنحضرتؐ کے اِس فرمودہ کی بہت تعریف کی مگر ابوجہل نے حقارت سے جواب دیا کہ اب تم ہمارے قابو میں ہو ہم بدلہ لیئے بغیر تمہیں کب چھوڑتے ہیں[۵۳]۔ غرض لڑائی اٹل ٹھنی اور ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے مُسلمانوں کو فتح دی اور دشمنوں کا مال اسباب اور قیدی اُن کے ہاتھ آئے ؛

ایسی بڑی جنگ کی صورت میں یہ سب سے پہلا موقعہ مُسلمانوں کے امتحان اور آزمائش کا تھا۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش میں اُن کے خویش و اقربا جو کفر کی حالت میں تھے موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے بدر میں اوّل سے آخر تک اپنے جوش اور محبت اسلامی کا جس نے قرابت اور خویشاوندی کے تمام خیالات کو اُن کے دل سے محو کر دیا تھا ایسا ثبوت دیا کہ وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ اُنہوں نے اپنے حقیقی ماموں عاص بن شام بن مغیرہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا[۵۴]۔ اور کوئی خون کا رشتہ جو درحقیقت فرزندان اسلام کے نئے اُخوت کے پیوندوں کے سامنے کمزور ہوکر ٹوٹ چکا تھا خونخوار تلوار کے اُٹھانے سے مانع نہ ہوسکا ؛

---

۵۱ لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور و مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۱۸۹ ؛

۵۲ مغازی واقدی ترجمہ اُردو مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۳۳ و مناہج النبوت صفحہ ۱۸۹ ؛

۵۳ مغازی واقدی صفحہ ۳۳ ۵۴ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء مغازی واقدی وغیرہ ؛

حضرت عمرؓ کے رعب کا ثبوت پیش کرنا ایک غیر ضروری کام ہے مگر تاہم واقعات کو چھوڑا نہیں جاتا
قریش مکہ جو مدینہ پر چڑھائی کر کے آئے تھے اُن میں بنی ہاشم کو وہ جبراً اور زبردستی نکال کر ساتھ لائے تھے
وہ اس بات پر رضامند نہ تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جو گویا اپنا ہی مقابلہ تھا
ہتھیار اُٹھائیں مگر ابوجہل نے اُن کو سخت جوش دلا کر اور تنگ کر کے اِس مہم میں شریک کیا تھا آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم تھا اور آنحضرت کے چچا عباسؓ بھی انہیں میں تھے۔ آنحضرتؐ نے لڑائی
شروع ہونے سے پہلے حکم دیا تھا کہ جو شخص عباس اور ابوالبختری بن ہشام کو ملے اُن کو قتل نکرے کیونکہ وہ
اپنی رضامندی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ مگر ابوحذیفہ بن عتبہ نے اِس حکم پر بگڑ کر کہا کہ کیا ہم اپنے خویش و
اقربا کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں؟ واللہ اگر میں اُسے ملا تو اُسکو قتل کرنے سے نہ رُکوں گا۔ آنحضرت
صلعم نے جب یہ سُنا تو حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے ابا حفصؓ کیا رسُول اللہ کا چچا تلوار سے قتل کیا جاویگا؟
حضرت عمرؓ نے ارادہ کر لیا تھا کہ حذیفہ کی اِس گستاخی کی سزا اُس کی جان کا مول ہو۔ مگر وہ اپنی اِس حرکت
پر نادم ہوا اور اسی ندامت نے آخر کار یمامہ کے دن اُس کا سر شہادت کے شوق میں خوشی سے دشمن
کی تلوار کے آگے رکھدیا۔[1] اس روایت میں آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو ابا حفص کی کُنیت سے پکارا حضرت
عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا موقع ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے اس نام سے پکارا۔

حضرت عمرؓ کی شجاعت اور قوت ہی ایسے موقعوں پر ایک کار آمد چیز نہیں تھی بلکہ اُن کی احتیاط اور
دُور اندیشی بہت کام آتی تھی وہ ہر طرف نگاہ رکھتے تھے اور جنگ آزمودہ سردار کی طرح وقت اور موقع کی ضروریات
مُسلمانوں کو سمجھا دیتے تھے جنگ بدر ہی میں عاصم بن ابی عوف یہ پکارتا ہوا بڑھا آتا تھا کہ آنحضرتؐ کو قتل
کروں گا اگر وہ بچ گئے تو پھر ہم نہ بچینگے۔ ابودجانہ سے اُس کا مقابلہ ہو گیا اور تلوار چلنے لگی۔ آخر ابودجانہ نے اُسکو
قتل کر ڈالا اور اُس کا ساز و سامان اُتارنے میں مصروف ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھکر اُسکو منع کیا اور کہا کہ
جب تک دشمن پر فتح کامل نہ حاصل ہو اِس اسباب کی فکر کو چھوڑ دے اور میں شاہد ہوں کہ تو ہی اِس اسباب کا
مستحق ہے۔[2]

بدر کی لڑائی میں قریش کے لشکر میں ستر آدمی بطور قیدی کے گرفتار ہو گئے تھے اُن کی نسبت بحث
درپیش ہوئی کہ ان سے کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ تمام مورخین نے جس طرح پر کہ اِس واقعہ کو بیان کیا ہے اُسکا حاصل
یہ ہے کہ اِن قیدیوں کی نسبت جب آنحضرتؐ نے اصحاب سے مشورہ طلب کیا تو حضرت عمرؓ نے اُن کے قتل
کرنے کی رائے دی اور حضرت ابوبکرؓ نے فدیہ لیکر چھوڑ دینے کی۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند
کیا اور فدیہ لیکر سب کو چھوڑ دیا۔ مگر خداوند تعالیٰ نے اِس بات کو ناپسند کیا اور یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ

---

[1] ازالۃ الخلفا عن خلافۃ الخلفا و مناہج النبوت [2] مغازی واقدی صفحہ ۱۴

لنبي ان يكون له اسرى حتى يثخن في الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الاخرة والله عزيز حكيم لولا كتاب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم ۔ ترجمہ "نہیں ہے نبی کے لیئے کہ ہوں اُس کے لیئے قیدی یہاں تک کہ گھمسان کردیں زمین میں یعنی مُلک میں تم چاہتے ہو مال دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو اور اللہ غالب ہے حکمت والا۔ اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کی طرف سے پہلے سے بیشک تمکو پہنچتا اُس میں جو تم نے لیا عذاب بہت بڑا"

مورخین اور مفسرین اِس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ خدا نے فدیہ لینے کو ناپسند کیا اور حضرت عمرؓ کی رائے کو جو اُن سب کو قتل کرنے کی تھی پسند فرمایا۔ اور حضرت عمرؓ کی اس رائے کو حضرت عمرؓ کے موافقات میں یعنی جو رائیں اُن کی منشاء حق اور احکام الٰہی کے موافق ہوئی ہیں شمار کرتے ہیں لیکن یہ ایک عام غلطی ہے جو ان آیات کی تفسیر اور اِس واقعہ کی تشریح میں داخل ہوگئی ہے۔ صحیح تفسیر اور اصلیت واقعہ کی جو ایک بزرگ مفسر نے اپنی تفسیر میں[1] بیان کی ہے حسب ذیل ہے :-

"بدر کی لڑائی میں قریش مکہ کے تمام لشکر سے جو اُن کے ساتھ آیا تھا لڑائی نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک گروہ سے جو لڑنے کو نکلا تھا لڑائی ہوئی تھی جیسا کہ آیت "واذ یعدکم اذ التقیتم فی" سے ثابت ہوتا ہے۔ اُس گروہ کو جو مقابلہ میں آیا تھا شکست ہوئی تھی اور تمام لشکر قریش مکہ کا ایسا پریشان ہوگیا تھا کہ کسی کو پھر مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اور مسلمانوں نے اُن کا تعاقب بھی نہیں کیا جیسا کہ خدا نے اسی سورۃ میں فرمایا "ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح وان تنتهوا فهو خيرا لكم" مگر قریش مکہ کے لشکر میں سے ستر آدمی بطور قیدی کے گرفتار ہوگئے تھے۔ ان قیدیوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے حضرت عمرؓ اور سعد ابن معاذ نے رائے دی کہ سب کو قتل کرنا چاہیئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے چنانچہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا۔ فدیہ لینے پر خدا نے اپنی ناراضی ظاہر کی کیونکہ وہ لوگ بغیر لڑنے کے پکڑے گئے تھے اور اسی لیئے لڑائی کے قیدی جن سے فدیہ لیا جاسکتا۔ نہیں تھے۔ اِسی پر خدا کی ناراضی ہوئی اور خدا نے فرمایا ما كان لنبي ان يكون له اسرى الخ "جن لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اُن کے قتل نہ کرنے پر خدا کی ناراضی ہوئی تھی کسی طرح پر صحیح نہیں ہوسکتی اس لیئے کہ خدا تعالیٰ نے جب اُن کا قیدی جنگ ہونا ہی نہیں قرار دیا تو اُن کے قتل نہ کرنے پر کیونکر ناراضی ہوسکتی تھی"

اب یہ بات کہ حضرت عمرؓ کی رائے ایسی سختی کرنے کی کیوں تھی ہم پھر بیان کرینگے حضرت عمرؓ کی ایک یہی رائے اس قسم کی نہیں ہے بلکہ ایسی ہی اور بہت سی رائیں ہیں ہم سب کو بیان کر لینے کے بعد بحث کرینگے کہ اُن میں بھی ایک مخفی حکمت اور مصلحت تھی ۔

---

[1] تفسیر القرآن از سرسید احمد خاں صاحب جلد چہارم صفحہ ۴

فتح بدر کے بعد ایک اور واقعہ ہوا جو حضرت عمرؓ کی محتاط اور سخت طبیعت کی مثال ہے۔ عمیر بن وہب جو قریش میں سے ایک جنگ جو اور دلیر شخص تھا اپنے بھائی کو جو قیدیوں میں گرفتار تھا چھڑانے کے واسطے آیا۔ مسجد کے دروازے پر جب اُس نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا تو حضرت عمرؓ کی نظر اُس پر پڑی۔ گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے دیکھکر اور بھی زیادہ خیال ہوا۔ اور کہا کہ یہ دشمنِ خدا وہی ہے جو بدر کے دن قوم کو بھڑکاتا اور اُکساتا تھا۔ وہ جھپٹ کر آنحضرتؐ کے پاس گئے اور بیان کیا کہ عمیر بن وہب اس حال میں آیا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے پاس لانے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ نے آکر اُسکی تلوار کا تسمہ جو گلے میں پڑا ہوا تھا پکڑ لیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلے اور کہا کہ اسکی شر سے آنحضرتؐ کی حفاظت کرنی چاہیئے کیونکہ اس کا جانا مامون نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے اُسکو اس طرح لاتے دیکھکر فرمایا کہ اے عمرؓ اسے چھوڑ دے اور عمیر کو پاس بلالیا[1]۔ گو آنحضرتؐ خدائے بزرگ کے قادر دیا وہ ہاتھوں کو اپنے حفظ اور امن کا ذمہ وار سمجھکر ایسے امور کی بہت کم پروا کرتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ اور اُن کے اصحاب کے واسطے آں حضرتؐ کی نسبت ایک ذرا سا خوف کا خیال بھی احتیاط ضروری کرنے کے واسطے کافی تھا۔ خدا کی جس رحمت کو اُنہوں نے اپنی جان و مال اور دنیا کی عزیز سے عزیز چیزوں کے بدلے خرید اتھا اُسکی حفاظت سے بڑھکر کس چیز کا خیال ہو سکتا تھا۔ اسلام کے آسمان کے ہمارے اس بزرگ اور روشن ستارے (حضرت عمرؓ) اور اُس آفتابِ لامتاب حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو روحانی رشتہ اور تعلق تھا وہ تیسرے سال ہجرت (اور ایک روایت میں دوسرے سال) میں ایک جسمانی پیوند سے اور زیادہ مستحکم ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کی بیٹی حفصہ سے جو خنیس بن حذافہ سہمی کی بیوی اور بیوہ ہو گئی تھیں آنحضرتؐ نے نکاح فرمایا۔

ماہ شوال ۳ھ ہجری میں دوسرا مشہور جنگ اُحد مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہوا۔ قریش نے جنگ بدر میں جو شکست پائی تھی اُس کا بدلہ لینے کی آگ اُن کے دلوں میں بھڑک رہی تھی۔ پس ابوسفیان مکہ سے تین ہزار لڑنے والوں کے ساتھ لڑنے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے واسطے روانہ ہوا۔ خلاصہ واقعات کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حملہ کی خبر سُن کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور اُحد کے پاس قیام کیا۔ نہایت سخت لڑائی ہوئی مسلمانوں کی فتح کامل ہونے کو تھی کہ لوگ لوٹنے میں مشغول ہوئے اور فتح کی شکست ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار دانت مبارک پتھر کے صدمہ سے ٹوٹ گئے اور مشہور ہو گیا کہ آنحضرت شہید ہو گئے۔ اسپر بہت لوگ بھاگ نکلے۔ جب معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ صحیح وسالم ہیں تب سب لوگ ایک محفوظ جگہ میں اکٹھے ہو گئے۔ دوسرے دن قریش مکہ نے وہاں سے کوچ کیا اور مکہ کو چلے گئے۔ اور آنحضرت صلعم نے شہدا کو دفن کیا اور مدینہ میں چلے آئے۔

---

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا بروایت عروہ ابن زبیر۔ و مغازی واقدی صفحہ ۹۴۔

اس جنگ میں بھی جو حضرت حمزہؓ اور بہت سے اصحاب رسول اللہ کے شہید ہونے اور مسلمانوں کی شکست ہونے کے سبب سے بدنام ہے حضرت عمرؓ نے کارزار کے سخت معرکہ میں کچھ کم دلیری اور شجاعت نہیں ظاہر کی۔ قریش کی ایک جماعت سے جب وہ پہاڑ پر چڑھکر غلبہ حاصل کرنا چاہتی تھی حضرت عمرؓ نے چند مسلمانوں کے ساتھ بڑھکر نہایت سخت مقابلہ کیا اور لڑکر پہاڑ سے گرادیا[1]۔ اگر لوگ لوٹنے میں مصروف نہ ہوجاتے تو مسلمانوں کی فتح کامل ہوچکی تھی۔ خالد بن ولید نے جب مسلمانوں کو اس طرح مصروف دیکھا تو موقع پاکر اپنے سواروں کے ساتھ پچھلی طرف سے اُن پر آن پڑا اور مسلمان درمیان میں گھر گئے اور لڑائی کی صورت تبدیل ہوگئی[2] آنحضرتؐ کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت عمر سخت زخمی ہوئے[3] مگر اسپر بھی وہ لڑنے اور مقابلہ کرنے میں استوار رہے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو اُن کی کمریں ٹوٹ گئیں اور حضرت عمرؓ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ دل شکستہ اور مایوس ہوکر بیٹھ گئے[4] اور بہت لوگ مدینہ کی طرف بھاگ نکلے۔ لیکن جب اس نامبارک خبر کی غلطی معلوم ہوئی تو خاص اصحاب آنحضرت کے گرد جمع ہوئے اور کفار سے بچانے میں مصروف ہوگئے۔ ابن قمیہ نے قریش میں جاکر مشہور کردیا تھا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرآیا ہوں۔ ابوسفیان اس خبر کی تصدیق کرنے کے واسطے بلندی پر کھڑا ہوگیا اور مسلمانوں کو پکار کر کہا کہ پیغمبر تمہارے زندہ ہیں یا شہید ہوگئے۔ مسلمانوں میں سے کسی نے جواب نہ دیا تو اُس نے پھر کہا کہ ابن قحافہ (حضرت ابوبکرؓ) تم میں ہیں یا نہیں[5]۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو قریش کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا کہ یہ سب مارے گئے اگر کوئی ہوتا تو جواب دیتا اور خوشی میں آکر اپنے بت ھُبل کی ثنا کرنے لگا اور کہا "اعل ھبل (اے ہبل بلند ہوجا) آج بدر کے دن کا بدلا لیا گیا"۔ حضرت عمرؓ سے اب نہ رہا گیا اور آنحضرت کی اجازت سے جو جواب دینے سے روکتے تھے باواز بلند کہا "اللہُ اعلیٰ واجل تم ہمارے واسطے مساوی نہیں ہوسکتے کہ تمہارے قتیل دفخ میں ہیں اور ہمارے جنت میں[6]"۔ حضرت عمرؓ کی آواز سُن کر ابوسفیان کے کان کھڑے ہوگئے اور اُن سے کہا کہ میرے نزدیک آئیے۔ حضرت عمرؓ آں حضرت سے اجازت لیکر نزدیک گئے تو اُس نے آنحضرت کی نسبت دریافت کیا کہ ہم نے کیا اُن کو قتل کردیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ وہ بفضل الٰہی زندہ اور تیری باتیں سُن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا تیرا کہنا درست ہے کیونکہ ابن قمیہ سے تو میرے نزدیک سچا ہے[7]۔ مسلمانوں کا اگرچہ لڑائی میں بہت نقصان ہوا مگر قریش کی جمعیت ابتدا ہی میں ٹوٹ چکی تھی فتح کے بعد بھی وہاں ٹھہرنے کی تاب نہ لاسکے اور مکہ کی طرف

---

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا بروایت ابن اسحاق
[2] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۵۶
[3] مغازی واقدی صفحہ ۲۰۰
[4] مناہج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۸۴
[5] ازالۃ الخفا بروایت ابن اسحاق و مناہج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۸۲ [6] ازالۃ الخفا بروایت ابن اسحاق و مغازی واقدی صفحہ ۲۱۱

کوچ کر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ چلے آئے۔ مسلمانوں کی اس شکست کے سبب سے یہود کو ایک موقع مسلمانوں کو بہکانے کا ملگیا کہ اگر تم مسلمان نہوتے تو یہ تکلیف کیوں اٹھاتے۔ حضرت عمر اسکو سنکر بھڑکے اور آنحضرتؐ سے اجازت چاہی کہ ان یہود و منافقین کو قتل کر ڈالیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسے امر کی کب اجازت دینے لگے تھے ؛

یہودیوں کی ایک قوم بنی نضیر اور آنحضرتؐ کے درمیان باہمی حسن سلوک کا معاہدہ ہو چکا تھا لیکن عبداللہ بن اُبی کی سازشوں سے جو بڑا سخت منافق اور منافقین کا سرگروہ تھا اُن کا دل آں حضرتؐ کی نسبت صاف نہیں تھا۔ بارہا اُن کی مخالفانہ اور منافقانہ حرکات سے اُن کے دل کا بغض اور کینہ ظاہر ہو چکا تھا۔ آخر جب ایک دفعہ آنحضرتؐ اُن کے پاس ایک خاص کام کیواسطے تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے تلے جا بیٹھے۔ بنی نضیر نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایسے وقت میں آنحضرتؐ کو ایک بڑا پتھر دیوار پر سے اُن پر ڈال کر اُن کو مار ڈالا جائے۔ مگر آنحضرت وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ بدارادہ یہودیوں کا پورا نہوا۔ لیکن جب اُن کی دغابازی تحقیق ہو گئی تو آنحضرتؐ نے اُن کی آیندہ شرارتوں سے مامون اور محفوظ رہنے اور اس خدشہ اور خطرہ سے نجات پانے کے واسطے اُن پر چڑھائی کی۔ بنی نضیر نے کچھ عرصہ محصور رہ کر آخر یہ بات ٹھہرالی کہ وہ لوگ مدینہ سے چلے جاوینگے۔ چنانچہ وہ اپنا مال و متاع لیکر مدینہ سے خیبر کو چلے گئے اُن کے املاک اور زمینیں جو وہ چھوڑ گئے آنحضرتؐ نے انصار مدینہ کی رضامندی سے مہاجرین اور محتاج انصار میں تقسیم کر دیں[1]۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو بھی کچھ حصہ اُن کی جائداد کا مل گیا[2]۔ جس سے حضرت عمرؓ اور مہاجرین کی محتاجی جو اپنی تمام قسم کی ضروریات کیواسطے انصار کے دست نگر تھے رفع ہو گئی ؛

ماہ شعبان ۴ھ ہجری میں بنی المصطلق سے لڑائی ہوئی جو ایک قبیلہ عرب کا تھا۔ سبب یہ تھا کہ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حارث بن ابی ضرار نے لڑائی کے ارادے پر لوگوں کو جمع کیا ہے آنحضرتؐ نے اُن کے مقابلہ کیواسطے کوچ کیا اور مریسیع کے مقام پر جو اس نام کے ایک چشمہ کے سبب سے مشہور تھا دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ حضرت عمرؓ مقدمۃ الجیش یعنی فوج ہراول کے سردار تھے ایک بڑی کامیابی اُن کو یہ ہوئی کہ کفار کا ایک جاسوس گرفتار کیا اور اُن کا سب حال اُس سے دریافت کر لیا اور کفار کو ہیبت زدہ کرنے کے واسطے اُسے قتل کر ڈالا۔ خاص لڑائی کے وقت حضرت عمرؓ اس امر کی منادی کرنے پر مامور ہوئے کہ جو شخص اسلام لاویگا اور کلمۂ اسلام کہیگا تعرض سے امن میں رہیگا۔ آخر لڑائی ہو کر بنی مصطلق کو شکست ہوئی اور مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا ؛

---

[1] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۹۳ [2] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۶۶

[3] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء

اس فتح کے بعد چند روز تک مسلمانوں کا لشکر چشمہ مریسیع پر مقیم رہا۔ اسی اثنا میں ایک دن حضرت عمرؓ کے خادم جہجاہ غفاری اور ایک اعرابی یا انصار کے درمیان کچھ تکرار ہوئی۔ جہجاہ نے ایک تھپڑ اسکو مار دیا۔ اس شور و غل کر کے اہل چشمہ کو اپنی امداد کیواسطے جمع کر لیا۔ مہاجرین بھی اکٹھے ہو گئے اور باہم سخت کلامی بلکہ تلواروں پر ہاتھ بڑھانے تک نوبت پہنچ گئی[۵۱]۔ انصار درحقیقت عبداللہ بن اُبیّ کے بھڑکائے ہوئے تھے اپنی غلطی کا اقرار کر کے طالب معافی ہوئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ عبداللہ بن اُبیّ اپنے منافقانہ چلن میں مشہور ہو چکا تھا اور کئی دفعہ مسلمانوں پر سخت سے سخت چوٹیں کر چکا تھا۔ اُحد کے دن تین سو آدمیوں کو بہکا کر آنحضرتؐ کے لشکر سے علیحدہ کر لیگیا تھا اور لشکر کی جمعیت کو ضعیف کر دیا تھا[۵۲]۔ بنی نضیر کو بھڑکا کر مسلمانوں سے لڑا ہی دیا تھا۔ اب بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونے سے اُس کا مطلب غنیمت کے مال کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس خفیف سے تکرار میں جو دو غیر معروف آدمیوں میں ہو پڑا تھا اُسکو انصار کو برانگیختہ کرنے کا موقع مِلگیا۔ اور ذرا سی بات کا طومار عظیم بنا دیا۔ اور انصار کو جوش دلانے کے واسطے یہاں تک کہہ گزرا کہ "یہ مصیبت تم نے آپ ہی غیروں کو بُلا کر اور اپنے شہر میں بسا کر ہم پر ڈالی ہے اب مدینہ میں چلکر جو زبردست ہوگا وہ اپنے سے ضعیف اور ذلیل کو نکال دیگا[۵۳]۔"

زید بن ارقم نے یہ الفاظ اُس کے سُن پائے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیئے حضرت عمرؓ سُن کر جوش میں آ گئے اور اُس منافقین کے سرگروہ کے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر عبداللہ اور دوسرے لوگوں نے عُذر خواہی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معمولی طبع کریم اور رحیم سے اُسکو معاف کر دیا اور حضرت عمرؓ کو اپنے ارادے سے باز رہنے کو فرمایا[۵۴]۔ عبداللہ بن اُبیّ کے بیٹے عبداللہ نے جو راسخ العقیدہ اور صادق الایمان تھا اپنے باپ کو اس حرکت پر ملامت کی اور پھر آنحضرتؐ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ مینے سُنا ہے کہ آپ عبداللہ بن اُبیّ کی شکایت گزرنے پر اُس کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ ارادہ پختہ ہو تو مجھے حکم ہو میں اُس کا سر کاٹ لاؤں۔ کیونکہ خزرج جانتے ہیں کہ اُن میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ سے بھلائی کرنیوالا کوئی نہیں ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اگر میرے سوا کسی دوسرے نے میرے باپ کو قتل کیا تو مجھے اُسکے قاتل کو زندہ دیکھنے کی برداشت نہ ہوگی اور میں ایک کافر کے بدلے کسی مومن کو قتل کرنے سے دوزخ کا مستوجب ہو جاؤں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ہم اُس کے ساتھ احسان کرینگے اور جب تک ہمارے ساتھ

---

۵۱ لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۷
۵۲ سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۵۴
۵۳ سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۱۶۶
۵۴ لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۸
۵۵ ازالۃ الخفا و لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور

رہیگا اُس کی صحبت کو اچھا بھینلے[51] آنحضرت کے اس احسان اور کرم نے خود عبداللہ کی قوم کو اُس سے بدظن اور بدعقیدہ کر دیا اور وہی اُسکو کافی عتاب اور سرزنش کرتے تھے اور بے عزتی اور بے حرمتی سے پیش آتے تھے۔ آنحضرت نے یہ کیفیت سُن کر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ "اے عمرؓ تیری کیا رائے ہے جس روز تو نے اُس کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اگر تو اُسکو قتل کر دیتا تو اِس وقت تجھے کتنا رنج اور پریشانی ہوتی" (یعنی مُسلمانوں کے درمیان فساد ہوتا حالانکہ اسی طرح اُسکو کافی سزا مل گئی ہے) حضرت عمرؓ نے کہا کہ "خدا کی قسم مَیں جانتا ہوں کہ میری بات سے رسول اللہ کی بات بڑی برکت والی ہے[52]" اِسی واقعہ کے بعد سورۂ منافقون مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ ہم اِس قسم کے واقعات سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے ظلِّ رحمت میں حضرت عمرؓ کس طرح تربیت حاصل کر رہے تھے جو آیندہ اسی ذات پاک کی برکتوں کو بہت عرصہ تک دنیا میں بالواسطہ جاری رکھنے کا ذریعہ ہونیوالی تھی ؛

ماہ ذیقعدہ ۵ھ ہجری مقدس میں خندق کی لڑائی ہوئی۔ بنی نضیر کے یہودی جو جلاوطن کیئے گئے تھے بنی وائل کے ساتھ قریش مکہ کے پاس گئے اور اُن کو مدد دینے کا وعدہ کر کے مدینہ پر چڑھا لائے۔ ابوسفیان قریش کا سردار تھا اور بنی غطفان کے لوگ بھی شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کو سُنکر مدینہ سے باہر جاکر لڑنا مناسب نہ سمجھا اور مدینہ کے گرد خندق کھود کر مورچہ بندی کی۔ یہود بنی قریظہ بھی معاہدہ توڑ کر حملہ آوروں کے ساتھ شریک ہو گئے اور مدینہ اور مُسلمانوں کی حالت نہایت خطرناک ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کی مساعی نے بہت کچھ کام دیا۔ خندق کی ایک طرف کی محافظت اُن کے ذمہ تھی۔ خوب جان توڑ کر لڑے اور حفاظت کے اعتبار کا حق ادا کیا۔ بعد ازاں اسی مقام پر اُن کے نام پر وہاں مسجد بنا ہوئی ہے[53]۔ قریش اور کفار اور یہود ایک مہینہ تک محاصرہ کیئے پڑے رہے اور لڑائیاں ہوتی رہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک دن زبیر کی جماعت کے ساتھ کفار پر حملہ کیا اور جماعت کو متفرق کر دیا۔ اگرچہ اِس سخت حملہ سے مسلمانوں کے جاں بر ہونے اور ایک شخص کے بچنے کی بھی توقع نہ تھی مگر مسلمانوں کی جاں بازیوں نے دشمن کو محاصرہ اُٹھا کر ناکام واپس چلے جانے پر مجبور کیا ؛

چھٹے سال ہجرت کے ذیقعدہ مہینہ میں آنحضرتؐ نے مکہ میں جاکر حج و عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا اور بغیر کسی لڑائی کے خیال کے اسباب ضروریات حج و عمرہ ساتھ لیکر مدینہ میں روانہ ہوئے۔ جب آنحضرت صلعم حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریش مکہ کو اندیشہ ہوا اور مکہ میں آنے سے روکا۔ اور دونوں طرف سے پیغام جاری ہوئے۔ پہلا قاصد جو مُسلمانوں کی طرف سے مکہ بھیجا گیا قریش نے اُس کو پکڑ کر نہایت ایذا پہنچائی۔ اور

---

[51] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ولیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور [52] ازالۃ الخفا ولیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۸ ؛ [53] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ؛

آنحضرت ؐ کی سواری کے اُونٹ کو لنگڑا کر دیا بلکہ جان کا اندیشہ ہوا۔ لیکن جب اُن کا پہلا جوش رفع ہو گیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ قریش مکہ کے پاس جا کر اُن کو فہمائش کرو کہ ہم جنگ و پیکار کا ارادہ نہیں رکھتے اور حج و عمرہ ادا کرنے ہیں ہمارے مزاحم نہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آنحضرت ؐ پر بخوبی روشن ہے کہ قریش مجھ سے کس درجہ عداوت اور سخت دشمنی رکھتے ہیں اور مکہ میں بنی عدی (حضرت عمرؓ کا قبیلہ) میں سے کوئی نہیں ہے جو میری حمایت کرے گا۔ پس حضرت عثمانؓ کا بھیجنا مناسب ہوگا کیونکہ اُن کا قبیلہ مکہ میں نہایت قوی اور عزیز و اقارب موجود ہیں جو اُن کو کسی قسم کے تعرض سے محفوظ رکھینگے[۵۲]۔ درحقیقت آنحضرت ؐ نے جو انتخاب حضرت عمرؓ کا فرمایا تھا وہ اغراض سفارت اور پیغام رسانی کو کما حقہٗ اور بوجہ احسن ادا کرنے کے واسطے غالباً سب سے افضل تھا لیکن قریش کی سخت عداوت جو حضرت عمرؓ کے ساتھ تھی وہ اُن کو برانگیختہ کر کے ایک دوسرا مقدمہ درمیان میں کھڑا کر دیتی اور معاملہ درہم برہم ہو کر اصلی مقصود فوت ہو جاتا۔ حضرت عمرؓ کا رُعب جو کچھ اب تھا وہ اُن کی اپنی ذات ہی تک محدود تھا کیونکہ قریش میں بنی عدی میں سے مکہ میں کوئی ذی اثر شخص موجود نہ تھا جو اُن کی حمایت کرتا۔ وہ اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے سے کسی طرح ڈرنے اور ہٹنے والے نہیں تھے۔ مگر کسی نئے تکرار کے کھڑے ہو جانے سے مسلمانوں کے معاملے کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کا قبیلہ یعنی بنی اُمیہ اس وقت مکہ میں سب سے قوی اور زور آور اور ذی رعب تھا پہلے بھی بنی ہاشم کے ساتھ اگر کسی کو ہمسری اور برابری کا دعویٰ تھا تو بنی اُمیہ ہی کو تھا جو اپنے آپ کو بنی ہاشم کا برابر درجہ کا رقیب سمجھتے تھے[۵۳]۔ اور دولت اور اقتدار کے لحاظ سے تو گویا واقعی یہی حال تھا۔ اب بنی ہاشم کی بزرگیاں تو بہت کچھ آنحضرت ؐ کی ذات بابرکات کے ساتھ منتقل ہو گئی تھیں اور بنی اُمیہ ہی کا بول بالا ہو رہا تھا۔ خود ابوسفیان جو ہر امر میں سرگروہ اور سردار تھا حضرت عثمانؓ کا چچیرا بھائی تھا۔ پس اس اعتبار سے اُنہیں کا انتخاب مناسب تھا جس کو آنحضرت ؐ نے بھی پسند فرمایا اور حضرت عثمان رضؓ کو قریش کے پاس بھیجا مگر وہ اُن کی فہمائش پر بھی راضی نہ ہوئے بلکہ اُن کو بھی قید کر لیا۔ اسی اثنار میں یہ خبر مشہور ہوئی اور آنحضرت ؐ تک پہنچی کہ حضرت عثمانؓ کو قریش نے قتل کر ڈالا۔ اسپر آنحضرت ؐ نے لڑنے کا ارادہ کیا اور سب لوگوں سے لڑنے اور مرنے مارنے پر بیعت لی۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی اور بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے مگر بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل ہونے کی خبر غلط تھی۔ اس کے بعد قریش مکہ نے سہیل بن عمرو کو صلح کا پیغام دیکر بھیجا۔ بہت گفت و شنود کے بعد آنحضرت ؐ قریش کی شرائط معاہدہ سے رضامند ہوئے کہ مسلمان اس سال حج و عمرہ نکریں اور واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال حج و عمرہ کرنے آئیں مگر تین روز سے زیادہ

---

۵۱ لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۷۱ ۵۲ لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۷۱۔ منہاج النبوت جلد ۴ صفحہ ۴۲۹۔ مغازی واقدی صفحہ ۳۰۶ ۵۳ دیباچہ لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۲ ؎

مکہ میں نہ ٹھہریں۔ دس برس تک آپس میں لڑائی موقوف رہے۔ اگر کوئی شخص قریش مکہ میں کا بلا اجازت اپنے ولی کے آنحضرت ؐ پاس چلا آئے تو آپ اُسکو قریش مکہ کے پاس بھیجدیں گے۔ اگر آنحضرت ؐ کے ساتھی قریشیوں میں سے کوئی شخص مکہ میں چلا جائے تو اُس کو قریش واپس نہیں دیں گے۔ جب یہ شرائط طے ہوگئیں مگر ابھی عہدنامہ تحریر نہیں ہوا تھا کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے ایسے ضعف اور عاجزی کی شرطیں منظور کر لینے پر غیرت سے طیش کھا کر درمیان سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس جا کر شکایت کی اور کہا کہ کیا آنحضرت ؐ رسول برحق اور ہم مسلمان نہیں ہیں۔ اور کیا یہ مشرک اور کافر نہیں ہیں۔ اُنہوں نے کہا ہاں ہیں۔ تو کہنے لگے کہ پھر ہم کیوں اپنے اور اپنے دین کے واسطے ایسی پستی اور ضعف گوارا کریں۔ پھر آنحضرت ؐ کے پاس جا کر بھی یہی کہا۔ مگر آپ کے سمجھانے سے مان گئے بلکہ آنحضرتؐ کی منشاء کے خلاف۔ چاہنے پر اپنی غلطی کا اقرار کیا اور اس کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا عہد کیا[1]۔ جب عہدنامہ لکھا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمرؓ اور چند اصحاب کے دستخط بطور شہادت کے اُسپر ثبت ہوئے۔ حضرت عمرؓ کو معاہدے کی جو شرط سب سے زیادہ ناپسند تھی وہ یہی تھی کہ مُسلمان قریش کے آدمی کو اُن کے حوالہ کردیں مگر قریش مُسلمانوں کے آدمی کو واپس نہ دیں۔ اس کا ایک اشتعال انگیز نتیجہ جس کی طرف سے وہ ڈرتے تھے اُسی وقت پیدا ہوا کہ سہیل کا بیٹا ابوجندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور اُس کے باپ نے اُسے قید کر رکھا تھا کسی طرح بھاگ کر آنحضرت ؐ کے پاس آپہنچا اور مُسلمانوں سے پناہ طلب کی۔ مگر سہیل نے معاہدہ کی شرائط کی پابندی پر اصرار کیا۔ آنحضرت صلعم تو معاہدہ کی پابندی سے پھرنے والے نہ تھے اور اُسکو اُن کے حوالہ کر کے چلا آنا پڑا۔ حضرت عمرؓ کا دل بہت کڑھا اور وہ خوش ہوتے اگر ابا جندل اُن کی تلوار لیکر اپنے باپ کو قتل کر ڈالتا[2]۔ اسی سفر کی واپسی کے اثنار میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں بیعت رضوان میں شریک ہونیوالوں کے واسطے خوشخبری اور فتح کا مژدہ اور آیۃ سکینہ جو حضرت عمرؓ کے خیالات سے زیادہ متعلق ہونی چاہیئے تھی نازل ہوئی اور حضرت عمرؓ ہی سب سے اوّل اس خوشخبری سے مشرف ہوئے۔ رات کو چلتے میں حضرت عمرؓ نے آنحضرت ؐ سے کسی امر کی نسبت سوال کیا مگر آنحضرت ؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ مکرر سہ کرر سوال کرنے پر بھی آنحضرت ؐ نے کچھ جواب نہ دیا وہ اپنے خدا کے ساتھ مشغول تھے۔ حضرت عمرؓ ڈرے اور متاسف ہوئے کہ آنحضرتؐ کو ناراض نہ کیا ہو۔ اور اپنے اونٹ کو ہانک کر آگے نکل گئے۔ تھوڑی دیر میں پکارے جانے کی آواز سُنی اور آنحضرت ؐ کے پاس آئے۔ آپنے

لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فانزل السكينة عليهم واثابهم فتحا قريبا

---

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا بروایت ابن اسحٰق [2] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا و منہاج النبوت

فرمایا آج رات مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے اور پھر "انا فتحنا لک فتحا مبینا" پڑھا[1] ؛

ماہ جمادی الآخر ۷ھ ہجری مقدس میں خیبر کا مشہور جنگ ہوا جو مدینہ سے آٹھ منزل شام کی طرف ایک مشہور اور نہایت مضبوط اور متعدد قلعوں سے مستحکم شہر تھا۔ اہل خیبر جن میں وہ تمام یہودی جو مدینہ سے جلاوطن ہوئے تھے اور بنی غطفان اور بنی اسد وغیرہ مشہور قبیلہ اُن سے جا ملے تھے اور مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کرتے تھے اپنے مضبوط قلعوں پر نازاں تھے۔ جب اُن کی آمادگی جنگ نے زیادہ شہرت پائی تو آنحضرت صلعم نے اس فساد کو مٹانے کے واسطے خیبر کی طرف کوچ کیا ایک مہینہ تک لڑائی رہی حضرت عمرؓ فوج میمنہ کے سردار تھے[2] کئی چھوٹے چھوٹے قلعے فتح ہو گئے اور بنی غطفان اور بنی اسد اہل خیبر سے جُدا ہو گئے۔ ایک رات کو جب لشکر کی حفاظت اور خبرداری کرنے کی حضرت عمرؓ کی باری تھی وہ ایک یہود کو پکڑ لائے۔ اُس سے آنحضرتؐ نے خیبر کا بہت کچھ حال دریافت کر لیا جو ایک بڑی وجہ حصول فتح کا ہوا[3] سخت سے سخت لڑائیاں ہوئیں۔ حضرت عمرؓ سے کئی دفعہ مقابلہ ہوا مگر مسلمانوں کی کامیابی مشتبہ رہی۔ آخر ایک دن جب حضرت علیؓ لشکر اسلام کے سردار اور علم بردار تھے گھمسان لڑائی ہو کر حصن الوطیح اور حصن السلالم جو نہایت مضبوط قلعے تھے فتح ہو گئے اور یہودیوں نے امن کی درخواست کر کے صلح کر لی ؛

اب ایک بڑا معرکہ فتح مکہ کا پیش آنے والا تھا۔ قریش سے جو حدیبیہ پر صلح ہو کر باہم معاہدہ ہو گیا تھا اُسکو قریش نے توڑ ڈالا اور آنحضرتؐ کے پاس اُن کے خلاف عہد ظلم اور تعدی کی شکایتیں پہنچیں تو آنحضرتؐ نے لشکر کے جمع کرنے کا حکم دیا اور اُن کو اُن کی عہد شکنی کی سزا دینے پر آمادہ ہوئے۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے بلا اجازت آنحضرتؐ کے قریش کو آنحضرت کے اس ارادے کی خبر بھیجی۔ حضرت عمرؓ یہ سُن کر جوش میں آ گئے اور کہا کہ اس نے مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے اور آنحضرت سے اُس کی گردن مارنے کی اجازت چاہی۔ مگر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ اہل بدر سے ہے جن کے واسطے معافی ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے ارادے سے باز رہے۔ ابوسفیان نے آنحضرتؐ کی اس تیاری کی خبر سُن کر عہدنامہ کی تجدید کرنی چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس کے نہایت مخالف[4] تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اس درخواست کو منظور نفرمایا کیونکہ ان کے خلاف عہد ظلم سے درگزر کرنا ناممکن تھا ؛

آں حضرتؐ ماہ رمضان ۸ھ ہجری مقدس میں اپنے لشکر کے ساتھ مکہ کو روانہ ہوئے۔ حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں آنحضرتؐ کو آملے اور دین حق کا اقرار کیا اور اسلام لائے ابوسفیان نے

---

[1] ازالۃ الخفا بروایت ابایعید بن اسلم
[2] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا
[3] ازالۃ الخفا و منہاج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۷۸
[4] ازالۃ الخفا

جب دیکھا کہ قریش پر صرور لشکر کشی ہوگی تو خود آں حضرتؐ کے پاس حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور مسلمانوں کے لشکر کثیر کو دیکھ اور بھی حواس باختہ ہوا۔ مسلمانوں میں کوئی اُس کی شفاعت کی حامی نہیں بھرتا تھا۔ حضرت عباسؓ نے اُسکی سفارش کرنی منظور کی اور آنحضرتؐ کے پاس لیکر چلے۔ حضرت عمرؓ کو اُسے اس حال میں دیکھکر اور وہ تمام ایذائیں جو اُس کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو پہونچی تھیں یاد کرکے طیش آنا ضروری تھا اُسے دیکھکر للکارا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن خدا کا شکر ہے بغیر عہد و پیمان کے تجھپر قابو مل گیا اور بھاگ کر رسول اللہ کی طرف چلے۔ حضرت عباسؓ جو اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں بھی رسول اللہ کی طرف بھاگا اور چونکہ میں خچر پر سوار تھا حضرت عمرؓ سے پہلے پہنچ گیا[1]۔ حضرت عمرؓ جب پہنچے تو کہا کہ یا رسول اللہ آج ابوسفیان پر بغیر کسی عہد و پیمان کے قابو مل گیا ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ اُسکی گردن ماروں[2]۔ میں نے کہا (حضرت عباسؓ کہتے ہیں) یا رسول اللہ میں نے اُسکو امان دی ہے۔ غرض نتیجہ تو یہ ہوا کہ ابوسفیان کچا پکا اسلام کا اقرار کرکے اور اپنی حفاظت اور امن کا اقرار لیکر مکہ کو واپس چلا گیا اور مسلمانوں نے آخر مکہ کو فتح کرکے خدا کے اُس سب سے پہلے گھر کا جس کو دنیا میں سب سے اوّل خدائے واحد کو پہچاننے اور پکارنے والے کے بزرگ اور مقدس اور مبارک ہاتھوں نے بنایا تھا اور جس کے کہ صرف وہی مستحق تھے قبضہ حاصل کرلیا۔ آنحضرتؐ کوہ صفا پر بھی رونق افروز ہوئے اور دعا کے لیئے ہاتھ اُٹھائے اور شکرانۂ نعمت بجالائے اور اُسی جگہ بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں کھڑے تھے اور قریش میں سے جو لوگ بیعت کرنے آتے تھے اُن کو بیعت کراتے تھے۔ اسی طرح مردوں اور بعد ازاں عورتوں نے بیعت کی[3]۔

اسی طرح حضرت عمرؓ اور باقی مشہور لڑائیوں حنین اور طائف اور تبوک وغیرہ میں شریک تھے حنین میں فوج کی ابتری اور پریشانی کے وقت آنحضرتؐ کے پہلو میں ثابت قدم کھڑے تھے۔ تبوک کی لڑائی میں اپنا نصف مال سامان لشکر کے واسطے نذر کیا۔ سریہ ذات السلاسل میں عمرو بن عاص کی امداد کو بھیجے گئے۔ غرض اپنی خدمات میں ممتاز اور جلیل تھے۔ ایک سریہ اُن کے نام سے مشہور ہوا[4]۔ آں حضرتؐ نے بعض دفعہ دوسرے سرداروں مثلاً ابوعبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص حتی کہ اسامہ بن زید کے ساتھ بلکہ ماتحت کرکے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھیجا یا مسلمان مورخ بعض اوقات اسکو تعجب سے دیکھتے ہیں۔ مگر اوّل تو اس سے اُن کی بزرگی اور امتیاز میں کچھ فرق نہیں آتا تھا بلکہ اُن کی تجربہ کاری اور معاملہ فہمی سے فائدہ اُٹھانا مقصود ہوتا تھا اور عجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی خیال ہو کہ جو مساوات اور برابری اسلام نے

---

[1] ازالۃ الخفا
[2] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا
[3] مناہج النبوت صفحہ ۵۸۲
[4] مناہج النبوت صفحہ ۵۲۶

اس نعمت عظمیٰ کے خوش نصیب شرکاء میں قائم کی تھی وہ سب کے دل میں تازہ ہے اور کوئی کسی قسم کا خیال اُس کو اُن کے دلوں سے محو نہ کردے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو مدینہ کے صدقات پر عامل بنا دیا تھا خود اُن سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ نے مجھے عامل مقرر کیا اور مواجب دینا چاہے مگر میں نے عرض کیا کہ مجھ سے جو زیادہ محتاج ہو اُسکو یہ بخشیں[1]۔ درحقیقت حضرت عمرؓ ایک ایسے کام کے واسطے جس میں کچھ سختی اور مضبوطی درکار ہو نہایت ہی موزون تھے۔ زکوٰۃ اور صدقات کا دینا لوگوں کو گراں گزرتا ہی تھا اور وصول کرنے کے واسطے ایک ذی رعب شخص کی ضرورت تھی جو ایک ایسے ضروری کام میں مراعات اور تساہل کو عمل میں نہ لائے۔ حضرت عمرؓ جس مضبوطی کے ساتھ کام کرتے تھے وہ حضرت عباسؓ اور خالد بن ولید اور ابن جمیل کے زکوٰۃ نہ دینے اور آنحضرتؐ کے پاس شکایت گزرنے کے واقعہ سے بخوبی ظاہر ہے۔ خود آنحضرت صلعم فرمایا کرتے تھے کہ "میری اُمت میں سے ابوبکرؓ میری اُمت پر زیادہ مہربان ہے اور اللہ کے کام میں عمرؓ زیادہ قوی ہے[2]۔" درحقیقت یہ حضرت عمرؓ کا ایک مخصوص وصف تھا۔

حضرت عمرؓ کی نسبت اُس زمانہ کے مشہور واقعات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور مصاحبت میں گزرا ہے غالباً ناکافی نہیں لکھے گئے ہیں۔ ان تمام حالات سے صاف طور پر جو کچھ اُن کی نسبت مستنبط ہوتا ہے وہ اُن کی عزت اور رعب اور ہیبت اور شان و شوکت اور جلال۔ شجاعت اور دلیری اور بہادری اور قوت اور توانائی اور مصائب اور تکالیف کے ساتھ صبر اور رضامندی اور اپنے حال پر قناعت اور غیرت اور حمیت اور دین اسلام اور بانئ اسلام کی محبت اور مودت نہیں بلکہ ایک فدائیانہ عشق اور اسلام کی نصرت اور حمایت کا اور خدا کے احکام کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کا جوش اور اسی قسم کے اوصاف اور عادات ہیں اور ان کے ساتھ ہی ایک خاص عادت اور خاصۂ طبیعت وہ سختی اور درشتی ہے جو کسی دوسری خصلت سے کم ممتاز نہیں ہے شاید وہ کسی کو اُن کے تمام قابل رشک اور بینظیر اوصاف سے کچھ جُداگانہ معلوم ہو مگر یہ ایک غلطی کا نتیجہ ہوگا۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہم اس کو سختی اور درشتی کہیں تو ساتھ ہی یہ کہنا پڑے گا کہ وہ انصاف سے متجاوز اور انصاف کے خلاف اور اُن کے مستحکم نتیجے اور اعتقاد اور ضروری مصلحت کے مخالف نہیں تھی تمام واقعات پر غور کرنے سے یہی امر ظاہر ہوگا۔ درحقیقت ہم اُس کو سختی اور درشتی اس واسطے کہتے ہیں کہ اُس کے ساتھ ہی ہماری آنکھوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم اور کرم اور مروت اور کریمانہ رعایت اور بخشش کو پیش کیا جاتا ہے۔ ورنہ بجائے خود وہ رائیں اور ارادے حضرت عمرؓ کے عین انصاف اور عدل ہوتے تھے۔ قیدیان بدر کے قتل کرنے کی جو رائے حضرت عمرؓ نے دی تھی اُسکی نسبت سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "حضرت عمرؓ نے جو مجسم سخت انصاف اور عدل تھے

---

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا [2] ازالۃ الخفا ... تصوف حضرت عمرؓ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے قتل کر دینے کی رائے نہایت اصرار سے دی[1]" وہ ایسے سخت برتاؤ اور سختی کی رائیں جو مبنی بر انصاف ہوتی تھیں اس لیئے دیتے تھے کہ کفار کی جمعیت شکستہ ہو اُن کے دلوں میں اسلام کا رعب اور ہیبت پیدا ہو اور اسلام کی نصرت اور غلبہ ظاہر ہو اور ایسے بدکردار اور ظالم لوگوں کو اُن کی بدی اور شرارت کی جائز سزائیں ملتی دیکھکر دوسرے لوگوں کو عبرت اور نصیحت ہو اور پھر کسی کو ایسے فعل کے کرنے کی جرأت نہ ہو ؛

مسلمانوں کے ساتھ اگر اس قسم کے سلوک کی کوئی مثال ہے تو وہ بھی اُن کے عقیدے کے رُو سے عین مصلحت اور دُور اندیشی پر مبنی ہے۔ مثلاً ابوہریرہؓ کی حدیث کا واقعہ کہ وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک دن آں حضرت صلعم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیان سے اُٹھکر باہر چلے گئے اور آپ کے دیر کرنے سے سب متردد ہوئے اور ابوہریرہ حضرت کو تلاش کرنے نکلے۔ جب آنحضرتؐ ملے تو ابوہریرہ سے کہا جو تجھے اس باغ کے پیچھے ملے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر یقین رکھتا ہو اُسکو بشارت دے کہ وہ جنتی ہے۔ حضرت عمرؓ اُن کو سب سے پہلے ملے اور اُن سے یہ امر بیان کیا۔ اِنہوں نے ایک دو ہتڑ اُن کی چھاتی میں مارا اور لوٹا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور کہا کہ لوگ اِسپر بھروسہ کر کے عمل کرنا چھوڑ دیں گے ؛

اگر یہ روایت صحیح ہے تو مصلحت بینی سے خالی نہیں ہے۔ درحقیقت حضرت عمرؓ کی کسی اس قسم کی رائے کو غیر نظر سے دیکھنا گویا انصاف اور مصلحت بینی پر الزام لگانا ہے۔ علاوہ اس کے ایک بڑی حکمت اور مصلحت اس قسم کی منصفانہ مگر سخت برتاؤ کرنے کی رائیں دینے سے جن پر درحقیقت بہت کم عمل کیا گیا ہے آنحضرت صلعم کی طبع کریم اور رحیم کے سامنے اُس معاملہ کے دوسرے پہلو پر بھی غور کرنے کا موقع ملتا تھا اور اس سے کوئی نقصان نہیں عاید ہوتا تھا۔ خود حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں جو اُن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے زمامِ خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے دن فرمایا یہ کہا کہ "میں سُنتا ہوں کہ لوگ میری شدت سے ہیبت میں آگئے ہیں اور میری سختی سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور ابوبکر کی حکومت میں عمرؓ ہمپر سختی کرتا تھا۔ جس نے یہ کہا سچ کہا۔ میں رسُول اللہ کے ساتھ ایک غلام اور خدمتگار کے مانند تھا۔ اُن کی نرمی اور مہربانی اس درجہ کی تھی کہ اُس صفت میں اُن کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ خدا نے اُنکے ناموں میں اُن کو رؤف اور رحیم بھی نام دیئے تھے۔ اور میں ننگی تلوار کی طرح تھا جس کو وہ درمیان میں رکھتے تھے یا کام میں لاتے تھے[2] الخ" ؛

اگر یہ قول حضرت عمرؓ کا نہ بھی ہو۔ تاہم جس نے کہا ہے بڑی دانشمندی اور معاملہ فہمی اور واقفیت

---

[1] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۴۰ ؛ [2] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا حکایات سیاست فاروق ؛

کہا ہے:

حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے بڑھکر کوئی عمدہ فیصلہ اس بارے میں نہیں ہو سکتا۔ کہ جب انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف سے حضرت عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کے امر میں مشورہ لیا تو انہوں نے اس ارادے کو پسند کرنے کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ کی درشتی طبیعت کی طرف اشارہ کیا جس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ "اس کی سختی اس وجہ سے تھی کہ میں زیادہ نرمی اور رحم کرتا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا ہے کہ جب میں کسی کے ساتھ سختی کرتا تھا تو عمرؓ اس کی سفارش کرتا تھا اور اگر زیادہ نرمی کرنے لگتا تو وہ سختی کی طرف مائل ہوتا تھا۔ جب وہ خود والیٔ امور ہوگا تو اس کی درشتی طبیعت جاتی رہیگی۔"[1]

اور جبکہ ہم حضرت عمرؓ کی خود مختیار خلافت کے زمانہ میں ان کی اس خاص طبیعت اور عادت میں ایک بہت بڑا تغیر اور انقلاب پاتے ہیں تو ان اقوال کی صحت پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتے اگر سچ پوچھو تو حضرت عمرؓ کی نسبت ان کی اس قسم کی طبیعت اور رواؤں کو ایک منصفانہ اور پر مصلحت سختی قرار دینے کیواسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلچسپ اور ناطق فیصلہ کے روبرو کسی بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے جیساکہ قیدیان بدر کے فیصلہ کے موقع پر فرمایا تھا کہ "ابوبکرؓ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسےٰؑ کی مانند ہیں جو رحم کے وکیل تھے اور عمرؓ نوحؑ اور موسیٰؑ سے مشابہ ہیں جو انصاف کے وزیر تھے۔"[2]

بایں ہمہ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی ابتدائی طبیعت کی شہرت اور پچھلے واقعات کے اثر اور حق گوئی سے جسکی نسبت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "عمرؓ کہتا ہے اگرچہ کڑوا ہو اور حق کہنے سے اس کا کوئی دوست نہیں رہتا"[3] ان کا رعب اور خوف اور ہیبت سب کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ایسے موقعوں پر انہیں کو یاد فرماتے تھے اور اس قسم کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً ایک دن امہات المومنین ازواجِ مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی بات پر جھگڑ رہی تھیں اور بلند آواز سے باتیں کر رہی تھیں۔ اسی اثنا میں حضرت عمرؓ آنحضرت صلعم کی طرف گئے اور دروازے پر جاکر اندر آنے کا اذن طلب کیا۔ حضرت عمرؓ کی آواز سن کر سب کی سب بھاگ کر پردے میں چلی گئیں۔ جب حضرت عمرؓ اندر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسکراتے ہوئے پایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خدا ہمیشہ آپ کو ہنستا ہوا رکھے حضور کس بات پر ہنس رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں اس بات پر تعجب سے ہنس رہا ہوں کہ یہ عورتیں میرے سامنے تو شور کر رہی تھیں مگر جب تمہاری آواز سنی تو بھاگ کر پردہ میں چلی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو آواز دیکر کہا کہ اے اپنی دشمنو۔ تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں خوف کرتی ہو

---

[1] الس اوف خلافت مؤلفہ سر ولیم میور ۱۲ [2] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۴۰ و تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ

[3] تحفۃ الموحدین ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہماری حق کے سبب سے تم سے ڈرتی ہیں۔ اور تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے کہ جس راستہ تم جاتے ہو شیطان اُس راستہ سے نہیں گزرتا[۵۱]۔ اسیطرح ایک دن ایک حبشی لڑکی دف لیئے ہوئے آنحضرتؐ کے سامنے آئی اور کہا کہ میں نے منت مانی تھی کہ جب آپ سفر سے مع الخیر واپس آوینگے تو آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی۔ چنانچہ وہ دف بجانے اور گانے لگی۔ اسی اثنار میں حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ آگئے اور وہ بدستور بجاتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عمرؓ آئے تو اُن کو آتا دیکھکر دف کو اپنے نیچے رکھکر ڈر کے مارے خاموش اُس پر بیٹھ گئی۔ آنحضرتؐ نے مسکرا کر فرمایا کہ "اے عمرؓ تجھ سے شیطان بھی ڈرتا ہے[۵۲]" اور بھی اس قسم کے واقعات ہیں کہ مثلاً ایک دن آنحضرتؐ کے مکان کے قریب کچھ شور و غل کی آواز سُنائی دی۔ آپ نے اُدھر دیکھا تو ایک عورت اُچھل کود رہی تھی اور لوگ اُس کے گرد تماشا دیکھنے کو جمع ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یہ تماشا دیکھو اور وہ دیکھنے لگیں اتنے میں کہیں سے حضرت عمرؓ آگئے۔ تماشہ دیکھنے والے سب لوگ اُن کو دیکھکر بھاگ گئے اور حضرت عائشہؓ بھی ہٹ گئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ سے جن اور انس اور شیاطین سب ڈرتے اور بھاگتے ہیں[۵۳]"۔ حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ "حضرت عمرؓ کا شیطان اُن کو خطا کا حکم کرنے سے ڈرتا ہے[۵۴]"۔

اس قسم کے تمام واقعات جو بیان ہوئے ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے ایسی رائیں دی ہیں جن کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل نہیں فرمایا بلکہ رحم اور رعایت کو عمل فرمایا ہے یہی وہ تمام واقعات ہیں جو خصوصیت سے مورخین اور راویوں نے بیان کر دیئے ہیں۔ ورنہ اُس زمانہ دراز کی رفاقت اور مصاحبت میں جبکہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ ہمدم اور ہمساز تھے اور تمام امور اصلاح اُمت اور فلاح مسلمانان اور انتظام دنیا میں صلاح کار اور شریک اور حصہ دار تھے۔ حضرت عمرؓ ایک مشیر باتدبیر اور وزیر دانشمند کے مانند تھے اُن کی رائے سب سے زیادہ صائب ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کی حدیث میں ہے کہ "خدا نے حق کو عمرؓ کے دل اور زبان پر جاری کیا ہے"۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ "عمر میرا مشیر ہے[۵۵]"۔ حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے کہ "عمرؓ اگر کوئی بات کہتے تو قرآن اُس کی تصدیق میں نازل ہوتا[۵۶]"۔ عبداللہ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ "اگر اصحاب رسول اللہ کسی امر میں مختلف الرائے ہوتے اور اختلاف حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوتا تو حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوتا[۵۷]"۔ حضرت علیؓ کا ایک یہ قول بھی

---

۵۱ بخاری۔ مسلم۔ مشکوۃ۔ باب مناقب حضرت عمرؓ
۵۲ ترمذی۔ مشکوۃ
۵۳ ترمذی۔ مشکوۃ
۵۴ ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک حضرت عمرؓ
۵۵ تحفۃ المحبین بروایت ابونعیم
۵۶ ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک
۵۷ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب تصوف وسلوک

تشفی بخش ہوتے ہیں۔ غرض جب حضرت عمرؓ کی اعلیٰ صوابت رائے اور افضل دانشمندی اور عقل اور ذہانت اور حسن قوائے دماغی کا جو بجائے خود ملکۂ نبوت کا ایک جزو ہیں اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اُن کی بہت سی رائیں احکام الٰہی اور منشائے ایزدی کے موافق ہوئی ہیں اور وہ حضرت عمرؓ کی "موافقات" کہلاتی ہیں۔ شمار اُن کا بعضوں نے بیس تک بیان کیا ہے مگر زیادہ مشہور مقام ابراہیمؑ کو مصلّٰے بنانا اور عورتوں کے پردے کا حکم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوتے ہیں[1]۔ قیدیان بدر کے

واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّى واذا سالتموهنّ متاعًا فاسلوهنّ من وراء حجاب

باب میں ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو موافقات میں سے نہیں سمجھتے ؛

عبداللہ بن اُبی بن سلول جو نہایت سخت منافق تھا جب مرگیا تو اُس کے بیٹے نے آنحضرت کو نماز جنازہ پڑھنے کے واسطے کہا۔ حضرت عمرؓ مانع آئے اور کہا کہ ایسے منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیئے آنحضرتؐ نے نہ مانا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں اُچھل پڑا اور اُس کے منافقانہ اقوال اور افعال کو بہت زور سے بیان کیا۔ مگر آنحضرت صلعم نے اسپر بھی مُسکرا کر فرمایا کہ اے عمرؓ ہٹ جا۔ لیکن میں باز نہ آیا۔ آخر آنحضرتؐ نماز جنازہ پڑھنے کو تشریف لے گئے جب واپس آئے تو سورہ براۃ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں[2]۔ ولا تصلّ على احد منهم مات ابدًا ولا تقم على قبره وهم فاسقون ؛

حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں حیران تھا کہ اتنی جرأت اُس روز مجھ میں کیونکر پیدا ہوئی ؛

شراب کی حرمت کا حکم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوا ہے۔ وہ حرمت شراب کے نہایت خواہاں تھے۔ اس کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی یسألونك عن الخمر والميسر۔ الآیۃ۔ تو اسپر بھی اُن کی تشفی نہ ہوئی اور خدا سے دُعا مانگتے رہے کہ خدایا شراب کے بارے میں ہمارے واسطے حکم شافی نازل کر۔ اُس کے بعد یہ آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى الآیۃ نازل ہوئی مگر اسپر بھی حضرت عمرؓ کا اطمینان نہ ہوا اور آخر یہ آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الخمر والميسر (الآیۃ) نازل ہوئی حضرت عمرؓ نے جب سُنی تو کہا کہ خدایا اب ہم اپنے مطلب کو پہنچ گئے۔ اسی طرح اذن لیکر کسی کے گھر میں داخل ہونے کا حکم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوا ہے[3] ؛

جب یہ آیت نازل ہوئی "ولقد خلقنا الانسان من طين" اور حضرت عمرؓ نے سُنی تو اُن کے مونہہ سے یہ نکل گیا "فتبارك الله احسن الخالقين"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر یہی فرمایا کہ

---

[1] ازالۃ الخفا باب موافقات و تاریخ الخلفا سیوطی وغیرہ [2] ازالۃ الخفا باب موافقات

[3] ازالۃ الخفا باب موافقات

"اے عمرؓ تو قرآن میں زیادتی کرتا ہے" مگر اس کے بعد یہی آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح آیت "من کان عدوا لجبریل ومیکال" الخ میں حضرت عمرؓ کے الفاظ کے ساتھ تطابق واقع ہوا۔

اسی سے حضرت علیؓ کہا کرتے تھے کہ "ہم قرآن میں عمرؓ کی رائے سے رائے اور کلام سے کلام پاتے تھے[۵۱]" اسی قسم کی اور روایتیں بھی ہیں جن سے حضرت عمرؓ کی صائب رائے اور پختگی دماغ معلوم ہوتی ہے۔ دنیوی امور میں بھی اُن کی رائے اور اُن کا مشورہ ایسا ہی مفید اور مناسب ہوتا تھا جیسیکہ ایک دن ایک لڑائی کے موقع پر اصحاب رسول اللہ کے پاس کھانے پینے کی اشیاء خرچ ہوگئیں اور جب بھوک سے بیتاب ہوئے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنے اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت مانگی۔ آنحضرتؐ کا ارادہ اجازت دیدینے کا تھا کہ حضرت عمرؓ نے روکا اور کہا کہ یا رسول اللہ اگر ہم اپنی سواریوں کو ذبح کر لینگے تو بھوکے اور اُسپر پیادے دشمن سے کیا لڑینگے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ بعض لوگوں کے پاس کھانے کو بالکل نہیں رہا اور بعض کے پاس تھوڑا بہت موجود ہے۔ سب کو حکم دیا جائے کہ اپنا تھوڑا بہت بچا ہوا کھانا اور پانی لیکر جمع ہوں۔ سب کو ایک جگہ اکٹھا کر کے شریک ہو کر کھالیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا اور حضرت عمرؓ کی یہ تدبیر ایسی کارگر ہوئی کہ کوئی شکایت باقی نہ رہی[۵۲]۔ تمام چھوٹے بڑے امور میں جن میں آنحضرتؐ وحی سے حکم اور ہدایت نہیں پاتے تھے حضرت عمرؓ سے مشورہ کرتے تھے جیسیکہ شام کی لڑائی کی نسبت آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے ایک دن دریافت کیا تھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو تم سے صلاح لینے کی کیوں ضرورت ہوتی[۵۳]" لیکن اگر سچ پوچھو تو حضرت عمرؓ کی روشن خیالی اور خوبی رائے اور پختگی دماغ کے ثبوت میں اس قسم کے دلائل پیش کرنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہے جبکہ خود آنحضرت صلعم کا یہ مبارک قول موجود ہے کہ "دوسری اُمتوں میں محدث ہوتے تھے اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہے تو عمرؓ ہے[۵۴]" اور سب سے بڑھکر آنحضرتؐ کا یہ قول کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر خطابؓ ہوتا[۵۵]" یہی مطلب ایک دلچسپ تعبیر رؤیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کی تعبیر سے بیان فرمایا کہ "سوتے میں میرے پاس ایک دودھ کا پیالہ بھرا ہوا لایا گیا۔ میں نے جب سیر ہو کر پی لیا تو بچا ہوا عمر خطابؓ کو دیدیا[۵۶]"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "ابوبکر اور عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) میرے وزیر ہیں جس امر میں وہ دونوں متفق ہوں گے میں مخالفت نہیں کروں گا"۔

حضرت عمرؓ کو جو قرب اور یگانگت اور بے تکلفی اور محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے ساتھ

---

۵۱ ازالۃ الخفا باب موافقات
۵۲ ازالۃ الخفا باب موافقات
۵۳ دی سراسین مؤلفہ گلین ومناہج النبوت
۵۴ ازالۃ الخفا
۵۵ ترمذی۔ مشکوٰۃ۔ ازالۃ الخفا
۵۶ بخاری۔ مسلم۔ مشکوٰۃ

کرتے تھے کہ میں نے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ نے فلاں کام کیا اور میں نے اور ابوبکر اور عمرؓ نے فلاں کام کیا اور میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ فلاں راستہ گئے اور میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ یہ بات چاہتے ہیں[1]" ایک دن حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ آنحضرتؐ کے سامنے آئے تو دیکھکر فرمانے لگے کہ "یہ دونوں بمنزلہ میری شنوائی اور بینائی کے ہیں[2]"

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف کچھ جسم کھولے ہوئے گھر میں بیٹھے تھے اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آگئے اور اذن حاصل کر کے اسی حال میں چلے آئے اور پھر حضرت عمرؓ آئے اور وہ اسی حالت میں چلے آئے۔ بعدازاں حضرت عثمانؓ آئے تو آنحضرتؐ نے اپنے کپڑے درست کر لیے[3]۔ انس کا قول ہے کہ آنحضرتؐ جب مسجد میں تشریف لاتے تھے تو صحابہؓ میں سے کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ انکی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں مگر ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے تھے اور مسکراتے تھے[4] اور آنحضرتؐ ان دونوں کی طرف دیکھکر مسکراتے تھے۔ وحی کے لکھنے کی سب سے بڑی ذمہ واری کا کام حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ اور علیؓ کرتے تھے[5]۔ باینہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب اور تعظیم اور اطاعت اور فرماں برداری جو اُن کا ایمان تھا اُن کے خمیر میں داخل تھا۔ بارہا حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے ساتھ کسی امر میں اختلاف کرنے پر افسوس سے گھٹنوں بیٹھکے روتے تھے[6]۔ ایک دن جب بنو تمیم نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ اُن پر کوئی سردار مقرر کیا جائے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں انتخاب میں اختلاف ہو گیا اور جھگڑتے ہوئے بلند آواز سے باتیں کرنے لگے۔ اسی پر جب یہ آیت "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ الخ" نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے قسم کھائی کہ آنحضرتؐ سے روبرو کبھی بلند آواز سے باتیں نہ کروں گا[7]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب خاص کی عزت اور امتیاز اور اُن کو ہر وقت اپنے قریب رکھنے کے خیال سے اُن کو باہر کسی مقام پر نہیں بھیجتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے دُور و دراز ممالک میں قاصد بغرض تبلیغ پیغام حق بھیجنے تجویز کیے اور بھیجے تو لوگوں نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کو کیوں نہیں بھیجتے تو آپ نے فرمایا کہ وہ دین کے آنکھ اور کان کے بمنزلہ ہیں اور میں اُن کا اتنا کم محتاج نہیں ہوں کہ علیحدہ کر دوں[8]۔ آنحضرت صلعم کی تکالیف دیکھکر اُن کے دل کراہتے اور پیچ و تاب کھاتے تھے۔ مثلاً ایک دن جب آنحضرتؐ اپنے ازواج مطہرات سے ناراض ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ آنحضرت خوش ہوں

---

[1] بخاری۔ مسلم۔ مشکوٰۃ
[2] ترمذی۔ مشکوٰۃ
[3] مسلم و مشکوٰۃ
[4] ترمذی و مشکوٰۃ
[5] ازالۃ الخفا
[6] ازالۃ الخفا و مناہج النبوت
[7] مناہج النبوت صفحہ ۶۴۲
[8] ازالۃ الخفا

پڑے ہیں اور بوریئے کی تیلیاں جو جو بدن میں چبھی ہیں تو نشان پڑ گئے ہیں۔ پھر جو حضرتؐ کی نگاہ طاقوں پر پڑی تو دیکھا کہ ایک طاق میں کوئی آدھ سیر کے قریب جو ہیں ذرا سا پنیر دھرا ہے اور وہیں پاس پانی کا ایک مشکیزہ لٹک رہا ہے اور یہی کل سامان ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ "یہ تکلیف اور بے سامانی دیکھکر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں بے اختیار رو دیا"[1]

حضرت عمرؓ کی اس سے بڑی خواہش کوئی نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں اُن کے سامنے شہید ہو جائیں۔ اسیوجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو "شہید" سے ملقب اور ممتاز فرمایا تھا اور اکثر شہید کہکر پکارا کرتے تھے۔ مثلاً جب آپ ایک دفعہ پتھر پر کھڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ ساتھ تھے پتھر ہلا تو آپ نے فرمایا کہ مستقل تجھ پر نبیؐ اور صدیق اور شہیدؓ کے سوائے کوئی نہیں۔ اسی قسم کی اور بھی روایتیں ہیں ؛

حضرت عمرؓ اور ایسے ہی حضرت ابوبکرؓ کے فضائل اور مناقب میں بے شمار حدیثیں کتب احادیث میں منقول اور مندرج ہیں مگر ہمکو اکثر اُن میں سے وضعی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً رویا رقلیب کی حدیث وغیرہ بعض میں اُن میں یہ ظاہر کرنا مقصود ہوا ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ کا خلافت کیواسطے حق تھا۔ بعض میں حضرت ابوبکرؓ کا اپنی خلافت میں آں حضرتؐ کی کامل پیروی کے ساتھ عمل کرنا اور پھر حضرت عمرؓ کا اُسی کام کو اُسی طرح بڑے پیمانہ پر کرنا بیان ہوا ہے مگر یقینی یہ حدیثیں اُس وقت وضع کی گئی ہیں جبکہ ان کے ممدوح اور موضوع اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ ہماری رائے میں تو جیسیکہ ہم دیباچہ میں بیان کر چکے ہیں ایسی کوششیں فضول اور بیکار تھیں اور ہم حیران ہیں کہ کیا ضرورت تھی اُن مستغنی الفضائل والمناقب بزرگان دین کی بزرگیاں ایسی صورت میں اور اس طریق سے بیان کرنے کی جو سرتاج اور فخر تھے اُس گروہ اور جماعت کے جن کی نسبت خود خدا نے فرمایا تھا:۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ ؛

اور پھر فرمایا:۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ؛

---

[1] منہاج النبوت وغیرہ

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۔

اور پھر فرمایا :-

(سورہ فتح) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ الخ ۔

(یہ وہ وقت ہے جبکہ مومنین تجھ سے درخت کے نیچے تیری موت پر بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے راضی ہو گیا)

اور پھر فرمایا :- (اس آیت میں حضور پر نور کی بیعت رضوان کا ذکر ہے)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔

(سورہ انفال کے آخر میں مہاجرین اور انصار کی مدح ہے جو بیعت رضوان میں شریک تھے)

غرض جن کی تعریف خود باری تعالیٰ نے فرمائی ہو اور اُن کے فضائل بیان کیے ہوں وہ کسی دوسرے کی حمایت اور سفارش کے کیا محتاج ہو سکتے ہیں؟ آیت مکتوبہ وقت مورد گاہر جواہر دیدنی و اہل بیت زیر بیت احسان ہونا خوب فہمی اور ایں

زعشقِ ناتمام ما جمالِ یار مستغنی است
بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

اب ہم اُس زمانہ کے قریب پہنچتے جاتے ہیں جبکہ وہ آسمان رحمت الٰہی کے آفتاب اور فیض یزدانی کا نشان رحمت اللعالمین (روحی فداک یا رسول اللہ) اس ناپائیدار دنیا سے جسکو اُنہوں نے خداوند کریم کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتوں اور بخششوں سے مالا مال کر دیا تھا رخصت ہونیوالے تھے اور وہ بزرگ ستارے جو اُس آفتاب عالمتاب کی روشنی سے روشن ہوئے تھے اپنی مبارک روشنیوں کے ساتھ اس دنیا میں فیض ربانی کی برکتوں کو جاری رکھنے کے واسطے اکیلے رہجانیوالے تھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں سال ہجرت میں مکہ تشریف لیجانے اور حج ادا کرنے کا ارادہ کیا جو بسبب آخری حج ہونے کے سبب سے حجۃ الوداع کہا جانیوالا تھا۔ حضرت عمرؓ حجۃ الوداع میں موجود تھے اور اُن تمام مواعظ سے فیض یاب ہوئے جو آنحضرت نے اپنی اُس بے نظیر تقریر میں جو دنیا میں یادگار رہے فرمائے۔ حج سے واپس جاکر بہت زمانہ نہ گزرا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑ گئے اور ضعف اور بیماری دن بدن بڑھتی گئی حضرت عمرؓ پاس تھے اور اس کیفیت کو دیکھکر دیوانہ ہوئے جاتے تھے آخر دنیا کیواسطے وہ ماتم کا دن آن پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے سدھارے۔ مدینہ میں وہ قیامت کا دن تھا مگر حضرت عمرؓ کا حال سب سے ابتر تھا۔ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک دیکھکر بھی یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت ؐ انتقال فرماگئے ہیں۔ دیوانہ وار لوگوں میں دوڑتے تھے اور اُن کو بھی اسی بات کا یقین دلاتے تھے کہ حضرت زندہ ہیں مغیرہ جو پاس کھڑا تھا اُس نے حضرت عمرؓ کو اُن کی غلطی کا یقین دلانے کی بیفائدہ کوشش کی۔ اُنہوں نے اُس کو بھی

جب تک کہ ایک منافق اور کافر بھی باقی ہوگا۔ تمام لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سُن کر صحن مسجد میں جمع ہوئے تھے حضرت عمرؓ کی مجنونانہ اور پُرجوش بلند آواز اور کلمات سے اُنہیں کی طرف متوجہ ہوگئے اور اُن کو گھیر کر کھڑے ہوگئے۔ وہ اپنی اُسی دُھن میں ویسی ہی تقریر کرتے گئے اور یہی کہتے گئے کہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں کہ حضرتؐ وفات پاگئے ہیں۔ تم اس پر ہرگز یقین نکرنا۔ حضرت موسیٰؑ کی طرح وہ اپنے خدا کے پاس گئے ہیں اور پھر واپس آئیں گے۔ جو کہیگا کہ وہ فوت ہوگئے ہیں اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائینگے۔ اسی اثنار میں حضرت ابوبکرؓ اس پُرالم خبر کو سُن کر آئے اور حضرت عمرؓ کی مجنونانہ باتیں سُنکر پاس سے گزر گئے اور پھر واپس آکر مسجد میں لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ جہاں حضرت عمرؓ بدستور اپنے جوش اور از خود رفتگی میں لوگوں میں کھڑے ہوئے تقریر کر رہے تھے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اے عمرؓ چُپ ہوجاؤ اور خاموش بیٹھ جاؤ لیکن حضرت عمرؓ نے اس ممانعت کی بھی کچھ پروا نکی اور اپنی وُہی باتیں کرتے رہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجمع کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے ہیں اور خدا نے کیا اُن کو نہیں فرمایا تھا کہ "انک میت وانھم میتون" اور فرمایا "ما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افائن مت فھم الخالدون" اور پھر یہ آیت پڑھی "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم الخ تا انک میت وانھم میتون"

قرآن کے الفاظ کے حضرت عمرؓ کے کانوں پر پڑنے سے گویا وہ نیند اور بیہوشی سے بیدار ہوگئے اُن کا اپنا قول ہے کہ "جب یہ آیات میں نے حضرت ابوبکرؓ سے سُنیں مجھ پر ہیبت طاری ہوئی اور اعضا پر لرزہ پڑ گیا۔ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات پانے کا یقین ہوگیا اور میں گر گیا"

تیسرا باب

خلافت کے واسطے حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب۔ اندرونی خطرناک بغاوتیں۔ خلافت میں حضرت عمرؓ کا دخل۔ آغاز فتوحات

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آنحضرتؐ کی تدفین اور تکفین کی فکر میں تھے اور اُس المناک جدائی کے صدمہ کو ایک دو ہی گھنٹے گزرے تھے اور اُس ماتمی دن کی ابھی شام بھی نہ ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ جو کہ بقول سر ولیم میور کے "یہی دو شخص تھے جن پر اسلام کی آیندہ قسمت کا مدار اور انحصار تھا"[1] وہیں مسجد میں موجود تھے جبکہ ایک شخص بھاگا ہوا اُن کے پاس آیا اور آکر خبر دی کہ اعیان مدینہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ اپنے میں سے ایک شخص کو اپنے لیئے سردار منتخب کریں۔ درحقیقت مدینہ میں جو منافقانہ عنصر موجود تھا اُس نے قومی مساوات اور رقیبانہ حقوق کی آڑ میں اہل مدینہ کو اتنی جلدی اس امر پر برانگیختہ کردیا کہ اپنے میں سے ایک سردار اپنے واسطے منتخب کریں اور قریش اور مہاجرین اہل مکہ کے بار حکومت کو اپنے کندھوں سے اُتار دیں اور سعد بن عبادہ کو جو بنی خزرج کا سرگروہ تھا اُنہوں نے موسوم بھی کردیا تھا۔ بقول سر ولیم میور کے "وقت نازک تھا اور اسلام کا آیندہ اتفاق و اتحاد معرض خوف و خطر میں تھا"[2] حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس خبر کو سُن کر ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور موقع پر پوچھنے کے واسطے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک تیسرا رفیق عبیدہ بن جراح راستہ میں اُن کے ساتھ ہولیا۔ انصار میں سے دو شخص جو اُسی مجمع میں سے آرہے تھے راستہ میں اِن اصحاب ثلثہ کو ملے اور دوستانہ طریق سے اُن کو اُس خطرے

---

[1] کتاب اُنلس اوف ارلی خلافت (مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲)

[2] اُنلس اوف ارلی خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳

کی طرف جسمیں وہ اپنے آپ کو ڈال رہے تھے مطلع کیا۔ مگر اُس بھاری خوف کے مقابلہ میں ایسے خطرے کا خیال اُن کو روک نہیں سکتا تھا۔ انصار نے ابھی سعد کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی کہ یہ تینوں اصحاب ثقیفہ میں پہنچ گئے[1] جب انصار نے اُن کو دیکھا تو کہنے لگے کہ تم مہاجر ہو اور تمہارا بڑا فخر ہے۔ لیکن ہم نے بھی بہت رنج اُٹھایا ہے اور چاہتے ہیں کہ اپنے میں سے ایک امیر مقرر کریں[2]۔ حضرت عمرؓ جن کا چند ساعت پہلے کا جوش بھی ابھی کم نہیں ہوا چاہتے تھے کہ اس کے جواب میں تقریر کرنے کو کھڑے ہوں مگر حضرت ابوبکرؓ نے اُن کی تُند مزاجی اور سخت گوئی سے ڈر کر اُن کو روکدیا اور خود تقریر کرنی شروع کی اور نہایت متانت اور سنجیدگی سے کہا کہ ہر ایک لفظ جو انصار نے اپنی تعریف میں کہا ہے وہ درست اور صحیح ہے لیکن نسبی شرافت اور رُعب و دبدبہ میں قریش سب سے افضل ہیں اور سوائے اُن کے عرب کسی کی اطاعت میں سر نہ جھکائے گا۔ اسپر انصار نے کہا کہ اچھا یوں ہونے دو کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ دُور ہو۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ دو امیر ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ انصار اور سعد کی طرف سے جناب مباحثہ کرنے کھڑا ہو گیا اور رنج اور غُصّہ کے الفاظ زبان پر آنے لگے حضرت عمرؓ اُس سے خفا ہوئے اور کہا کہ خدا تجھے غارت کرے۔ اُس نے بھی ایسے ہی الفاظ کہے۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرائے کہ اس غصّہ اور غضب سے معاملہ دگرگوں نہ ہو جائے اور آگے بڑھکر انصار کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ یہ دو آدمی تمہارے سامنے کھڑے ہیں (حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہ کی طرف اشارہ کیا) ان دونوں میں سے جس کو تم چاہتے ہو منتخب کر لو اور اُس کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ حضرت عمرؓ نے نہایت بلند آواز سے جس سے تمام مجلس گونج اُٹھی کہا کہ نہیں۔ رسول اللہ تمہارے لیئے پہلے ہی سے امامت کا حکم دیچکے ہیں تو ہی ہمارا امیر ہے اور مجھ سے افضل ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسکے جواب میں کہا کہ "تو مجھ سے زیادہ قوی ہے"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ "تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خیر النّاس یعنی سب آدمیوں سے بہتر ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا ہے کہ عمرؓ سے اچھے کسی شخص پر آفتاب نہیں طلوع ہوا[3]۔ مگر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ لیکر اُسپر بیعت کی۔ اُن کی بلند آواز نے مُسلمانوں کے دلوں کو گویا ہلا دیا تھا[4]۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے فضائل یاد دلا دیئے تھے۔ اب اُن میں بھی ایک جنبش پیدا ہوئی اور بیعت کرنے کے واسطے بڑھنے لگے[5]۔ حباب نے بنی خزرج کو برگشتہ کرنے کی پھر کوشش کی مگر بنی اوس کے بیعت کر لینے سے بنی خزرج بھی اُنکی تقلید کر لینے پر مجبور ہوئے اور وہ پُر خطر ہنگامہ فرو ہو گیا۔

---

[1] اُنلس اوف ارلی خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۴ و کتاب راٹیز نیڈ ڈی کلاین اوف خلافت (خلافت کا عروج اور زوال) مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲ ۔

[2] تاریخ طبری فارسی نسخہ ۴۲۵ ۔

[3] اُنلس اوف ارلی خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۴ و ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب ماثر حضرت صدیق ؓ

[4] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۴

[5] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۴

اسی اثنار میں آنحضرتؐ کے غسل اور تکفین سے فراغت ہو چکی تھی اور رات کے وقت ہی دفن کے کاموں پر پردہ ڈال دیا۔ اگلے دن صبح کو جب لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اُن کی ملاقات کیواسطے نکلے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر اُس عظیم مجمع کو خطاب کیا اور کہا کہ اے لوگو کل جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ صحیح نہیں تھا اور وہ خدا کی کتاب اور اُسکے وعدہ کے خلاف تھا۔ میں تو اپنی اِس خواہش کے خیال سے کہتا تھا کہ پیغمبر خدا ابھی اور زیادہ دنوں تک ہم میں رہتے اور اپنی زبان مبارک سے ہمکو نصیحت اور ہدایت کرتے لیکن خدا نے اُن کو ہمارے پاس سے اپنے پاس بلا لینا پسند کیا ہے۔ مگر خدا کا کلام جو خدا نے ہماری ہدایت کیواسطے اپنے رسولؐ کو بخشا ہے وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اُسپر عمل کرو اُسکو اپنا ہادی بناؤ اور تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اور اَب خدا نے تمہارے امور کے انتظام کو اُس شخص کے ہاتھوں میں سپرد کیا ہے جو ہم سب سے افضل اور بہتر ہے۔ جو خدا کے رسولؐ کا رفیق اور اُس وقت کا جبکہ وہ غار میں تھے ایک ہی ساتھی ہے۔ اُٹھو اور اُسکے ہاتھ پر بیعت کرو[1]۔ پس لوگ سب طرف سے آئینگے اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر عوام النّاس نے بروز سہ شنبہ چودھویں ربیع الاوّل ۱۱ھ ہجری مقدس مطابق ۹۔ جون ۶۳۲ء کو بیعت کی۔ بنی خزرج میں سے سعد نے بیعت نہیں کی تھی اور قریش میں سے حضرت علی علیہ السّلام نے تامل سے بیعت کی۔ بعض کہتے ہیں چالیس روز بعد اور بقول بعض چھ ماہ بعد اور یہی عام روایت ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی وفات پر جو آنحضرتؐ سے چھ ماہ بعد واقع ہوئی۔ حضرت علیؑ نے دل سے بیعت کا اظہار کیا۔ سر ولیم میور اِس روایت کو محض بے بنیاد خیال کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کے بیعت نہ کرنے پر اُن کے مکان کو آگ لگا دینے کی دھمکی دی ہو اور اسیطرح طلحہ اور زبیر کے بیعت نہ کرنے کی روایت کو نہیں مانتے ہیں[2]۔

آنحضرتؐ کی تدفین مبارک سے فارغ ہو کر جس موقع پر کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے نہایت پُر درد جوش کے ساتھ دُعائیہ کلمات[3] کہے سب سے پہلے جس کام کا حضرت ابوبکرؓ کو خیال آیا وہ اسامہ بن زید کو سرحد شام پر اُس غزوہ کے واسطے بھیجنے کا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے آخر وقت میں تجویز ہوا تھا اور جملہ اصحاب کو یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی اس کے ساتھ جانے کا حکم ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے دوسرے روز علم اُٹھایا اور اسامہ کے ہاتھ میں دیا اور لوگوں کو اُسی طرح اُس کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ مدینہ کو چاروں طرف سے خطرات دھمکیاں دے رہے تھے اور ایسے وقت میں اپنی تمام قوت کو شہر سے جُدا کر دینا اور دور بھیج دینا اور شہر کو بے پناہ چھوڑ دینا نہایت پُر خطر تھا اور اسامہ کے زیر حکم جنگ کرنا بھی لوگوں کو ناگوار تھا۔ لشکر جمع ہو کر تیار ہو گیا مگر حضرت عمرؓ کو اُنہوں نے کہا کہ ایسے نازک وقت کے اندیشہ اور ہمارے عذرات کو حضرت ابوبکرؓ کے سامنے

---

[1] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۵ [2] اُنس اوف ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۶

[3] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۱۸

پیش کرے اس ارادہ سے باز رہنے کی ان کو ترغیب دیں۔ حضرت عمرؓ نے بہت اصرار سے کہا مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہ مانا۔ خطرے کے خیال اور اسامہ کی سرداری کے عذرات کا ایک ہی جواب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز کے سامنے وہ کچھ نہ سُنیں۔ لشکر نے کوچ کیا۔ حضرت عمرؓ بھی اُس میں شریک تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو کم سے کم اُن کا اپنے سے علیحدہ کرنا گراں گزرا۔ وہ بھی لشکر کو وداع کرنے ساتھ جا رہے تھے اُسامہ سے کہا کہ "اگر تمہاری رضا ہو تو عمرؓ میرے ساتھ شہر کو لوٹ جائیں تاکہ اُن سے قوت اور مشورہ حاصل کروں[1]۔ اسامہ نے اجازت دیدی ؛

مدینہ کے لیئے جو ایک بڑا خطرہ باقی تھا اُس کا وقت آن پہنچا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بدکاروں نے پیغمبری کا دعویٰ کرنے کا ایک نیا شوشہ نکال لیا تھا۔ اسود بن عیسیٰ کی اس بدکاری کی سزا نے ابھی یمن کے ہنگامہ کو فرو نہیں کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر نے ایسے مفسدوں کو اور زیادہ گرم کر دیا۔ مسیلمہ کذاب اور طلیحہ دو قوی غنیم اور کھلم کھلے مخالف تھے۔ باقی عرب بگڑ بیٹھنے کیواسطے زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے کا بہانہ ڈھونڈھ رہا تھا ؛

عمالِ صدقات و زکوٰۃ خوف کے مارے بھاگے آتے تھے اور غدر اور بغاوت کی متوحش خبریں لا رہے تھے ؛

عمرو بن العاص نے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے جہاں سے مختلف اطراف کی طرف قاصد بھیجے تھے عمان کی طرف بھیجا تھا واپس آکر تمام وسط عرب کے بغاوت اور زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے پر آمادہ ہونے کی خبریں سُنا کر اور بھی متردد اور پریشان کر دیا۔ عمرو بن العاص مدینہ پہنچکر اپنے دوستوں کی ایک جماعت میں یہ دل شکن اور ہوش رُبا حالات بیان کر رہے تھے کہ حضرت عمرؓ آن پہنچے۔ اُن کے آنے پر سب خاموش ہو گئے۔ مگر حضرت عمرؓ تاڑ گئے اور کہنے لگے کہ "میں خیال کرتا ہوں کہ تم اعراب کی طرف سے جو خطرہ ہو گیا ہے اُس کا ذکر کر رہے تھے"۔ جب اُنہوں نے اقرار کیا کہ ہاں یہی ذکر کر رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے اُن کو قسم دی کہ ان خبروں کو مشہور کر کے لوگوں کو بددل نہ کریں اُن کے بھی دل بڑھائے اور کہا کہ "تم اس کا کچھ خوف مت کرو۔ واللہ میں اُس سے نہیں ڈرتا ہوں جو تم عربوں کے ہاتھ سے اُٹھاؤ گے بلکہ اُس سے ڈرتا ہوں جو اعراب تمہارے ہاتھ سے اُٹھائینگے۔ اگر قریش کی جماعت تنہا ایک غار میں بھی گھسے گی تو اعرابی وہاں بھی اُن کی پیروی کرینگے اور پیچھے چلینگے۔ وہ ایک کم حیثیت بھیڑ ہے پس تم خدا سے ڈرو اور اُن کے خوف کو دل میں جگہ نہ دو[2] ؛

اب اِن شورشوں اور ہنگاموں کی خبریں پے در پے مدینہ پہنچنے لگیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو گو اسامہ کو تمام لشکر کے ساتھ باہر بھیجدینے کا افسوس ہوتا ہو مگر اسکو اُنہوں نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور بڑی ثابت قدمی سے

---

[1] اُنلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۹ [2] اُنلس اوف ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۱۲ ؛

پہنچا۔ باغیوں نے حضرت ابوبکرؓ سے زکوٰۃ معاف کر دینے کی درخواست مان لینے پر صلح کرنی چاہی مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت درشتی سے اس کا جواب دیا۔ اعراب اس موقع پر شہر کی کمزوری کو تاڑ گئے اور اُن کا حوصلہ اَور بھی بڑھ گیا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے بھی خاص اصحاب کی مدد سے کوئی دقیقہ احتیاط اور حفاظت کا باقی نہ چھوڑا۔ شہر کے لوگوں کو ہر وقت مسلح رہنے اور پھرنے کا حکم دیا۔ پہلے دن کی لڑائی میں تو کچھ فیصلہ نہ ہوا بلکہ مسلمانوں کو کامیاب ہو کر پھر ہٹ جانا پڑا۔ دوسرے روز حضرت ابوبکرؓ خود مقابلہ کو نکلے اور اس خطرے سے کامل نجات پا کر شہر کو لوٹے۔ اقوام عرب پر اس فتح کا عمدہ اثر ہوا اور اُسامہ بھی لشکر کے ساتھ مدینہ میں واپس پہنچ گئے۔ اب کو شہر کی حفاظت پر چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ دوبارہ فوج لیکر ان باغی اقوام کو جو کچھ دُور جا پڑی تھیں بھگانے اور منتشر کرنے کے واسطے خود نکل کھڑے ہوئے اور اُن کو اور اُن کی جمعیت کو شکستہ کر کے واپس آئے۔ باغی اقوام طلیحہ کے ساتھ جا کر ملگئیں اور مسیلمہ کی قسمت میں اسلامی دنیا کے اُس بے نظیر سپہ سالار خالدؓ "سیف اللہ" کے قوی اور زبردست اور ہیبت ناک ہاتھوں سے سزا پانا لکھا تھا وہ اپنے کردار کی سزا کو پہنچے اور باقی بغاوتیں بھی دوسرے دلیر اور بہادر سرداران اسلام کے ہاتھوں فرو ہو گئیں اور ملک میں امن قائم ہو گیا۔ ان واقعات میں سے مالک بن نویرہ کا واقعہ بیان کرنے کے لائق ہے مالک قبیلۂ بنی تمیم کا رئیس تھا۔ زکوٰۃ دینے سے انکار کر کے آمادۂ پیکار ہو گیا تھا۔ خالد بنی اسد اور دوسرے قبائل کو مغلوب کر کے بنی تمیم کی طرف بڑھا۔ اکثر قبائل نے آکر اطاعت قبول کر لی۔ مالک نے اپنی کمزوری معلوم کر لی تھی اور سجاجہ کے علیحدہ ہو جانے سے جو ایک مشہور عورت پیغمبری کی مدعیہ اور لشکر کثیر کے ساتھ مالک کے ساتھ شریک تھی اور اب مسیلمہ کذاب سے شادی کر کے اُسکے ساتھ جا ملی تھی مالک کا دل چھوٹ گیا اور اطاعت کر لینے کے سوائے کوئی چارہ نہ دیکھا۔ اُسکے اطوار مخالفانہ نہ رہے تھے مگر خالد اُس کی طرف بڑھا جا رہا تھا گو حضرت ابوبکرؓ کا کوئی حکم صریح اس بارے میں نہ تھا اور اسی سبب سے انصار اس حملہ سے متفق نہ تھے۔ غرض خالد کے پہنچتے ہی مالک کی جمعیت شکستہ ہو گئی اور مالک اپنی بیوی اور چند آدمیوں کے ساتھ آسانی سے گرفتار کر کے مسلمانوں کے لشکر میں لایا گیا۔ اُس نے اقرار کیا کہ میں مسلمان ہوں مگر اثنار گفتگو میں خالد کے سلوک کی نسبت اُس کے منہ سے نکل گیا کہ تمہارے صاحب (آنحضرتؐ سے مراد ہے) نے کبھی ایسا حکم نہیں دیا تھا۔"

خالد نے بھڑک کر جواب دیا کہ "وہ ہمارے صاحب تھے اور تیرے صاحب نہ تھے۔" بعض مورخین کے مطابق یہ ہے کہ اُسی وقت خالد کے اشارے سے ضرار نے مالک کی گردن اُڑا دی[1] اور بعض کا قول ہے کہ صبح تک اُن کو مہلت دی گئی اور حفاظت میں رکھے گئے۔ سردی کی رات تھی خالد نے حکم دیا کہ "اُن کو کپڑے

---

[1] طبری فارسی نسخہ صفحہ ۴۴۴۔ ہسٹری اوف سرسینس مؤلفہ اوکلی ؛

یہ لوگ تھے سب کو مع مالک کے تہ تیغ کردیا۔ خالد شور و غل سُن کر وہاں پُہنچا مگر اُن کا کام تمام ہو چکا تھا اُسنے سوائے اِس کے کُچھ نہ کہا کہ "خدا کی مرضی کو کون روک سکتا ہے[1]" مالک کی بیوی لیلی نہایت حسین اور جمیلہ عورت تھی خالد نے وہیں اس سے نکاح کرلیا۔ یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ خلیفہ وقت کے سامنے پیش نہ ہوتا۔ ابو قتادہ انصاری جس نے خالد کے روبرو بھی نہایت سختی سے مزاحمت اور شکایت کی تھی مالک کے بھائی متمم کو لیکر مدینہ پہونچا اور حضرت عمرؓ کے روبرو قسم کھائی کہ مالک مُسلمان تھا اور اُسکے لشکر میں سے اذان کی آواز سُنی گئی تھی اور زکوٰۃ دینے کو آمادہ تھا (حضرت ابوبکرؓ نے یہی نشان مسلمان کا مقرر کیا تھا) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا اور اُنکی قطعی رائے یہ تھی کہ خالد نے ایک مُسلمان کا ناحق خون کیا ہے اور اُس سے اِس خون کا بدلہ لیا جانا چاہیئے مگر حضرت ابابکرؓ "سیف اللہ" کو نیام میں کرنے کی جُرأت نہیں کرسکتے تھے۔ تاہم خالد طلب ہوا اور مدینہ میں پُہنچکر سیدھا مسجد کی طرف حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلا۔ حضرت عمرؓ اُسکو دیکھکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُس کا گریبان پکڑ لیا اور کہا کہ اے دشمن خدا تو نے کیوں ایک مسلمان کو قتل کیا اور اُسکی عورت سے نکاح کرلیا۔ خالد کا جواب خاموشی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پُہنچکر اُس نے تمام واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کا اطمینان ہوگیا اور سوائے اسکے کہ مالک کی عورت کو میدانِ جنگ ہی میں نکاح کرلینے پر ملامت کی اور کچھ کہنا پسند نہ کیا۔ خالد کے لوٹتے ہوئے اُسکے متکبرانہ کردار سے حضرت عمرؓ نے معلوم کرلیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اُس کا عذر تسلیم کرلیا ہے متمم اپنے دعویٰ پر اڑا رہا اور اپنے بھائی کے واقعہ کو نہایت دردناک اشعار میں نظم کرکے سُناتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کبھی خالد کی بیگناہی کو نہ مانا اور اِس بات پر اصرار کرتے رہے کہ لشکر کی سرداری سے اُسکو معزول کردیا جائے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ ہمیشہ یہی جواب دیتے تھے کہ خالد کے حکم کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے سیف اللہ بے گناہ ہے۔

مالک کا واقعہ نہ شاعروں کی قلم نے چھوڑا ہے نہ مورخوں کی نگاہ نے۔ بعض نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ مالک نے اپنے قتل کا حکم پاکر خالد کی نگاہوں اور اپنی بیوی کے حُسن و جمال کیطرف دیکھا تو کہا کہ میری موت کا بھید اِس میں ہے۔ اِس کا حُسن میری جان لے رہا ہے۔ خالد نے کہا کہ نہیں تیرا کفر تیری جان کا دشمن ہے۔ گو اِس قسم کی روایتیں صحیح نہ ہوں مگر خالد کے مالک کی عورت سے اُسی وقت نکاح کرلینے سے اُس کے قتل بے گناہ پر ایک ایسا قوی شُبہ پیدا ہوتا ہے کہ مٹائے سے نہیں مٹ سکتا۔ کم سے کم ایسی بیدردی سے اس قسم کے آشوب ناک واقعات کے درمیان میں نکاح کا خیال کرنا ایک مسلمان سپہ سالار کے وقار اور روش کے خلاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے جو ابتدا میں خالد کو معزول کرنے کی نسبت قایم ہوچکی تھی

---

[1] اُنلس آف اسلامی خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۴۔

آخر تک ویسی ہی رہی ؛

یمامہ کی لڑائی میں جو اس واقعہ کے بعد خالد اور مسیلمہ کذاب کے درمیان ہوئی تھی مسلمانوں کو اگرچہ مسیلمہ کی چالیس ہزار مضبوط فوج پر فتح حاصل ہوئی اور اس فتنۂ عظیم کے فرو کرنے میں کامیابی ہوئی مگر اسقدر نقصان اُٹھانا پڑا کہ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ سب سے پہلا اتنا بڑا خونخوار حادثہ تھا۔ بارہ سو جانوں کا نقصان ہوا۔ جن میں تین سو ساٹھ مہاجرین اور تین سو انصار تھے۔ خاص اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جنہوں نے شربت اجل یا اُنکی تعداد چالیس سے کم نہ تھی۔ زید بن خطاب حضرت عمرؓ کے بھائی اور ابو حذیفہ انہیں اصحاب میں تھے۔ زید نے اگرچہ بہت بہادری دکھا کر جان دی اور مسلمانوں کی فتح میں اُن کا کچھ کم حصہ نہ تھا مگر حضرت عمرؓ کو نہایت رنج ہوا۔ مدینہ میں کوئی گھر نہ تھا جس سے رونے کی آواز نہ آتی ہو۔ مگر خالد نے اس میدانِ جنگ کو بھی اپنی عروسی اور نکاح کی یادگار بنانے میں تامل نہ کیا۔ فجاعہ ایک سردار بنی حنیف کا جو خالد نے پکڑ رکھا تھا اُسکو کہا کہ اپنی بیٹی مجھے نکاح میں دیدے۔ اُس نے کہا صبر کر۔ ایسی جلدی کرنے سے میری اور خلیفۂ وقت کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔ مگر خالد نے اُسکو مجبور کیا اور اُس نے ناچار نکاح کر دیا[۵۱]۔ ایک روایت میں ہے کہ خالد نے ہزار درہم کا بین دیا اور اُس وقت تک غنیمت تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ خالد کی عروسی کی رات تھی مگر لشکر میں بہت آدمی بھوکے سوئے ہوئے تھے۔ زیاد بن عمرو نے تین شعر لکھکر اسی شکایت میں حضرت عمرؓ کے پاس بھیجے جو حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پڑھے گئے[۵۲]۔ گو یہ روایت اس درجہ تک صحیح نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی خالد کی اس بے اعتدالی کو تسلیم کیا اور نہایت رنج اور غصہ سے خالد کو نامہ لکھا جس کے حرفوں سے خون ٹپکتا تھا۔ اُس میں لکھا کہ تجھے اتنی فراغت ہے کہ اسطرح عروسی کرے اور بیت المال میں فساد کرے۔ بارہ سو مسلمانوں کا خون تیرے سامنے گرا ہے جو ابتک خشک نہیں ہوا ہے۔ خالد پر جو اس نامہ کا اثر ہوا وہ اسیقدر تھا کہ اُس نے کہا کہ "یہ عمرؓ کا کام[۵۳] ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ آمادہ ہو گئے تھے کہ خالد کو معزول کر کے واپس بلا لیں مگر کسی مصلحت سے وہ اپنے ارادہ کو پورا نکر سکے ؛

حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عمرؓ صرف اُن کے مشیر اور صلاح کار ہی نہیں تھے بلکہ خلافہ کے ساتھ امور خلافت کے انجام دینے میں شریک مساوی تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابوبکرؓ برائے نام خلافت کرتے تھے اور درحقیقت تمام کام کو حضرت عمرؓ ہی انجام دیتے تھے تاہم غلط نہ ہوگا۔ سر سید احمد خاں صاحب کا قول ہے کہ "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانۂ خلافت تو شمار نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ درحقیقت وہ زمانہ بھی حضرت عمرؓ ہی کی خلافت کا تھا اور وہی بالکل دخیل اور منتظم تھے"[۵۴] ؛

سر ولیم میور کا قول ہے کہ "حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ کے مشورہ اور صلاح پر اسقدر بھروسا اور اعتماد

---

۵۱ اُنلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۴۶ ۵۲ طبری فارسی نسخہ

۵۳ طبری فارسی نسخہ ۵۴ تصانیف احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۴۷ ؛

تھا اور اُن کا فیصلہ (سوائے چند خاص مثالوں کے) اُن کے نزدیک اتنا وزن رکھتا تھا کہ اُن کو خلافت اور حکومت میں شریک کہا جا سکتا ہے[۵۱]"

اِن اقوال کی تشریح ایک واقعہ سے بخوبی ہو سکتی ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ اُن میں موجود نہ تھے۔ عتبہ بن حصین اور اقرع بن حابس دو شخص حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہمارے مسکن کے قریب کچھ بنجر اور ناقابل زراعت زمین پڑی ہے ہم چاہتے ہیں کہ اُس میں تردد کر کے زراعت کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ہمجلیس اصحاب سے مشورہ کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ پس اُن کو ایک سند اِس مضمون کی دیدی گئی جس پر اصحاب موجودہ میں سے کئی آدمیوں کی تصدیق اور دستخط ثبت ہوئے۔ حضرت عمرؓ چونکہ وہاں موجود نہ تھے اور اُن کے دستخط کرانا ضروری تھے وہ اُس کاغذ کو لیکر حضرت عمرؓ کی طرف گئے۔ حضرت عمرؓ اُس وقت اُونٹوں کو تیل مل رہے تھے۔ اُنہوں نے جب جا کر کیفیت بیان کی تو کہا ذرا صبر کرو مَیں فارغ ہو کر پڑھوں گا اور اگر جلدی ہے تو تم پڑھکر سُنا دو۔ اُنہوں نے پڑھا۔ حضرت عمرؓ نے سُن کر کاغذ ہاتھ میں لے لیا۔ اور لکھے ہوئے کو تھوک سے مٹا دیا۔ وہ دونوں نہایت برآشفتہ ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہونچے۔ کہنے لگے کہ "تو امیر ہے یا عمرؓ"؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ "نہیں وُہی امیر ہے"۔ اسی اثنار میں حضرت عمرؓ بھی پہنچ گئے اور حضرت ابوبکرؓ سے اِس معاملہ میں بحث کرنے لگ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آخر یہ کہا کہ "مَیں پہلے ہی سے کہتا تھا کہ خلافت کے کام کے واسطے تو مجھ سے زیادہ قوی ہے۔ مگر تُو نے مجھے مجبور کیا تھا[۵۲]" حضرت عمرؓ کا یہ اختلاف ایک بہت بڑی مصلحت پر مبنی تھا جو آئندہ بیان ہوگی ؎

سر ولیم میور اِس واقعہ کو دوسری طرح بیان کرتا ہے کہ زبرقان اور اقرع دو سرداروں نے حضرت ابوبکرؓ سے بحرین کا عُشر جمع کرنے کی عمالی کی سند اِس شرط پر حاصل کر لی کہ اِس کام کے دیانت داری سے انجام پانے کے وہ خود ذمہ دار ہونگے۔ یہ سند حضرت عمرؓ کو دکھلائی گئی۔ اُنہوں نے غصہ ہو کر جس کا سبب ظاہر یہ تھا کہ اقرع منافق رہ چکا تھا اُسکو پھاڑ ڈالا۔ طلحہ جس کی وساطت سے یہ معاملہ ہوا تھا حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور جا کر سوال کیا کہ "تو امیر ہے یا عمرؓ؟"۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ "عمرؓ۔ مگر میری اطاعت لازم ہے"۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ اِس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا خلافت میں کس درجہ تک دخل اور اثر تھا[۵۳]۔ حضرت ابوبکرؓ خود کہا کرتے تھے کہ "خاص اصحاب اور حضرت عمرؓ کو نہ صرف اُن کے پاس ادب کے لحاظ سے کسی کام اور حکومت پر باہر نہیں بھیجتے بلکہ خلافت کے کام میں وہ اُن کے دست و بازو ہیں[۵۴]۔ اُسامہ کے ساتھ تمام اصحاب کو

---

۵۱ اُنلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۱۲۳
۵۲ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا حصہ دوم صفحہ ۱۹۵
۵۳ انلس آف ارلی خلافت حاشیہ صفحہ ۵۰
۵۴ انلس صفحہ ۱۹

بھیجدیا تھا مگر حضرت عمرؓ کے مدینہ میں رہنے کی اسامہ سے اجازت لے لی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی کامیابی میں حضرت عمرؓ کا کچھ استحقاق نہیں ہے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں اُن کے مقرر کرنے سے مدینہ کے قاضی بھی تھے گو کام کچھ نہ تھا مگر اسلام میں وہ سب سے پہلے قاضی تھے اور اس عہدے کو اُنکے سبب سے یہ عزت اور فخر حاصل ہے ؛

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا پہلا سال تو اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے اور فتنہ و فساد کے رفع کرنے اور نفاق و کفر کی آگ بجھانے میں گزر گیا۔ جب اِن کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا تو سب سے پہلا خیال اُن دلوں میں جو نور اسلام سے منور اور روشن ہوئے تھے سوائے اِس کے کیا پیدا ہو سکتا تھا کہ اُن کے ملک کے اطراف و جوانب میں جو قومیں اور جو ملک کفر و ضلالت کی تاریکی میں خستہ و خراب پڑے ہوئے تھے اُن کو بھی اُس مبارک روشنی کی چمک دکھائیں اور اُن تمام مذموم عیوب اور برائیوں سے جن میں وہ پھنس گئے تھے نکالکر خدا کی اس سب سے بڑی رحمت اور نعمت کی طرف رہنمائی کریں۔ اسلام کے دائرے کو جیسا کہ مشیت ایزدی کا ارادہ ہو چکا تھا وسیع کریں اور اس عالمگیر دین کو دنیا کے اطراف میں مشتہر اور شایع کر کے منشاء ایزدی کو پورا کریں شمال و مغرب میں اگرچہ سرحد شام کی اقوام کی بدعہدی اسلامی ہتھیاروں کی دعوت کر رہی تھی اور شمال و مشرق میں بظاہر عیسائی عرب اقوام سے نظر آگے نہیں پڑتی تھی مگر درحقیقت ایران اور شام کے کسرائے ایران اور قیصران روم کی سلطنتیں جو مشرق اور مغرب میں دو بڑی اور دو ہی بڑی سلطنتیں تھیں علم اسلام کے واسطے مقسوم ہو چکی تھیں وہ اپنے وقت میں اپنی بزرگی اور شان و شوکت میں آسمان کے ستارے ہو کر چمکی تھیں۔ مگر اب ظلم اور تاریکی اور دنیا کی منتخب برائیوں کا مسکن اور مقام تھیں اور قانون الٰہی کے رو سے ہی اُن کا استحقاق اُس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت مرحوم اور مغفور کو پہنچتا تھا جن کے انعاموں میں اُس سب سے بڑی نعمت الٰہی کے ساتھ لازم و ملزوم ہونے کے سبب سے وعدہ کی گئی تھیں۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے کسریٰ ایران اور قیصر روم ایک دوسرے کے مقابلہ میں اپنی قوتوں اور زوروں کو جنگ کی ترازو میں تول چکے تھے اور قیصر روم نینوا کے میدان میں ایران سے بازی جیت چکا تھا اور اپنے پلہ کو بھاری کر لینے کا فخر حاصل کر چکا تھا۔ اس کے بعد ایران میں جو بدعملی پھیل گئی تھی اُس کے دورے سے نجات حاصل کرنے کے لیئے اور قیصر جس خواب غفلت میں سو گیا تھا اُس سے بیدار ہونے کے واسطے اُن ہاتھوں کا انتظار کر رہے تھے جو اُن سے بہت دور نہیں تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ کی جزوی فتوحات کو حضرت عمرؓ کے زمانہ کی فتوحات کو مکمل کرنے اور سلسلۂ فتوحات کے قابل فہم بنانے کے واسطے بیان کرنا ضرور ہے۔ اور ویسے بھی حضرت عمرؓ کا حق ہے کہ اُس زمانہ کی فتوحات اُن کے تذکرے میں اُس اختصار کے ساتھ جو ہمنے بالعموم اختیار کیا ہے بیان کیجاویں ؛

مثنیٰ بن حارث سواد میں مسلمانوں کی طرف سے کام شروع کر چکا تھا مگر اُسکے مقابلہ میں جو قومیں جمع ہو رہی تھیں اُن کیواسطے وہ اپنی اکیلی جمعیت کے ساتھ کافی نہ تھا۔ پس ۱۲ھ ہجری کے شروع میں خالد اور عیاض

بن ہم اپنی بزرگی فوجوں کے ساتھ عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ خالد کا کام سواد میں نئی کے ساتھ ابلہ سے گزر کر حیرہ میں پہونچنے کا تھا اور عیاض دومۃ الجندل سے ہوتا ہوا حیرہ میں پہنچنے والا تھا۔ خالد کے قوی اور ناقابلِ مزاحمت بازوؤں کے ساتھ اُسکی کامیابی ایسی دم ساز تھی کہ اُس سے مقابلہ کرنا بجائے خود بدبختی اور شامت کی دلیل تھی۔ خالد نے اُبلہ کے سردار ہُرمز کو جو کسریٰ ایران (شاہ ایران) کا نام نہاد نائب تھا۔ اسلام خراج یا جنگ کا پیغام بھیجا۔ ہُرمز ایسے عجیب پیام سے اگرچہ چونکا اور کسریٰ کے پاس اس کی خبر بھیجی مگر عربوں کی ایسی خفیف فوج کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا جنگ کیواسطے نکل کھڑا ہوا اور آراستہ فوجوں کے درمیان میں خالد کو اپنے مقابلہ میں مبارزہ کیواسطے طلب کیا۔ خالد اُس پیلتن قوی جوان سے اکیلے دست بدست لڑنے کے واسطے نکلا۔ ہرمز نے اگرچہ فریب سے کمین میں آدمی بٹھا رکھے تھے[1] مگر خالد نے پچھاڑ کر اُس کا کام تمام کر دیا اور اُس کا سر کاٹ کر لشکر عجم میں پھینک دیا۔ دونوں لشکروں میں بڑے خروش کی لڑائی ہوئی مگر عجمی شکست کھا کر بھاگ نکلے اور اپنا مال اسباب جس میں ہرمز کا ایک مرصع تاج بھی تھا اور ایک ہاتھی مسلمانوں کیواسطے چھوڑ گئے جس کا خمس مع تاج اور ہاتھی کے مدینہ بھیجا گیا ؛

شاہ ایران نے ہرمز کی عرضی پہنچنے پر ایک بڑی فوج ایک شاہزادہ کے ماتحت اُسکی امداد کو بھیجی مگر وہ بھی شکست کھا کر پسپا ہو گئی۔ اب شاہ ایران کے کان کھڑے ہوئے اور عربوں کے مقابلہ کے واسطے اپنی سلطنت سے عربوں بنی بکر وغیرہ کی ایک فوج بھرتی کر کے ایک مشہور جرنیل بہمن کے زیر حکم مسلمانوں کے مقابلہ میں بھیجی۔ مگر اُسکی قسمت بھی پہلی فوجوں سے کچھ اچھی نہ تھی۔ خالد کو پے در پے فتوحات حاصل ہو رہی تھیں۔ لیس کی لڑائی میں اُس نے ایک زیادتی بھی کی کہ قسم کھالی تھی کہ فتح حاصل کر کے دشمن کے خون سے دریا بہاؤں گا۔ اور اپنی قسم کو پورا کرنے کے واسطے لڑائی کے قیدی بہت سے قتل کر ڈالے مگر ان روایتوں میں جس قدر مبالغہ ہے اُسکو سر ولیم میور بھی نہیں مانتے[2]۔ اب حیرہ کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔ خالد نے بڑھکر محاصرہ کر لیا۔ حیرہ بابل کے مغرب کی جانب دشت شام کے کنارے پر ایک عربوں کی جداگانہ بستی تھی اور برائے نام اُسکو فارس کے ساتھ تعلق تھا وہاں کا پادشاہ کسریٰ ایران کا نائب کہلا کر عراق عرب پر حکومت کرتا تھا۔ تیسری صدی عیسوی کے شروع میں عیسائی اپنے مذہبی عمال کے مظالم سے تنگ آکر حیرہ کے عربوں کے پاس پناہ گزین ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد حیرہ کا پادشاہ عیسائی ہو گیا تھا۔ شہر نہایت مضبوط اور بڑا عالی شان تھا اور اسی کا خالد نے محاصرہ کیا تھا ؛

اہل حیرہ بے پادشاہ عرصہ تک محصور رہے۔ مگر آخر جزیہ دینا منظور کر کے صلح کر لی۔ مسلمان حسب دستور

---

[1] دی خلافت اٹس رائیز ویکلائین اینڈ فال (عروج و زوال خلافت) مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۲

[2] دی خلافت (عروج و زوال خلافت) مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۵۵

آبائی دین پر عیسائی رہے[1]۔ حیرہ کو خالد نے اپنا صدر مقام قرار دیا اور ایک سال تک رہا ؛

حیرہ سے فارغ ہو کر خالد نے انبار اور عین التمر کو فتح کیا اور عجم کی فوج اور عرب کی بنی بکر اور بنی عجل اور بنی تغلب کے ملے ہوئے لشکروں کو بڑی بہادری سے مغلوب کیا۔ انبار کو صلح پر چھوڑ دیا اور عین التمر کی لڑائی میں عقبہ ایک عرب سردار کے سر کو خالد نے بڑھ کے اپنی بغل میں دبا لیا اور کھینچکر گھوڑے پر سے اُٹھا کے اپنے لشکر میں لے آیا۔ جو دشمن کی شکست کا دیباچہ تھا ؛

خالد اور عیاض ایک ہی وقت میں حیرہ پہنچنے کے واسطے چلے تھے خالد تو توقع سے زیادہ کام کر چکا تھا مگر عیاض دومۃ الجندل میں دشمن کا محاصرہ کیئے ہوئے نہایت ناکام پڑا ہوا تھا۔ جب اُسکی طرف سے نا اُمیدی ہوئی تو خالد کا موں تکنا پڑا۔ خالد نے اپنے ایک بہادر افسر قعقاع کو حیرہ پر مقرر کیا اور دوسرے مقامات مفتوحہ کی سپردگی کر کے ریگستان میں سے گزر کر دومۃ الجندل کو روانہ ہوا اکیدر اور جودی دومۃ الجندل کے سردار تھے۔ بنی کلب اور بنی غسان جن کا سردار جبلا عیسائی بادشاہ والیٔ بصریٰ تھا اور عرب کے قبائل اُن کی امداد کو جمع تھے۔ خالد کی آمد سُن کر سب کے چھکے چھوٹ گئے۔ بقول سر ولیم میور کے "خالد کی آمد نے صورت حال کو تبدیل کر دیا۔ اُس کا نام ہی قوت کا بُرج تھا"[2]

اکیدر نے جو پہلے سے خالد کے قوت بازو دیکھ چکا تھا اور اُسکے ہاتھوں قید ہو کر مدینہ گیا تھا بہت خوف زدہ ہو کر ہتھیار چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ مگر راستہ ہی میں پکڑا گیا۔ جودی اور اُسکے مددگاروں کے ساتھ سخت لڑائی ہوئی۔ شکست کھا کر سب بھاگ گئے۔ جبلا بصریٰ کو فرار ہو گیا۔ خالد نے تیسری دفعہ میدان جنگ پر جودی کی بیٹی سے شادی کی مگر حیرہ کی خبروں نے اُسے اطمینان سے نہ بیٹھنے دیا۔ قبائل عرب اور بنی تغلب خالد کی غیر حاضری کو غنیمت سمجھکر چھیڑ چھاڑ کرنے لگ گئے تھے۔ خالد طوفان کی طرح واپس پہنچا اور اُس کا آنا ہی اُسکی شکست کی دلیل تھی۔ یہ شکستہ فوجیں جمع ہو کر مقابلہ کے واسطے قلعوں میں اُڑ اُڑ بیٹھتی تھیں مگر خالد قضا کی طرح اُن کے پیچھے تھا۔ بہت سی لڑائیاں اُن سے لڑا اور اُن کو شکستیں دیں جن میں سے حافر اور خصوصاً فراض کی لڑائی مشہور ہے ؛

اب کوئی دشمن ظاہر امیدان میں نہ رہا۔ خالد کو ایک اور بے احتیاطی کی سُوجھی۔ ذالحج کا مہینہ تھا۔ خالد کو حج کرنے کا خیال آیا۔ فوج کو چھوڑ کر بغیر راہ نما اور بدرقہ کے ریگستان سے گزرتا ہوا بلا اطلاع مکہ پہنچا۔ اور ویسے ہی بلا شناخت حج کر کے لوٹ گیا۔ حضرت عمرؓ نے آخر اس امر کو معلوم کر لیا اور خالد کی بے احتیاطی پر ملامت کی ؛

---

[1] دی خلافت صفحہ ۵۷ [2] دی خلافت الخ صفحہ ۶۱ ؛

شام

حدود اعراق اور سواد کو چھوڑ کر ہم شام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ سب سے پہلی فوج خالد بن سعید کے ماتحت شام کو بھیجی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ خالد بن سعید کو سردار بنا کر بھیجنے کے مخالف تھے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہ مانا اور اُسی کو بھیجا۔ ابتدا میں تو اُسکو کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر دُور نکل جانے سے گھبرایا اور مدد مانگی۔ اُسی زمانہ میں جنوبی عرب کی بغاوتیں فرو کر کے مسلمانوں کے لشکر مدینہ کو واپس پہنچ رہے تھے اُنکو عکرمہ اور ذوالکلاع حمیری کے ماتحت خالد بن سعید کی مدد کو بھیجا گیا۔ اِس کے بعد ولید اور عمرو بن العاص کو بھی سرحد شام کی طرف روانہ کیا گیا۔ ولید خالد کے ساتھ شریک ہونے اور عمرو بن العاص فلسطین کے جنوب میں کام کرنے کے واسطے۔

خالد بن سعید کمک کے پہنچ جانے پر اُس احتیاط کو جس کی اُس کو ہدایت کی گئی تھی بھول گیا اور بڑھتے ہوئے مرج پر شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ کی رائے کے خلاف اپنے اِس انتخاب پر اَب افسوس ہوا اور نئی فوج چار نئے سرداروں کے ماتحت شام کو روانہ کی۔ شرحبیل بن حسنہ کو ولید کی جگہ جو خالد بن سعید کے ساتھ شکست کھانے میں شریک تھا بھیجا۔ وہ شکستہ اور پراگندہ فوج کو جمع کر کے اور ساتھ لیکر سب سے آگے بڑھا۔ یزید بن سفیان اور ابوعبیدہ بن جراح اور عمرو بن العاص باقی تین مستقل افسر تھے اور سرحد شام پر مختلف اطراف و امصار یعنی اردن۔ دمشق اور فلسطین پر پڑے۔

شام کی اِس فوج میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ اُس میں کم سے کم ایک ہزار اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک تھے۔ خاص اصحاب میں سے سَو سے کم نہ ہونگے اور تین سَو اہل بدر میں تھے۔ اُن کی خاص عزت اور توقیر یہ تھی کہ جس کے ماتحت وہ چاہیں کام کریں اور اُن کا وصف یہ تھا کہ بلا خیال رُتبہ کے جسکے ماتحت کام کرتے تھے نہایت تابعداری اور جانفشانی سے کرتے تھے۔ عکرمہ پہلے سے شام میں تھا۔ یہ پانچوں افسر جابجا اپنا کام بہت استقلال سے کر رہے تھے۔

ان کی کامیابیوں کو اور افواج شام کی شکستوں کی پے در پے خبروں نے آخر کار ہرقل کو ڈرا دیا اور اُس خوابِ غفلت سے جسمیں وہ ایران کو جیت کر پڑا ہوا تھا بیدار کر دیا۔ حمص میں آکر ایک بہت بڑی فوج چار حصوں میں اِس تند حملہ کے روکنے کے واسطے روانہ کی۔ سب سے بڑا حصہ جو تعداد میں نوّے ہزار تھا اپنے بھائی تھیوڈرک کے ماتحت روانہ کیا۔ مسلمان بھی ایسی کثیر فوج کی خبروں سے چونکے اور اپنی منقسم طاقتوں کو یکجا کرنیکے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی آخر اسی امر کو پسند کیا اور ہدایت کی کہ سب اکٹھے ہو کر دریائے یرموک کے کناروں پر جو بحر گلیلی کے مشرق میں دمشق اور بصریٰ کے درمیان واقع ہے اور جو قدرت نے سب سے بڑا

اپنی مصلحت کے خیال سے اپنی افواج کو ایک جا اکٹھا کر لیا اور بلکہ مسلمانوں کے مقابلے میں دامن کوہ میں جا پڑے۔ باہم لڑائی شروع ہو گئی مگر بلا نتیجہ۔ اسی طرح دو ماہ گزر گئے اور فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں پڑی رہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نہایت متردد تھے اور آخر کار حضرت عمرؓ کے مشورے سے یہ قرار پایا کہ خالد بن ولید کے فتحمند بازوؤں سے کام لیا جائے اور اُسکی خدمات فی الحال عراق سے شام کو تبدیل کر دی جائیں پس خالد کے نام حکم لکھا گیا کہ شام کے مسلمانوں کی فوج بیدل ہے خالد اُن کی امداد کیواسطے جائے۔ نصف فوج مثنیٰ کے زیر حکم عراق میں چھوڑ جائے اور نصف اپنے ساتھ لیجائے۔ احتیاط کیواسطے بہت تاکید کی گئی خالد کو جو اپنی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف سے بدظنی کا خیال تھا اس حکم کو اُسپر محمول کیا اور کہا کہ عمرؓ میرے ہاتھوں سے عجم کی فتح نہیں چاہتا۔ مگر یہ غلط خیال تھا۔ درحقیقت مسلمانوں کی ضرورت خالد کو شام میں پکار رہی تھی۔ حیرہ سے یرموک کو سفر کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ بڑا کٹھن راستہ اور بیابان ریگستان صحرائے شام سامنے پڑا تھا۔ ایک اور مشکل یہ تھی کہ اگر سیدھا شمالی راستہ سے جاتا تو راستہ میں اہل شام کے ساتھ لڑائی میں رُک جانے اور یرموک جلدی پہنچنے سے پچھڑ جانے کا خوف تھا۔ نو ہزار فوج ساتھ تھی اور سب کو لیکر پہنچنا تھا منتخب فوج کو ساتھ لیکر اور باقی کو پیچھے آنے کے واسطے چھوڑ کر خالد دوبارہ اُس ریگستان بیابان کو طے کر کے نقد کے راستہ دومۃ الجندل میں پہنچا۔ وہاں سے بصریٰ قریب تھا مگر مزاحمت کے خوف سے تدمور کے راستہ کے خشک اور بے آب ریگستان کا سفر اختیار کیا۔ درحقیقت اس ریت کے بے پایان سمندر کو طے کر کے نکلنا اُسی شیر نیستان شجاعت اور ہنر بر بیشۂ جلادت و تہوّر کا کام تھا اور جس حکمت سے یہ منزلیں طے کیں ایک حیرت انگیز افسانہ کا مضمون ہیں کہ اُونٹوں کو پانی پلا کر اُن کے موہ باندھ دیئے اور راستہ میں اُن کے پیٹ چاک کر کے اُس پانی سے گھوڑوں اور اونٹوں کو زندہ نکال کر لے گئے۔ چند ہی ہفتوں میں اس مہینوں کے راستہ کو طے کر کے ۱۳ھ ماہ جمادی الاوّل کے شروع میں تدمور میں دمشق سے سو میل مشرق کی طرف جا نکلا اور یکبارگی حملہ کر کے شہر کے حواس باختہ لشکر کو فتح کر لیا اور حوران سے ہوتا ہوا مسلمانوں کے لشکر سے جا ملا[1]۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو مطلع کر دیا

---

[1] شام کے آغاز فتوحات سے لیکر جنگ اجنادین تک روایات اور تاریخ میں نہایت اختلاف ہے۔ اوکلے اور ارونگ وغیرہ انگریزی مؤرخ جن میں کاسن ڈی پرسی ول اور گبن مؤرخ اعظم بھی شامل ہیں جو فتوح شام واقدی کے مترجم اور پیرو ہیں خالد کا اُسی زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کی فوج نے شام میں کام شروع کیا تھا آنا اور بصریٰ کی فتح میں شرحبیل کو مدد دینا اور بصریٰ کا فتح کرنا اور اس کے بعد دمشق اور اجنادین اور کئی اور لڑائیوں کے بعد جنگ یرموک کا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں واقعہ ہونا اور حضرت ابوبکرؓ کی وفات کو اس پہلے فتح دمشق کے زمانے میں بیان کیا ہے۔ مگر دوسرے معتبر مؤرخ مثلاً سر ولیم میور اور گلبن وغیرہ جو طبری اور ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ کے معتقد اور خوشہ چین ہیں وہ بصریٰ کا

حضرت ابوبکرؓ بھی اس اثنا میں ہی فوجیں بھرتی کر کے بھیجتے رہے تھے۔ اب مجموعی تعداد مسلمانوں کے لشکر کی چھتیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ مگر یونانیوں کی فوج بڑھتے بڑھتے اڑھائی لاکھ تک شمار میں خیال کیجاتی تھی۔ جزوی اور بے نتیجہ لڑائیوں میں جو ایک مہینہ تک ہوتی رہیں خالد نے ایک بڑا ستم کیا۔ کہ مسلمانوں کی فوج کا ایک سپہ سالار نہ تھا۔ جدا جدا افسروں کے ماتحت اور اپنی اپنی مصلحت سے کسی فیصلہ تک نہیں پہنچنے دیتا تھا۔ خالد نے یہ تم سب افسروں کے سامنے بیان کیا اور کہا کہ ہر ایک شخص گو باری باری سے فوج کی اعلیٰ حکومت پر ایک ایک دن کے لیئے مقرر ہو مگر ایک انتظام کے نیچے فوج کو مجموعی قوت سے لڑانا چاہیئے ؛

اس تجویز کو سب نے منظور کیا اور خالد نے پہلے دن اعلیٰ افسری اپنے ہاتھ میں لیکر نہایت مناسب انتظام کیا۔ فوج کو چالیس دستوں میں تقسیم کر کے دلیر افسروں کے ماتحت منقسم کیا اور اُن پر ممتاز افسر مقرر کیئے۔ یہ انتظام نہایت وقت پر ہوا کیونکہ یونانی بھی ایک آخری فیصلہ کے خیال سے سخت سے سخت حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے اور ایک ایسے جمِ غفیر اور عدد کثیر کے ساتھ بڑھے کہ میدان کے اطراف میں اندھیرا چھا گیا۔ اسی اثنا میں خالد کے پاس مدینہ سے ایک قاصد نامہ لیئے ہوئے پہنچا جسکو خالد نے سرسری نظر سے پڑھکے ترکش میں ڈال دیا اور قاصد کو خاموش رہنے کے لیئے ہدایت کر کے فوج کا مدینہ کی خیر و عافیت اور کمک کے پیچھے آنے کی خبر سے اطمینان کر دیا ؛

لڑائی جس سختی اور خوں ریزی کے ساتھ ہوئی اُسکو تفصیلاً بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ مسلمان افسروں نے اور خصوصاً عکرمہ اور قعقاع اور خالد کے بہادر عزیز اور ہم مزاج ساتھی بے دھڑک ضرار نے وہ بہادریاں اور جاں بازیاں دکھلائیں کہ چشم فلک نے بھی بہت کم دیکھی تھیں۔ خالد کی دلیرانہ ثابت قدمی اور آزمودہ کاری نے آخر میدان جیت لیا۔ لڑائی کی سختی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یونانیوں کے ایک لاکھ کشتوں سے میدان اور خندق بھری پڑی تھی۔ مسلمانوں کو بھی یہ فتح بہت گراں نصیب ہوئی۔ تین ہزار آدمیوں نے شربتِ مرگ چکھا اور بے شمار زخمی ہوئے۔ ابوسفیان کی آنکھ میں تیر لگا اور ضرار سخت زخمی ہوا۔ عکرمہ اور اُس کا باپ زخموں سے جاں بر نہ ہوئے۔ اہل شام بے حساب غنیمت مسلمانوں کے واسطے چھوڑ گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کے واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کرتے اور واقعات کو اسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں جو کہ ہم بوجہ اُن کے معتبر ہونے کے بیان کر رہے ہیں۔ بعض مؤلفوں مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس غلط واقعات سے یرموک کی لڑائی کا دو دفعہ ہونا خیال کیا ہے مگر یہ غلط ہے۔ بہرحال یہ واقعات کی تقدیم تاخیر ہے اور واقدی کی نسبت جس کے واقعات گو جیسا کہ واشنگٹن ارونگ کی رائے ہے صحیح ہوں افسانوں میں بیان کرنے کے واسطے زیادہ موزوں ہیں۔ یہی ترتیب معتبر ہے۔ مؤلف ۱۲

جن میں تیس ہزار زرہ پوش سوار تھے۔ ہر ایک سپاہی کا حصہ پندرہ سو دینار سے کم نہ تھا۔ اس فتح کا جو
اثر ہوا بقول سر ولیم میور کے "یونانیوں کی فوج کی ہیبت ناک قسمت نے دربار شام
اور اہل شام کو خوف سے متوحش اور بے کل کر دیا۔ شام کی قسمت
کے فیصلہ پر گویا مُہر لگ گئی تھی۔ اب ایک کمزور اور
ضعیف مخالفت کے بغیر مقابلے
کو کچھ نہ رہا
تھا[1]"

فتح کی تاریخ سنہ ۱۳ ہجری میں ماہ رجب کا شنبہ کا
روز مطابق شروع ستمبر
سنہ ۶۳۴ عیسوی
تھی ؎

---

[1] دی خلافت الخ صفحہ ۴۷ ؎

چوتھا باب

حضرت عمرؓ کی خلافت۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استخلاف اور انتخاب۔ فتوحاتِ ایران۔ شام۔ مصر

خالد کو جو نامہ میدان جنگ میں مدینہ کے قاصد نے دیا تھا اور اُس نے پڑھکر اپنی ترکش میں ڈالدیا تھا اُسپر حضرت عمرؓ کی مُہر تھی کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کی اُس میں خبر تھی۔ مگر خالد نے ایسے نازک وقت میں بڑی دُور اندیشی سے کام لیا اور اس وحشت ناک خبر کو لشکر میں مشتہر نہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ جب بستر علالت پر ناتوان ہوگئے تو حضرت عمرؓ کو اُنہوں نے نماز میں امامت کیواسطے کہا جو حضرت عمرؓ کی آیندہ خلافت کی نسبت حضرت ابوبکرؓ کے خیال کا صاف اشارہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرنے کا خیال حضرت ابوبکرؓ کا کوئی نیا خیال نہیں تھا وہ تو گویا ابتدا ہی میں اِسکا فیصلہ کر چکے تھے۔ البتہ باقاعدہ طور پر اسکو مشتہر کرنے کا خیال حضرت ابوبکرؓ کو اُسی وقت ہونا چاہیئے تھا جب وہ زندگی سے مایوس ہوئے۔ اُنہوں نے اپنی رائے کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید سے مستحکم کرنے کے واسطے عبدالرحمان بن عوف سے مشورۃً پوچھا کہ مَیں عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں تیری کیا رائے ہے۔ اُس نے اس ارادے اور حضرت عمرؓ کی نہایت تعریف کی۔ مگر اُن کی درشتیٔ طبیعت کی طرف اشارہ کیا جس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ "یہ اُس کی سختی اور درشتی اس سبب سے ہے کہ میری طبیعت میں نرمی اور رحم زیادہ ہے۔ جب والیٔ اُمور ہوگا تو یہ طبیعت اُسکی بدل جائیگی۔ مَیں نے بہت غور سے دیکھا ہے کہ اگر میں کسی شخص پر غصہ ہوتا تھا تو وہ اُسکی طرف سے سفارش کرتا تھا۔ اور اگر مَیں کسی کے ساتھ زیادہ نرمی کرتا تھا تو وہ سختی کی طرف مائل ہوتا تھا"[1]۔ حضرت عثمانؓ سے جب رائے لی گئی تو اُنہوں نے بھی اس رائے کی تائید کی

[1] انلس اوف ارلی خلافت صفحہ ۱۱۷ و طبری ۱۲

ہم میں موجود نہیں ہے[51]"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی مضمون کی وصیت لکھوائی اور انصار و مہاجرین کو بلا کر اس کا مضمون اُن میں مشتہر کیا اور سب کی عام رضامندی اور خوشنودی کے ساتھ اس مبارک تقریب کو ختم کیا صرف طلحہ بن عبداللہ نے اُس جماعت میں سے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ "عمر کے ہاتھ سے لوگ جس سختی میں تھے اُسکو جانتے ہو اور آج اُسکو خلیفہ مقرر کرتے ہو۔ خدا کے سامنے اس کا کیا جواب دو گے۔ حضرت ابوبکرؓ یہ سُن کر جوش غضب سے بھڑک اُٹھے اور کہا کہ مجھے اُٹھاؤ اور نہایت غصہ سے طلحہ کو جواب دیا کہ "تو مجھے خدا کا نام لیکر ڈراتا ہے خدا کی قسم جب میں خدا کے سامنے جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں نے بہترین خلق کو تیری خلق پر خلیفہ کیا ہے[52]" طلحہ کی اس مخالفت کی وجہ درحقیقت یہ نہ تھی کہ وہ سب سے الگ حضرت عمرؓ کے استخلاف میں کوئی نقص دیکھتا تھا بلکہ نفسانیت اور دعویٰ خلافت کے ذاتی حوصلہ پر یہ بات کہلا رہے تھے۔ خود حضرت ابوبکرؓ کے الفاظ سے جو اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو اس کے بعد وصیت کرتے ہوئے فرمائے ظاہر ہے۔ کہ "اُن لوگوں کو میں تیرے خلاف پاتا ہوں جن کے اپنے پیٹ پھولے ہوئے ہیں اور آنکھیں لگ رہی ہیں"

حضرت ابوبکرؓ کا آخری کام حضرت عمرؓ کو بلا کر وصیت کرنے اور نرمی اور حلم کی طرف مائل ہونے کی تاکید کرنے کا تھا۔ اُن کے رحلت فرمانے کی تاریخ اکیس[21] جمادی الثانی سنہ ۱۳ ہجری بروز دوشنبہ مطابق ۲۲۔ اگست سنہ ۶۳۴ء تھی۔ باوجود اس صریح اور قطعی استخلاف کے لوگوں سے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرانے کی ضرورت سمجھی گئی اور یمین و یسار تک تمام شہر اور گردنواح نے بیعت کی[53]"

فتوحات

حضرت عمرؓ کا سب سے پہلا کام لوگوں کو اپنی آیندہ خلافت کی طرف سے اطمینان دلانے کے بعد عراق کے واسطے نئی فوج تیار کرنے کا تھا۔ مثنیٰ خالد کے عراق سے رخصت ہونے اور خود مختار سپہ سالاری اختیار کرنے کے بعد دس ہزار لشکر عجم کو جو ہرمز کے ماتحت میدان کو خالد سے خالی پانے کے حوصلہ پر ایران کے نئے بادشاہ شہریار کے حکم سے بڑھا تھا بابل کے میدان میں شکست فاش دیچکا تھا۔ اور ایرانیوں کی اس نئی فوج کی ہاتھیوں کی صف کو شکستہ کرنے کی بہادری اور حکمت میں نام پا چکا تھا۔ مگر مثنیٰ نے اپنی قلیل فوج اور جمعیت کو ایران کے آیندہ حملوں کا مقابلہ کرنے اور فتوحات پر قدم جمائے رہنے کے واسطے کافی نہ سمجھکر مدینہ سے بڑی تاکید سے

---

۵۱ اُنس الوف الی خلافت صفحہ ۱۷ و طبری
۵۲ اُنس الوف الی الخ صفحہ ۱۱۵ و طبری صفحہ ۴۶۸
۵۳ اُنس الخ صفحہ ۱۲۵

لشکر مامور تھی۔ جب جواب میں دیر ہوئی تو اُس نے رفع تردد کے واسطے خود مدینہ پہنچنے کا ارادہ کیا اور پہنچکر حضرت ابوبکرؓ کو بستر علالت پر پایا تھا۔ گو اُن کی بیماری کے سبب سے دیر ہوگئی تھی مگر حضرت ابوبکرؓ اس ضرورت کی طرف سے بیفکر نہیں تھے۔ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو بلاکر سخت تاکید کی کہ میرے بعد تمہاری خلافت کا سب سے پہلی ساعت کا پہلا کام عراق کے واسطے فوج تیار کرنا اور بھیجنا ہوگا اور حضرت عمرؓ نے اُن کے ارشاد کو پورا کرنے کے وعدے سے اطمینان دلادیا تھا۔

پس حضرت عمرؓ کا سب سے پہلا کام ایک نئی فوج تیار کرنے کا تھا لیکن بقول سر ولیم میور کے ایرانیوں کی قوت کا کچھ ایسا رُعب لوگوں پر چھاگیا تھا کہ کوئی آمادہ نہیں ہوتا تھا[1]۔ مگر ممکن ہے اور اصلیت بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ خالد کے اقبالمند اور فتحمند سایہ کے لشکر عراق سے اُٹھ جانے سے لوگوں کے دل نہیں جمتے تھے۔ وہ ایک شخص ہزاران ہزار فوج کے برابر تھا اور اُس کا وجود ہی کامیابی کی ضمانت تھی۔ غالباً اسی بے دلی کے سبب لوگ منظور نہیں کرتے تھے جس کی غلطی سے یہ تعبیر کیجاتی ہے کہ خالد کے عہدہ سپہ سالاری سے معزول کردینے کی وجہ سے لوگ دل شکستہ ہوگئے تھے اور نہیں مانتے تھے[2] لیکن یہ ایک بے اصل خیال معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب بعد میں لوگ تیار بھی ہوئے تو شام کی فوج میں بھیجے جانے کی درخواست کرتے تھے اور عراق کی مہم میں جانا قبول نہیں کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خالد کے ساتھ شام میں کام کرنے سے خوش تھے مگر اُس کے بغیر عراق کو مثنیٰ کے ماتحت کرنے کے واسطے جو اگرچہ دلیری اور بہادری میں وہ بھی یکتا تھا اور بقول سر ولیم میور کے دنیا کے سب سے بڑے جنگ آور اور نامور سپہ سالاروں میں جگہ پانے کا مستحق ہے[3]۔ مگر ایک قبیلہ اعراب میں سے تھا اور قریش کی شرافت اُس کے جوہر ذاتی کے ساتھ شریک نہ تھی نہیں جانا چاہتے تھے۔ بہرحال خود مثنیٰ نے بھی لوگوں کو تحریک کی اور آخرکار ابوعبید بن مسعود طائف کا ایک دلیر شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور لوگ بھی جوق جوق آنے لگے۔ جب ہزار آدمی کا ایک دستہ تیار ہوگیا تو ابوعبید کو اس سبب سے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے آمادگی ظاہر کی تھی قریش اور انصار پر ترجیح دی اور اُسی کو افسر مقرر کرکے مثنیٰ کے پیچھے جو جلدی پہنچنے کے واسطے واپس چلا گیا تھا روانہ کیا۔ ابوعبید کو اجازت دی گئی کہ اقوام عرب میں سے جو لوگ بوجہ برگشتگی اور نفاق اختیار کرلینے کے گو وہ بعد میں تائب ہوچکے تھے اب تک فوج میں نہیں بھرتی کیے جاتے تھے اب لشکر میں شریک کرلیے۔

اسی اثنا میں ایران میں کئی انقلاب ہوچکے تھے۔ شہریار کے مرنے پر کشت وخون کے بعد بوران یا توران دخت بنت کسریٰ پرویز رستم بن فرخ زاد ایک نامی بہادر شخص کی حمایت سے جس کو اُس نے خراسان سے

---

[1] دی خلافت الخ صفحہ ۸۷ [2] طبری صفحہ ۲۶۹

[3] دی خلافت الخ صفحہ ۹۰

مسلمانوں کو حدود ایران سے باہر کرنے کی کوشش کرنے کا تھا۔ اسکی دلیری اور سرگرمی اور حوصلہ افزائی فی الواقع بہت کام کر گئی۔ لڑائی کیواسطے بڑے بڑے دہقان اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرب کی حکومت کو تمام ملک نے اپنے کندھوں سے اُتار دیا اور مثنیٰ کو حیرہ چھوڑ کر مدینہ کے راستہ پر خفان میں ابو عبید کے انتظار میں ٹھہرنا پڑا۔ رستم نے جابان اور نرسی نامی دو لشکروں کے ساتھ حیرہ اور کسکر پر قبضہ کرنے اور مسلمانوں سے لڑنے کے واسطے بھیجدیا۔ ابو عبید کے ساتھ راستہ میں اقوام عرب میں سے بہت لوگ شریک ہو گئے اور انکی بھیڑ بھاڑ کو ساتھ لانے میں دیر ہو گئی۔ جب خفان میں پہنچا تو دو ایک روز سستا کر مجموعی فوج کو جابان کے مقابلہ کے واسطے میدان میں لایا اور اُسکو شکست دیکر مار ڈالا اور پھر کسکر کی طرف بڑھکر نرسی کو جس کے ساتھ جالینوس ایک دوسرا افسر آٹھ ہزار فوج سے شریک ہوا تھا شکست دی اور ایک عارضی اطمینان کا موہ دیکھا۔

اِن شکستوں سے بھڑک کر رستم نے ایک مشہور اور جنگجو افسر بہمن کے ماتحت ایک کثیر لشکر جو تیس ہزار سے کم نہ تھا مسلمانوں کے مقابلے کے واسطے روانہ کیا اور درفش کاویانی کو کھول کر اُسکے سپرد کیا۔ دریائے فرات کے کنارے پر لشکر آن پڑا اور مسلمانوں کی فوج دریائے عبور کر کے دوسری جانب پڑی ہوئی تھی۔ ابو عبیدہ نے ایک پُرخطا دلیری کی کہ باوجود لشکر کی مخالفت اور ممانعت کے دریا کے اُس پار جا کر لڑنا قبول کیا جہاں زور آزمائی اور پیچھے ہٹنے کے لیئے کافی جگہ ہی نہ تھی۔ مسلمانوں کی فوج دس ہزار سے کم تھی۔ اور ایرانی فوج کو ہاتھیوں سے بہت تقویت تھی جن میں ایک بہت بڑا سفید ہاتھی بھی تھا۔ مسلمانوں نے ہاتھیوں کی صف کا مقابلہ کر کے قریباً بھگا دیا تھا کہ ابو عبیدہ نے اکیلے تلوار لیئے ہوئے سفید ہاتھی پر مقابلہ کیا۔ کوئی ضرب کاری نہ لگی اور ہاتھی نے سونڈ سے پکڑ کر پاؤں سے کچل ڈالا۔ پے در پے افسر مارے گئے اور مسلمانوں کو بھاگنے سے روکنے کے واسطے دریا کا پل کاٹ دینے سے مسلمانوں کو بھاگنے کا راستہ نہ رہا اور دریا میں کود کود کر بہ گئے۔ مثنیٰ جو اس وقت بطور ایک ماتحت افسر کے کام کر رہا تھا اِس حال کو معلوم کر کے برآشفتہ ہوا مگر غلطی لاعلاج تھی۔ شیر دل مثنیٰ نے اِس وقت بڑی جاں بازی کا کام کیا۔ جھنڈا پکڑ کر ایرانیوں اور مسلمانوں کی فوج کے درمیان چند دلیروں کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور پکارا کہ جب تک مسلمانوں کی فوج سلامت پار نہ اُتر جاوے گی یہاں سے نہ ہٹوں گا۔ پل کی مرمت کا حکم دیا اور سپاہ کو کہا کہ "اطمینان سے اُترو۔ اپنے آپ کو ضائع نکرو میں تمہاری حفاظت کروں گا۔" اسی حال میں مثنیٰ کو ایک ایرانی سپاہی کے نیزے نے بے طرح زخمی کر دیا مگر وہ جوانمرد اُسیطرح کھڑا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان سے پار اُتار دینے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر پل کے درست ہونے سے پہلے بہت سے لوگ دریا میں کود کے جانیں کھو چکے تھے۔ آخر جب بقیہ فوج گزر گئی تو مثنیٰ خود اُس پار آیا اور پل کو

کاٹ کر بغل کا راستہ بند کر دیا تو وہ گھبرا کر بھاگ نکلے۔ اس فوج میں سے دو ہزار آدمی بھاگ گئے اور مثنیٰ صرف تین ہزار فوج کے ساتھ رہ گیا۔ یہ سن کر دربار ایران کے نئے فساد کے سبب سے لوٹ جانا پڑا اور مسلمانوں کو اپنی جمعیت فراہم کرنے کا موقع مل گیا۔ اس شکست کا نام واقعہ جسیر (پل) ہے جو ماہ شعبان ۱۳ھ ہجری میں واقع ہوا۔

حضرت عمرؓ نے ان ناشاد خبروں کو بڑے تحمل اور سنجیدگی کے ساتھ سنا۔[1] بھاگی ہوئی فوج کو جو مدینہ پہنچی بہت تسلی دی۔ اس شکست نے سوائے اسکے کہ اُن کو اپنی مساعی کے دوچند کرنے کے واسطے برانگیختہ کر دے اور کچھ نہ کیا۔[2] بڑی سرگرمی سے نئی فوج تیار کرنے میں مصروف ہوئے۔ جوق جوق فوج اکٹھی ہونے لگی۔ بھاگے ہوئے سپاہی بھی واپس جانے کو تیار ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ایک بڑی فوج جریر بن عبداللہ کے ماتحت روانہ کر کے مثنیٰ کو اطلاع دی گئی۔ مثنیٰ ایک آدھ لڑائی لڑ چکا تھا اور کامیابی اُس کی طرف مائل معلوم ہوتی تھی۔ جریر کے نزدیک پہنچنے کی خبر سُنکر مثنیٰ ایرانیوں کی ایک بہت بڑی فوج سے مقابلہ کرنے کے واسطے جو ایک لاکھ تعداد میں زیر حکم مہران بن بازان[3] بڑھی آرہی تھی ایک منزل آگے بڑھا۔ حضرت عمرؓ نے بہت کچھ احتیاط سے لڑنے کی تاکید کی تھی۔ بویب پر عجم کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ مثنیٰ نے اپنے سپاہیوں کے خوب خوب دل بڑھائے اور فوج کو بڑی لیاقت سے آراستہ کیا۔ شروع لڑائی میں تو مسلمانوں کی فوج کے ایک بازو کے پاؤں اُکھڑتے معلوم ہوتے تھے مگر مثنیٰ کی متحملانہ دانشمندی نے اُن کے دل بڑھا کر پھر جما دیا۔ سخت حملہ سے آخر ایرانیوں کے مونہہ پھر گئے اور بھاگنے لگے۔ مہران مارا گیا۔ مسلمانوں نے پُل کاٹ دی تھی اور ایرانی بھاگنے کی راہ نہ دیکھکر پھر مسلمانوں سے دوچار ہو گئے۔ مثنیٰ کو اس غلطی پر افسوس بھی ہوا کہ اپنے ہاتھوں پھر لڑائی مول لی جس میں ایرانی زندگی سے مایوس ہو کر اور جان سے ہاتھ دھو کر ٹوٹ پڑے۔ کشت و خون کا بازار گرم ہوا۔ ایرانیوں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ بقول سر ولیم میور کے "مسلمانوں کی ایک مٹھی بھر فوج نے اُس عظیم لشکر کو تباہ کر دیا۔ شاید اسقدر خوں ریزی اسلامی تاریخ میں کسی اور جنگ میں نہیں ہوئی۔ زمانہ دراز تک مقتولوں کی ہڈیاں اُس میدان کی مٹی میں ملا کیں۔" مسلمانوں کا بھی کچھ کم نقصان نہیں ہوا۔ دو ہزار آدمی مارے گئے۔ مثنیٰ کو اپنے دلیر اور بہادر بھائی مسعود کا ماتم کرنا پڑا۔ ایک بڑی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی جس میں غلہ کے انبار اور مویشی تھے۔ اس جنگ میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرفداری میں عیسائی قبائل بھی ایرانیوں کے ساتھ لڑ رہے تھے اور اُن کی بہادری نے بھی بہت کام کیا تھا یہ سب آخری بڑی فتح تھی جو مثنیٰ کو حاصل ہوئی کیونکہ اس لڑائی کے بعد وہ صرف چند ماہ تک زندہ رہا۔ جنگ جسیر میں جو کاری زخم اُسکو لگا تھا اُس نے بہت دنوں تک جینے نہ دیا۔ اور چونکہ قریش اُس کے ماتحت کام کرنا اپنی شرافت

---

[1] دی خلافت الخ صفحہ ۹۱ [2] دی خلافت الخ صفحہ ۹۱

کے فخر سے منظور نہیں کرتے تھے جریر کی شکایت پر عراق میں ایک نیا سپہ سالار مقرر ہوا ؛

سر ولیم میور اس امر کا افسوس کرتا ہے کہ مسلمان مورخوں نے مثنیٰ کی بہادری اور سپہ گری کی بہت کم قدر کی ہے۔ حالانکہ اُس زمانہ کے اسلامی سپہ سالاروں میں سے صرف ایک سپہ سالار سے وہ دوسرے درجہ پر ہے خالد کی حیرت افزا چستی اور تیزی اور تعجب انگیز عزم بالجزم اُس میں نہ تھا مگر زور اور سرگرمی اور فنون جنگ میں اُس سے کم نہ تھا۔ بلا امتیاز اور غیر ضروری سختی اور جبر اُس سپہ سالار اعظم کے مانند وہ نہیں کرتا تھا۔ اور کسی فتح کو اپنی کسی ذاتی خواہش کے پورا کرنے میں استعمال نہیں کرتا تھا۔ اُسی کے تہور اور متحملانہ شجاعت سے جنگ جسیر سے مسلمانوں کا فوج کا حصہ بچکر نکل آیا۔ عیسائی قبائل سے امداد لینا اور اپنے معاملہ میں شریک کرنا اُسی کا کام تھا اُس کے کئی دفعہ کے تنزل کو خلافت نے مہنگا خریدا کیونکہ ایک دفعہ اسی سے عراق سے اسلام کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت اُس کی وفاداری اور جان نثاری میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اُس زمانہ کے اس خیال نے کہ ایک گمنام قوم کا اعرابی قریش اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حکومت کرے حضرت عمرؓ کے واسطے مشکل کر دیا کہ اُس عہدے پر اُسکو برقرار رکھیں۔ لیکن تعجب ہے کہ اسلامی مورخوں میں سے جو نامور بہادران اسلام کی عزت کے خواہاں ہیں کسی نے اُس اپنے زمانہ کے ممتاز اور نامور شخص کے تنزل پر افسوس نہیں کیا اور نہ اُسکو وہ رتبہ دیا ہے جس کا وہ مستحق تھا حالانکہ وہ دنیا کے سب سے بڑے سپہ سالاروں میں جگہ پانے کا مستحق ہے[1] ؛"

شام

شام میں ہم مسلمانوں کے فتحمند لشکر کو یرموک کے کناروں پر اُس خونخوار جنگ کے بعد اپنے مقتولوں کو دفن کرنے اور مجروحوں کا علاج کرنے اور بے شمار غنیمت کے تقسیم کرنے میں مصروف چھوڑ آئے ہیں ؛

حضرت عمرؓ کا پہلا کام افواج شام کی نسبت اُن کا ایک مستقل سپہ سالار مقرر کرنا تھا چنانچہ اُنہوں نے ابوعبیدہ بن جراح "امین الامت" کو سپہ سالار اعظم مقرر کیا اور خالد اور دوسرے عہدہ داروں کو اُن کے ماتحت کام کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم اُس پہلے نامہ کا مضمون ہو جو خالد کو میدان جنگ میں ملا تھا یا دوسرے کا۔ اور نامہ ابوعبیدہ کے نام ہو یا خالد کے مگر مورخین نے اس واقعہ کو ایک قابل بحث امر بنا دیا ہے۔ تمام مقولہ یہ ہے کہ خالد کو شام کی سپہ سالاری اور امارت سے معزول کر کے ابوعبیدہ کو اُس کی جگہ مقرر کیا گیا مگر اسکو کوئی ثبوت نہیں کر سکتا کہ خالد اس سے پہلے سپہ سالار اعظم یا امیر شام مقرر ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے حکم کا مضمون شام میں مسلمانوں کی فوج کی مدد کرنا اور فارغ ہو جانے پر عراق کو واپس بھیجدینے کا وعدہ تھا۔ ابن خلدون کی

---

[1] ملخص از اردو خلافت صفحہ ۱۴۰ و ۱۴۱ خلافت [illegible]

رائے میں خالد سپہ سالار اعظم مقرر ہو چکا تھا۔ مگر یہ رائے خلاف واقعہ ہے کیونکہ تمام مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں خالد کی موجودگی کے زمانہ میں بھی ایک ماہ تک تمام سرداران فوج اپنے اپنے لشکر کے ساتھ جدا جدا کام کر رہے تھے اور آخر یہی ایک سبب کمزوری اور ناکامی کا خیال کیا گیا تھا اور باری باری سے اعلےٰ حاکم اختیار کرنے کے انتظام پر خالد پہلے دن سپہ سالار ہوا تھا اور حضرت عمرؓ کو حکم کے لکھنے کے وقت یہ امر بھی معلوم نہیں تھا کیونکہ اس انتظام سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کا انتقال اور قاصد مدینہ سے نامہ لیکر روانہ ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ کے نامہ کے الفاظ سے جو معزولی کا مضمون پیدا ہوتا ہے وہ غالباً عراق کی سپہ سالاری سے معزولی تھی کیونکہ خالد عراق میں سپہ سالار اعظم تھا اور اب اسکی نسبت شام میں ابوعبیدہ کے ماتحت کام کرنے اور شام ہی میں رہنے کا فیصلہ کر دیا گیا تھا۔ اس سے بڑھکر جو اختلاف روایات اور تاریخوں میں ہے مثلاً یہ کہ یہ تغیر اور انتظام فتح دمشق کے بعد ہوا یا یہ کہ ابوعبیدہ کو اس مضمون کا نامہ یرموک ہی میں مل گیا تھا لیکن خالد کی دل شکنی کے خیال سے اس نے فتح دمشق تک اسکو ظاہر نہیں کیا کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اب یہ بات کہ حضرت عمرؓ کے اس انتظام سے ان کی انتہا درجہ کی دور اندیشی۔ حسن تدبیر۔ ملکداری کی قابلیت۔ انصاف پسندی اور مصلحت بینی۔ خدا ترسی اور خلق اللہ کی ہمدردی کا مادہ جو خدا نے ان کو عطا کیا تھا ظاہر ہوتا ہے۔ خالد دلیر اور بہادر اور جنگجو تھا ایسا کہ اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ مگر بداحتیاط اور بے خوف بھی نہایت درجہ کا تھا اس کے ہاتھ جبر اور انصاف میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ اسکی زیادتیاں اور بے اعتدالیاں بارہا ثابت ہو چکی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی عدل اور انصاف سے بھری ہوئی تیز نگاہوں نے اسکی حرکات اور برتاؤ کو بہت غور سے دیکھا تھا اسکو مطلق العنان اور آزاد چھوڑ دینا دانستہ انصاف سے چشم پوشی کرنا تھا۔ پس نہایت تدبیر سے کام لیا گیا کہ اسکو ابوعبیدہ کے ماتحت مقرر کیا گیا خالد کی بہادری اور قوت بازو اور شجاعت بھی کام آگئی اور جس بے اعتدالی کا اس کی طرف سے اندیشہ تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔ ابوعبیدہ گو اس درجہ کے دلیر اور مرد میدان نہ تھے مگر سن اور نہایت تجربہ کار اور حلیم و انصاف پسند اور بامروت طبیعت کے بزرگ تھے اور ان کے با اعتدال برتاؤ کی طرف سے کامل اطمینان تھا۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ ابوعبیدہ کے ماتحت کام کرنا خالد کے واسطے کسی دل شکنی یا ہتک کا باعث ہو سکتا تھا۔ ابوعبیدہ شرفا قریش اور اصحاب کبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بہت سے خاص فضائل سے ممتاز ہو چکے تھے اور امین الامت کے معزز لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔ اور ان کا رتبہ اصحاب خاص کی نگاہوں میں اس درجہ کا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہ کی نسبت کہا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک کو خلیفہ منتخب کر لو۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے جب اپنا جانشین مقرر کرنے کا مشورہ کیا تو فرمایا تھا کہ اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو ان کے سوائے کسی کو مقرر نہ کرتا۔[1]

---

[1] طبری صفحہ ۲۱۱۵

یہی وجہ خالد کو عراق میں واپس نہ بھیجنے کی تھی کیونکہ جس حال میں اُسکو خود مختار اور مطلق العنان سپہ سالار اور امیر مقرر کرنا منظور نہ تھا تو سرداران فوج میں سے عراق اور شام میں صرف ابو عبیدہ ہی اس رُتبہ اور پایہ کے شخص تھے کہ خالد اُن کے ماتحت خوشی سے کام کرتا۔ خالد کی اس اطاعت اور تابعداری اور اس تنزل سے کسی قسم کا دل پر ملال نہ لانے اور اُسی جوش اور سرگرمی سے کام کرنے کی تعریف کیجاتی ہے۔ ہم بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ یہ اسلام کا ایک کرشمہ ربانی تھا۔ اگر سچ پوچھو تو خالد کے اس تنزل سے اُس کے سپہ سالاری کے عہدے میں ابو عبیدہ کے ماتحت ہونے سے کوئی فرق سوائے اس کے نہیں آیا کہ اُسکی بداحتیاطی کے راستہ میں ایک روک کھڑی کر دی گئی ورنہ فوجی اختیارات میں تو گویا وہی سپہ سالار رہا۔ سر ولیم میور کا قول ہے کہ "ابو عبیدہ نے جو خالد کی بے نظیر اور عدیم المثال جنگی قابلیت اور ہنرمندی کو جانتا تھا اور خود ایک حلیم اور نرم طبیعت رکھتا تھا اور جنگجو نہ تھا بڑی دانائی اور فیاضی سے خالد سے کہا کہ اُس کی ہدایات کے مطابق عمل کرے گا اور پوری فرماں برداری کرے گا۔ خالد نے اپنی شکایات سے قطع نظر کر کے اپنی بہترین لیاقتوں کو ملک کی خدمت میں صرف کیا اور باوجودیکہ اُس کا تنزل عمل میں آیا مگر درحقیقت مسلمانوں کا بڑا سپہ سالار شام میں وہی تھا"۔

مسلمانوں نے یرموک کے میدان سے فارغ ہو کر اور ایک دستہ فوج یرموک میں عرب کے ساتھ خط و کتابت کے سلسلہ کو محفوظ اور جاری رکھنے کی غرض سے چھوڑ کر شمالی ممالک کی جانب رُخ کیا۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ یونانیوں کی شکست اور پراگندہ فوج کے سپاہی فلسطین میں جمع ہو کر ایک مضبوط لشکر بن گیا ہے۔ حضرت عمرؓ سے اسکی کیفیت عرض کر کے اُن کے حکم کے مطابق لشکر دمشق کو بڑھا اور اس جمع شدہ فوج کے روکے رکھنے کے واسطے ایک مضبوط دستہ فوج روانہ کر دیا گیا۔ دمشق شام میں ایک نہایت مضبوط اور عالی شان شہر ہی نہیں تھا بلکہ اُسکو دنیا میں سب سے پُرانا شہر ہونے پر جو زمانے کے انقلابوں سے بچ رہا تھا فخر تھا۔ قیصر نے مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ایک بڑی فوج سے شہر کو اور مضبوط کر دیا اور خود حمص میں اور فوجیں تیار کرنے اور جا بجا بھیجکر مسلمانوں کی قوت کو اُن سے لڑنے میں مصروف اور منقسم کر دینے کی غرض سے بیٹھ رہا مگر مسلمانوں نے ان تمام فوجوں کی نسبت سوائے اسکے کہ جہاں کہیں وہ تھیں اُن کو وہیں روک دینے کی کوشش کی اور کچھ نہیں کیا اور اپنی اصلی قوت محاصرہ دمشق میں مصروف کر دی۔ دمشق پہنچکر یونانیوں کی کثیر فوج کو شکست دی جو مجبور ہو کر قلعہ بند ہو گئی اور مسلمان محاصرہ کر کے پڑ رہے۔ شہر ایسا مضبوط تھا کہ مسلمانوں کی کوئی کوشش شہر پناہ کے توڑنے میں کامیاب نہ ہوئی مگر مسلمانوں کا لشکر بڑی ثابت قدمی سے شہر کو گھیرے ہوئے تھا۔ مغربی جانب ابو عبیدہ تھے اور مشرقی طرف خالد

اہل دمشق قلعہ شہر میں اس خیال سے بڑے اطمینان کے ساتھ محصور تھے کہ موسم سرما کی غیر معمولی سردی اس آوارہ لشکر کو شہر کے دروازوں سے بھگا دے گی مگر مسلمانوں نے اس قدرتی دشمن کا بھی بڑے استقلال سے مقابلہ کیا اور ایک قدم پیچھے نہ ہٹے۔ نئے موسم گرما نے اُن کی رگوں میں تازہ جوش خون پیدا کیا اور بڑی سرگرمی اور شدت سے محاصرے کے کام میں مشغول ہوئے۔ اب دمشق کی اُمیدیں مایوسی کی ہوا میں اُڑنے لگیں۔ خالد بڑی تیز اور بے صبر نگاہوں سے موقعہ کو تاک رہا تھا۔ ایک رات لشکر شہر کو کسی تقریب کی خوشی میں مصروف اور غافل دیکھکر ابو عبیدہ کو اطلاع کر کے اور یکبارگی ہلہ کی تجویز کر کے خندق کو تیر کر اور کمندیں ڈال کر مسلمانوں کو شہر میں پہنچا دیا۔ دروازوں کے کھلنے اور "اللہ اکبر" کے نعرہ بلند ہونے کی دیر تھی۔ تمام لشکر مسلمانوں کا جا پڑا۔ خالد کی خونخوار تلوار نہ رُکتی اگر یونانی اس اثنار میں ابو عبیدہ سے صلح اور معاہدہ کر کے امان نہ پا چکے ہوتے۔ شہر موسم گرما ۱۴ھ ہجری میں فتح ہو گیا اور معاہدہ میں نصف مال و اسباب مسلمانوں کو دینا ٹھہرایا اور ہر ایک گھر سے ایک دینار اور زراعتی زمین سے ایک مقدار غلہ کی مقرر ہوئی۔

اس عرصہ میں شرحبیل بن حسنہ اور ابو الاعور نے بڑی بہادری سے اپنی دس ہزار فوج کے ساتھ یونانیوں کی کثیر فوج کو روکے رکھا۔ ابو عبیدہ کا اب ارادہ تھا کہ دمشق سے سیدھا حمص کو بڑھکر خود ہرقل پر حملہ کرے مگر حضرت عمرؓ نے منع کیا کہ جب تک یونانیوں کی فوج عقب میں ہے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے۔ پس یزید بن ابی سفیان کو دمشق کی حکومت پر چھوڑ کر مسلمانوں کا لشکر فلسطین کی طرف ہٹا اور یرموک کو دوبارہ عبور کر کے فحل میں جا ٹھہرا۔ جہاں یونانیوں کی اسی ہزار فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ یونانیوں نے کھلے مقابلے سے ہراساں ہو کر چاہا کہ دھوکا دیکر غفلت میں مسلمانوں کو دبا لیں۔ مگر شرحبیل کو اُنہوں نے اپنے سے زیادہ ہوشیار پایا جو رات کو بھی آمادہ پیکار اور فوج کے ساتھ تیار رہتا تھا۔ آخر یونانیوں کو شکست ہوئی اور سردار فوج مارا گیا خالد اور آتش مزاج ضرار کی بہادریوں اور جاں بازیوں نے کچھ کام نہ کیا ہو گا۔ مسلمانوں کا لشکر اس فتح اور غنیمت کے حاصل کرنے کے بعد حمص کی طرف بڑھنے کے ارادہ سے دمشق کو لوٹ آیا اور چونکہ کوئی بڑا خطرہ سامنے نہ تھا خالد کے دستہ فوج کو جو عراق سے ساتھ لایا تھا حضرت ابوبکر کی خواہش کے مطابق عراق کو واپس کر دیا گیا۔ اور یزید اور معاویہ اور شرحبیل اور عمرو بن العاص اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ بڑی کامیابی سے مسلمانوں کے فتوحات کو وسیع کر رہے تھے۔ ذو الکلاع حمیری اپنے حمیر کے مضبوط دستہ فوج کے ساتھ دمشق کو شمال کی طرف سے کسی حملہ سے بچانے کے واسطے پڑا ہوا تھا۔ اب چونکہ کسی حملہ کا اندیشہ نہ رہا تھا حمص کو جاتے ہوئے

ایک کا سردار تھیوڈور ہرقل کا بھائی تھا بڑھیں۔ مگر یزید اور خالد کے تیز طوفان کی طرح پہنچنے والے لشکر نے گھیر کر یونانیوں کی فوج کو پاش پاش کر دیا اور دوسری فوج کو ابو عبیدہ نے بھگا دیا اور اس حصہ میں پھر جمع ہونے کے لائق نہ چھوڑا۔ حمص کے راستہ میں بعلبک کو فتح کرتا ہوا مسلمانوں کا لشکر بغیر کسی اور مزاحمت کے حمص میں پہنچ گیا جہاں سے ہرقل انطاکیہ کو چلا گیا تھا۔ حمص کے محاصرہ میں بھی مسلمانوں کو ایک عرصہ دراز تک مصروف رہنا پڑا۔ حمص نے بھی دمشق کی طرح بڑی مضبوطی سے مقابلہ کیا اور عرصہ تک مسلمانوں کو محاصرہ میں تھکایا۔ مسلمانوں سے لڑنے میں وہ بھی سردی کے موسم سے مدد لیتے تھے۔ تمام موسم مسلمان محاصرہ کیے رہے اور لڑتے رہے مگر رومیوں کے پژمردہ دل موسم گرما آنے پر بھی ٹھنڈے ہی رہے اور آخر ہار کر صلح کی درخواست کی۔ خالد اگرچہ صلح کرنے پر راضی نہ تھا مگر ابو عبیدہ نے معمولی شرائط پر صلح کر لی ؛

عیاذہ کو حمص میں متعین کر کے مسلمانوں کا لشکر شمال کو بڑھتا اور متعدد چھوٹے بڑے شہر فتح کرتا گیا خالد نے بڑھکر قنسرین پر یونانیوں کی فوج کو ایک شکست فاش دی۔ حلب اور قیساریہ بھی فتح ہو گئے اور ابو عبیدہ نے انطاکیہ کی طرف رخ کیا جو شمالی شام میں ایک عالی شان شہر اور دنیا کے بڑے دارالخلافوں میں کچھ کم مشہور نہ تھا۔ یونان کی شکستہ فوجیں وہاں جمع ہو گئی تھیں اور جیسا کہ ضروری تھا ایک بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ یونانیوں کا آخری چارہ صلح کر لینے اور مسلمانوں کی قوت کے سایہ میں پناہ لینے کا تھا۔ ہرقل انطاکیہ چھوڑ کر یکے بعد دیگرے وہ جس شہر میں گیا آخر اسکو وہ بھی چھوڑ دینا پڑا۔ کیونکہ خالد اٹل قضا کی طرح اسکے پیچھے تھا اور فتوحات کو بڑھتا چلا جاتا تھا۔ ہرقل آخر کار شام سے مایوس ہو گیا اور حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہوا اور ملک کو خیرباد کہتا ہوا ۱۸ھ ہجری میں قسطنطنیہ میں جا مقیم ہوا۔ شام کا ملک دریائے فرات سے ساحل سمندر تک فتح ہو گیا تھا اور تمام رعایا مسلمانوں کی باجگزار اور پناہ خواہ ہو گئی تھی ؛

اسی اثنار میں عمرو بن العاص اور شرحبیل نے فلسطین کے بہت سے شہر فتح کر لیے تھے اور ویسی ہی کامیابی سے اس مغربی صوبہ کو زیر کرتے جا رہے تھے۔ بطریق ارطفول نے جو فلسطین کا حاکم تھا اپنی مضبوط فوج کے دو حصہ کیے۔ ایک یوروشلیم کی حفاظت کے واسطے چھوڑا اور دوسرا حصہ جو پچاس ہزار سے کم نہ تھا ساتھ لیکر مسلمانوں سے زور آزمائی کرنے کے واسطے اجنادین پر آپڑا۔ اجنادین کی لڑائی جو جنگ یرموک کی طرح نہایت سخت لڑائی تھی ویسے ہی فلسطین کی قسمت کا فیصلہ کرنیوالی تھی۔ ارطفول شکست کھا کر اور اپنی قسمت کا فیصلہ کر کے یوروشلیم کو بھاگ گیا اور عمرو بن العاص ایلیا کے تمام شہر فتح کرتا ہوا یوروشلیم تک پہنچ گیا ارطفول اجنادین پر شکست کھا کر ہمت ہار چکا تھا اور خوف زدہ ہو کر مصر کو بھاگ گیا۔ یوروشلیم کے مقدس بطریق نے لڑائی کی تاب نہ لا کر صلح کر لینے اور شہر کو مسلمانوں کو حوالہ کر دینے کی خواہش کی مگر اس شرط پر کہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرائط صلح مقرر کرنے کے واسطے

وہاں آویں گے۔ حضرت عمرؓ اس کی اطلاع پاکر تیار ہوگئے۔ اگرچہ اصحاب نے اس ارادے کی مخالفت کی مگر اُنہوں نے نہ مانا اور یوروشلیم کو روانہ ہوئے اور سیدھے جابیا میں پہنچے۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا کہ خلیفۂ عرب نے حدود عرب سے باہر قدم رکھا ہو۔ ابوعبیدہ یزید اور خالد اُن کو ملنے کے واسطے آئے اور بعد ازاں بطریق یوروشلیم کی طرف سے ایک سفارت شرائط صلح مقرر کرنے کے واسطے آئی۔ صلحنامہ مرتب کرکے اور دستخط کراکے بطریق کے پاس لے گئے۔ اُس نے بھی منظور کیے اور یوروشلیم اور راملہ کے دروازے کھول دیئے گئے۔ عمرو بن العاص اور شرجیل بھی اب فراغت اور اطمینان حاصل ہونے پر حضرت عمرؓ کے پاس آئے جن کو ساتھ لیکر حضرت عمرؓ یوروشلیم کی طرف روانہ ہوئے اور اس مقدس مقام کو دیکھکر ۱۷ھ ہجری مقدس میں ہی مدینہ واپس آگئے اور اصحاب مدینہ کو نہایت خوشی ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے اس مشہور سفر کے اور واقعات اور جو پُر مروت برتاؤ اور پُر لطف سلوک اُنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ کیا اور جس کے بیان کرنے میں عجیب و غریب غلطیاں کی گئی ہیں آیندہ اپنے موقع پر بیان ہوں گے ؛

عراق و عجم

ایشیائی روم کی فتح کو مکمل دیکھکر اب ہمکو عراق و عجم کے سب سے بڑے جنگ و جدل کے حالات میں سے گزرنے کے واسطے پیچھے جانا پڑتا ہے۔ ہم ماہ رمضان ۱۳ھ ہجری میں مثنیٰ کو بویب کی فتح کے نتائج اکٹھا کرنے میں مصروف چھوڑ آئے ہیں۔ مدائن دارالخلافت ایران میں انقلاب کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ ایرانیوں نے اپنی نئی شکستوں کو رستم اور اپنی نئی ملکہ کی کمزوری سے منسوب کیا اور ورثائے مذکور میں سے کسی شہزادے کو تخت ایران پر بٹھانے کی فکر میں ہوئے اور آخر یزدجرد نامی ایک شہزادہ مل گیا اور تخت نشین کیا گیا۔ اکیس[1] برس کے نوجوان شہزادے کے گرد اُس کے اُمراء اور اعیان و ارکین سلطنت بڑی وفاداری اور سرگرمی سے جمع ہوئے اور بقول سر ولیم میور کے اُن کی پرانی سلطنت کی آگ کسی قدر اُن میں مشتعل ہوگئی۔ فوجیں جمع کی گئیں اور سواد کے شہروں پر پھر قبضہ کرکے شہروں کو مضبوط کر دیا گیا۔ رعایا بھی اپنی قدیم سلطنت کی طرف راغب ہوگئی اور جہاں تہاں مسلمان تھے اُن کو قتل کرنا شروع کیا۔ اور بہت سے مسلمان مار ڈالے۔ مثنیٰ کو ماہ ذیقعدہ ۱۳ھ میں ایک دفعہ پھر حسب ہدایت ہٹ کر دریائے فرات کے اُس پار جا ٹھہرنا پڑا۔ حضرت عمرؓ کے پاس اُس نے

---

[1] ایک روایت اس قسم کی ہے کہ بطریق بیت المقدس نے کہا کہ یوروشلیم اُس شخص کے ہاتھوں فتح ہوگا جسکے نام میں تین حرف ہوں گے۔ اُن کی کُتب قدیم سے یہ امر معلوم ہوا تھا۔ سر ولیم میور کہتے ہیں کہ گو یہ ایک عجیب روایت ہے مگر ممکن ہے کہ اسکی کچھ اصلیت ہو مگر ہماری رائے میں اتنا بھی نہیں ہے۔ کسی ضرورت سے یہ روایت وضع کی گئی ہے جس کی نسبت کئی قیاس کیے جاسکتے ہیں۔ مؤلف ۱۲

اس خطرے کا مقابلہ کیا۔ خود رستم کے فوج ایران کا سپہ سالار ہونے اور آور تمام جنگ آزما مشہور سرداروں کے ساتھ ایک عظیم لشکر لیکر مسلمانوں کے مقابلہ میں بڑھنے کی خبریں پہنچ چکی تھیں۔ عراق میں مسلمانوں کے پانوں جمنے اس سبب سے مشکل تھے کہ ایران کا دارالخلافت مدائن جو تمام قوت کا مرکز تھا اس طرف سے قریب تھا۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ ایک بڑے معرکہ میں اُن کی قوت شکستہ کردیں اور جانتے تھے کہ مدائن کے فتح ہونے تک تمام کوششوں اور فتحوں کا نتیجہ نقصان دہ ہوگا۔ پس اُنہوں نے ارادہ کیا کہ بذاتِ خود میدانِ جنگ میں جائیں اور لشکر کی سپہ سالاری کریں۔ اپنے خاص اصحاب سے اپنے اس ارادے کا ذکر کیا اور مشورہ لیا۔ سب نے اس ارادے کی مخالفت کی اور نہایت اصرار سے منع کیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ نئی فوجیں ایک نئے سپہ سالار کے ماتحت بھیجی جائیں۔ چنانچہ سپاہ اکٹھا ہونے لگی اور پہلا دستہ چار ہزار فوج کا سعد بن ابی وقاص کے ماتحت جو تمام فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا گیا تھا بھیجا گیا اور مثنیٰ اور جریر کو اُس کے ماتحت کام کرنے اور اُسکی اطاعت کرنیکی ہدایت کی گئی ؎

سعدؓ مکہ میں بچپن ہی میں مسلمان ہوا تھا اور اب اُس کی عمر چالیس برس کی تھی۔ سیاہ فام اور پست قد مگر دلیر اور بہادر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تمام عرب میں یگانہ تیر انداز تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو ضروری ہدایات اور رحم اور تلطف کرنے کی نصیحت کرکے روانہ کیا اور متعاقب برابر فوجیں بھیجنے کا وعدہ کیا اور برابر فوجیں بھیجتے رہے۔ طلیحہ اور عمرو بن معدی کرب بنی اسد اور زبید کے لشکروں کے سردار ہوکر گئے جن کی نسبت حضرت عمرؓ نے لکھا تھا کہ "اُن میں سے ہر ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے"۔ اشعث الکندی اپنے قبیلہ کی فوج کے ساتھ اسیطرح اور فوجیں اور قبائل عرب بھیجے گئے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرب میں کوئی جنگ آور شاعر اور مقرر اور سردار نہ چھوڑا جو اس فوج کی امداد کیواسطے نہ بھیجدیا ہو۔ اس طرح پر سعد کے پاس بیس ہزار فوج جمع ہوگئی اور بعد میں جب شام کی فوج اُس سے آملی تھی تو کُل تعداد تیس ہزار تھی۔ غرض اپنی فوج کو ساتھ لیئے ہوئے حیرا سے پندرہ میل جنوب کی طرف مثنیٰ کی فوج سے جاملا مگر افسوس کہ مثنیٰ کا ماہ صفر ۱۴ھ ہجری مقدس میں انتقال ہوچکا تھا اور اسلامی لشکر کے نئے سردار کے واسطے یہ قول وصیت چھوڑ گیا تھا کہ "دشمن سے حدود صحرا پر جنگ کرے"۔ سعد کو اُسکی وفات کی خبر سُن کر نہایت رنج اور افسوس ہوا۔ اُسکے بھائی کی تسکین کی اور مثنیٰ کی وصیت کے موافق تھوڑا آگے بڑھکر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوا جو نام کہ دنیا کی تاریخ میں ایک سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کرنیوالے جنگ کا مقام ہونے کے واسطے شہرت پانے والا تھا۔ سعد ایک عمدہ موقعہ پر لشکر کو ٹھہراکر اور ایک نئی ترتیب سے آراستہ کرکے دشمن کے انتظار میں بیٹھ رہا۔ فوج ایران کا سپہ سالار رستم بھی یہی انتظار کی چال چلنا چاہتا تھا مگر یزدجرد بے صبر ہورہا تھا اور رستم کو آگے بڑھنے کے واسطے تاکیدی حکم دیا ؎

سعد اور حضرت عمرؓ کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت عمرؓ نے سعد سے اُس علاقہ

اور مقام کی کیفیت دریافت کی۔ سعد نے اپنے لشکر اور قادسیہ کے محل کی تفصیلاً کیفیت بیان کی۔ حضرت عمرؓ کا اس کیفیت سے اطمینان ہوگیا اور اُسکو خبرداری اور اُسی جگہ انتظار کرنے کو لکھا اور لکھا کہ سب سے پہلے یزدجرد (یا یزدگرد) کو دعوت اسلام کرنی چاہیئے۔ درحقیقت یہ کلیہ دستور اور قاعدہ تھا اور شام اور عراق وغیرہ میں مسلمان سردار اِسکی برابر پابندی کرتے رہے ہیں کہ سب سے پہلے دعوتِ اسلام کرتے تھے اور دوسرا موقعہ جزیہ قبول کرنے کا دیتے تھے۔ اِن کے منظور نکرنے کی حالت میں ہتھیار اُٹھانے تک نوبت پہنچتی تھی مگر یہ لوگ ہر ایک شہر سے کیا جاتا تھا۔ یہ ایک نئی بات تھی کہ اس زمانہ میں ایک شاہنشاہ کو دعوت اسلام کی گئی۔ مسلمانوں کے لشکر سے چودہ مشہور آدمی جن میں نعمان بن مقرن المزنی۔ اور بشیر بن ابی عازم اور عدی بن سہل اور مغیرہ بن شعبہ اور اشعث الکندی وغیرہ تھے منتخب کرکے یزدجرد کے پاس بھیجے گئے۔ مدائن پہنچکر بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے اور قبولِ اسلام۔ جزیہ یا جنگ کا پیغام پہنچایا۔ یزدجرد نے نہایت حقارت سے عربوں کو ایک ناچیز قوم اور سوسمار کھانیوالی اور پشم شتر پہننے والی اور ایک ننگے بیابان مُلک کے بھوکے آوارہ لوٹیرے کہا اور کہا کہ میں تمکو ایک تحفہ دوں گا اور تم راضی ہوکر لوٹ جاؤ گے۔ مسلمان سفیروں نے بڑی متانت سے اس کا جواب دیا کہ "آپ سچ کہتے ہیں۔ ہم مفلس اور بھوکے ہیں۔ لیکن خدا ہمکو دولت اور طمانیت بخشے گا۔ آپنے اب تلوار کو پسند کیا ہے اور وہی ہمارے درمیان فیصلہ کردیگی" بادشاہ اِن الفاظ سے بھڑک اُٹھا اور کہا کہ اگر تم قاصد نہوتے تو میں سب کو قتل کروادیتا۔ اور ایک مٹی کا ڈھیلا منگوا کر اُن کے سامنے رکھدیا کہ اُسکو اُٹھائے ہوئے شہر کے دروازے سے نکل جاؤ۔ عاصم اُسے اُٹھا کر اُسی طرح لیئے ہوئے قادسیہ پہنچا اور سعد کے سامنے رکھکر کہا کہ لے خدا نے تجھکو ایران کی زمین دی ہے۔

رستم اب زیادہ انتظار نہیں کرسکتا تھا۔ ہاتھی اور سوار اور پیادہ فوج حشرات الارض سے بھی زیادہ اُسکے پاس جمع ہوچکی تھی۔ بعضے اُسکی تعداد دو لاکھ اندازاً بتاتے ہیں اور بعض ایک لاکھ بیس ہزار بیان کرتے ہیں جسکے سردار رستم کے ماتحت جالینوس۔ ہرمز اور مہران اور فیروزان وغیرہ ایران کے منتخب سپہ سالار تھے۔ باوجود اس قوت اور قوی فوج کے رستم کے دل پر مُسلمانوں کا خوف اور ہیبت طاری تھی اور آہستہ آہستہ اس خیال سے بڑھتا تھا کہ مُسلمان سامان رسد سے تنگ ہوکر منتشر ہوجاوینگے۔ غرض اسی طرح تین چار مہینے گزار کر نجف سے گزر کر مُسلمانوں کی فوج کے قریب پہنچا اور دریا کے مقابل طرف مقیم ہوا۔ مسلمانوں کی فوج اِس انتظاری اور بیکاری سے تنگ آگئی تھی اور بڑی مشکل سے سعد اُن کو روکے ہوئے تھا۔ غنیم کی فوج کے قریب پہنچنے سے بقول سر ولیم میور کے اس طرح مضطرب ہوئے جس طرح کہ "ایک شیر اپنی کمین میں خونخوار جست سے حملہ کرنے کے وقت ہوتا ہے۔ رستم کی رضامندی سے مُسلمانوں کے تین قاصد ربعیہ۔ حذیفہ اور مغیرہ اُسکے پاس گئے اور قبول اسلام اور جزیہ یا جنگ کا پیام اُسکو پہنچایا مگر تلوار ہی کو قبولیت کی عزت حاصل ہوئی۔ سعد تو اپنی جگہ سے جہاں پہلے روز خیمہ زن ہوا تھا حرکت نہیں کرتا تھا۔ رستم کو دریا عبور کرنا پڑا اور تیس ہاتھیوں اور اپنے تمام لشکر کے ساتھ گزر آیا۔ دریا کے

مُسلمانوں کی فوج اپنے سپہ سالار کو نہ دیکھکر حیران اور شاکی ہوئی۔ مگر سعد بیمار تھا اور گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ آخر فوج کے درمیان آکر اُسکو آرام کیا اور اُن کے دل بڑھانے کی ہر ایک تدبیر عمل میں لایا دوپہر کے بعد لڑائی شروع ہوئی اور مبارزہ اور دست بدست لڑائی سے آغاز ہوا غالب اور عاصم اور عمر بن معدی کرب نے بڑی بہادری سے اپنے رقیبوں کو مارا۔ غالب اپنے رقیب ہرمز کو جو شاہزادوں میں سے تھا زندہ پکڑ لایا اور سعد اُسکے تاج کے سعد کے پیش کر دیا۔ رستم نے اس پہلی بدشگونی سے بے لطف ہو کر ہاتھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا۔ ایرانیوں کا بڑا بھروسہ انہیں مہیب حیوانوں پر تھا جن پر جھنڈوں اور ہودوں سے بلندی پر بلندی چڑھائی ہوئی تھی۔ ان روان قلعوں کو دیکھکر عرب کے گھوڑے ڈرنے اور بدکنے اور بھاگنے لگے اور لشکر میں ہلچل اور پریشانی پیدا ہوئی۔ بنی اسد نے بڑھکر حملہ کو اپنے پر لیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر سعد نے عاصم کو کہا کہ جس طرح بن پڑے اس خطرے سے نجات پانی چاہیئے۔ بہادر عاصم فوراً بنی تمیم کے ہوشیار تیر اندازوں کی ایک جماعت کے ساتھ بڑھا۔ مہاوتوں اور سواروں کو چن چن کر گرا دیا اور بڑی بہادری سے زیر بند کاٹ کر ہودوں کو گرا دیا۔ ہاتھی بے مہاوتوں کے بھاگے اور اس آفت سے نجات ہوئی۔ رات کی تاریکی نے میدان کارزار پر پردہ ڈالدیا اور فوجیں ہٹ کر اپنے اپنے خیموں میں آن پڑیں ؛

دوسرے دن صبح مقتولوں اور مجروحوں کی تدفین اور خبر گیری میں گزری لڑائی شروع ہونے تک دن کے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ پہلے دن کی لڑائی نے مُسلمانوں کے دلوں کو کچھ تقویت نہ دی تھی مگر اس وقت ایک امداد غیبی نے اُن کے دل بڑھا دیئے ؛

شام سے جنگ نہاوند کے بعد جو خالد کی عراق کی فوج قعقاع کے ماتحت عراق کو واپس بھیجی گئی تھی مسلمانوں کے لشکر سے نظر آنے لگی۔ فوج کا بڑا حصہ تو قعقاع ہاشم کے ماتحت پیچھے چھوڑ آیا تھا کہ سہولت سے پہنچے۔ صرف ایک ہزار فوج اُس کے ساتھ تھی جس کو اُس نے سو سو کے دستوں میں فاصلہ سے میدان میں پہنچنے کو کہا۔ ان دستوں کے یکے بعد دیگرے "اللہ اکبر" کے نعرے بلند کرتے ہوتے آنے نے وہی کام کیا جو دس ہزار فوج کی آمد کر سکتی تھی۔ مُسلمانوں کے دل جس قدر بڑھتے تھے ایرانیوں کے دل اُسیقدر ڈوبے جاتے تھے۔ قعقاع نے سیدھا میدان جنگ کی طرف رُخ کیا۔ سعد اور اپنے دوستوں سے ملتا ہوا دونوں لشکروں کے بیچ جا کھڑا ہوا۔ ذوالحاجب جس نے واقعہ جسیر (پل) میں مُسلمانوں کو شکست دی تھی اور ابو عبید کو قتل کیا تھا قعقاع سے مبارزہ کیواسطے نکلا۔ قعقاع نے اپنے دشمن کو پہچان لیا اور کہا کہ آج ابو عبید اور اپنے مقتولوں کا بدلہ لوں گا۔ اور پہلے ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ ایرانی فوج کے دلیر پے در پے بڑھنے اور قعقاع اور اُس کے ساتھیوں کے ہاتھ سے مارے جانے لگے۔ ہاتھیوں کے ساز کی مرمت نہیں ہوئی تھی اور وہ اُس روز میدان میں نہیں لائے گئے تھے۔ ایرانیوں کے سواروں کی فوج کے پانوں اُکھڑ گئے اور رستم بڑی مشکل سے بچا

تاہم پیادہ فوج اُستوار رہی اور نہایت سخت لڑائی ہوئی۔ دس ہزار ایرانیوں اور دو ہزار مسلمانوں کی لاشیں میدان میں تھیں۔ رات نے اس خوں ریزی کے کھیل کو بند کر دیا۔

تیسرے دن کی صبح کا پہلا اندوہناک کام مجروحوں کو عورتوں کی خبر گیری میں سپرد کرنا اور مقتولوں کو میدان سے اُٹھانا تھا۔ ایرانیوں کی فوج کے دل اپنے اُن مُردوں سے جو میدان جنگ میں پڑے ہوئے تھے اور اُن کے اُٹھانے اور دفن کرنے کی کسی کو فکر نہ تھی کچھ اچھے نہ تھے۔ لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ شام کی بقیہ فوج ہاشم کے ماتحت آن پہنچی اور میدان سے گزرتی ہوئی سیدھی دشمن کی صفوں کو چیر کر دریا کے کنارے تک پہنچ گئی اور مسلمانوں کے خوشی کے نعروں کے ساتھ واپس آئی۔ یزدجرد نے جس کے پاس ہر ساعت کی خبریں پہنچ رہی تھیں اپنی محافظ فوج بھی فوج ایران کی مدد کیواسطے بھیج دی۔ ہاتھی مسلمانوں کو اپنی کوششوں کی طرف سے پھر مایوس کرنے لگے تھے۔ سعد نے قعقاع کی طرف اشارہ کیا جو اپنی شجاعت اور دلیری میں ایسا نام پا چکا تھا کہ گویا فتح اُسی کے نام ہونے والی تھی۔ صرف مبارزے میں تیس بہادر ایرانیوں کو قتل کر چکا تھا۔ پس قعقاع اور عاصم اور ایک جماعت دلیر مسلمانوں کی اس خطرناک کام کے واسطے بڑھی۔ قعقاع نے بڑے سفید ہاتھی کو ایک آنکھ میں بڑھکر نیزہ مارا اور زخمی کر دیا۔ قعقاع کو اُس نے سونڈ سے اُٹھا کر پرے پھینک دیا۔ ایک دوسرا بڑا ہاتھی بھی اندھا کر دیا گیا۔ دونوں ہاتھی لشکر کے درمیان میں چیخیں مار کر دوڑنے لگے۔ ایرانیوں کی فوج کی صفیں چیرتے ہوئے نکل گئے اور باقی تمام ہاتھی بھی اُن کے پیچھے بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر تک تو فوجیں اس تماشا کو دیکھتی رہیں مگر پھر لڑائی شروع ہو گئی اور تاریکی ہو جانے تک رہی۔

اندھیرا ہو جانے پر لڑائی بند ہو گئی۔ سعد نے عمرو بن معدی کرب اور طلیحہ کو اپنی فوج کی پشت کی حفاظت کرنے کے واسطے بھیجدیا۔ ایک ساعت کی ساعت لشکروں نے آرام لیا تھا کہ بعض عرب سردار اپنے قبائل کے نام و نسب کو ایرانیوں کے ڈرانے کے واسطے پکارنے لگ گئے۔ اس حرکت نے جس کی پہلے سعد کو خبر نہ تھی دونوں فوجوں میں لڑائی شروع کرا دی۔ سعد کو تمام رات سوائے شور و غل کی آواز کے اور کچھ سُنائی نہ دیا اور رات بھر دُعا مانگنے میں مصروف رہا۔ صبح کے آفتاب نے بھی دونوں فوجوں کو برابر کی لڑائی میں مصروف دیکھا۔ قعقاع پھر اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ ایک سخت حملہ دشمن کا کام تمام کر دے گا۔ جیت اُن کی ہوتی ہے جو آخر تک ثابت قدم رہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں سپاہیوں نے آنکھ نہیں جھپکی تھی اور اب مسلمان گویا تازہ دم حملہ کرنے کے واسطے اُٹھے۔ اس حملہ نے ایرانیوں میں مقابلہ کی تاب نہ چھوڑی۔ فوج کے دونوں بازوؤں کے پانوں اُکھڑنے لگے۔ ایک سخت حملہ نے اُن کے مرکز کو بھی ہلا دیا اور سپاہی بھی بھاگے۔

رستم کے تخت کا سامنا کھل گیا اور بے پناہ ہو گیا۔ ایک تند گرم ہوا نے اُسکے چھتر کو اُڑا کر دریا میں پھینکدیا رستم بھاگا اور ایک لدے ہوئے اُونٹ یا خچر کے نیچے پناہ لی۔ ہلال بن علقمہ ایک مسلمان نے اُس کا تنگ کاٹ دیا اور اُس کا بوجھ اُسکی کمر پر گر گیا۔ نیچے سے کھسک کر نکلا اور دریا میں غرق ہونے کے ارادے سے

ہو کر اعلان کر دیا۔ فوج کی رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی اور دیوانہ وار بھاگنے لگے۔ ہرمزان اور فیروزان نے اپنی اپنی فوج کے دستوں کو مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے دریا سے عبور کرا دیا۔ جالینوس کی فوج کا تھوڑا حصہ گزرنے پایا تھا کہ پل کا بند ایرانیوں کی اس پار کی فوج نے شاید تعاقب سے بچنے کے واسطے کاٹ دیا۔ جالینوس نے فوج کو اکٹھا کر کے مقابلہ کرنے کی بیفائدہ کوشش کی اور خود بھی مارا گیا۔ تمام میدان مقتولوں کی لاشوں سے بھر گیا لاکھ سے کم آدمی قتل نہیں ہوئے تھے۔ پہلے دو دنوں میں اڑھائی ہزار مسلمان قتل ہوئے تھے اور تیسرے دن اور رات میں چھ ہزار مقتول شمار میں آئے۔ ایرانیوں کے نقصانِ جان اور مال کا حساب کرنا بے فائدہ ہے قادسیہ کی شکست نے اُن کی تمام سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا اور وہ مسلمانوں کی تھی۔ اس عظیم جنگ کے پہلے تین دن ارماث اغواث اور عماس کے نام سے اور آخری رات حریر کے نام سے بعض خاص مناسبتوں کے لحاظ سے موسوم کیے گئے ہیں۔

سنہ ۱۶ ہجری کے رمضان مہینہ میں جنگ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے جس طرح پر اس عظیم اور بے نظیر فتح کی خبر کو سنا وہ بھی ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ جس قدر زمانہ اس لڑائی کی تیاری اور جنگ میں صرف ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ تمام ملک بڑی تشویش اور شوق سے اس کا نتیجہ معلوم کرنے کا منتظر تھا۔ حضرت عمرؓ ہر صبح مدینہ سے باہر آکر اس خیال سے کہ کوئی قاصد خبر لیکر آجائے بیٹھ رہا کرتے تھے۔ آخر کار ایک صبح کو ایک قاصد آتا ہوا نظر آیا اور حضرت عمرؓ کے سوال پر اس نے جواب دیا کہ "خدا نے مسلمانوں کو فتح اور ایرانیوں کو شکست نصیب کی ہے" حضرت عمرؓ بلا شناخت اس کے ساتھ ساتھ شہر کو چلتے گئے اور تمام کیفیت لڑائی کی پوچھ لی۔ مدینہ میں جب داخل ہوئے تو لوگ حضرت عمرؓ کے گرد جن کے ساتھ قاصد سوار چلا آرہا تھا مبارکباد دینے کے واسطے جمع ہو گئے تب قاصد نے پہچانا اور نادم ہو کر کہنے لگا کہ "یا امیر المومنینؓ آپ نے پہلے مجھے کیوں نہ معلوم ہونے دیا" حضرت عمرؓ کا مختصر اور سادہ جواب یہ تھا کہ "بھائی یہی بہتر ہے" یہ متانت اور سنجیدگی اور وقار اور تحمل اور فراخ حوصلگی اور دنیا سے استغنا اور بے پروائی تھی اُس شخص کی جس کے سامنے بقول سر ولیم میور کے "اُس وقت قیصر اور کسریٰ کی بھی کوئی حقیقت نہیں تھی"۔

سعد کچھ زمانہ تک حضرت عمرؓ کے حکم کے موافق قادسیہ میں ٹھہرا رہا۔ جب بالکل تندرست ہو گیا تو آخر سنہ ۱۶ ہجری میں تیسری دفعہ حیرا پر قبضہ کرنے کے واسطے بڑھا۔ ایران کی فوج مقابلہ کرتی اور شکستیں کھاتی ہوئی پیچھے ہٹتی جاتی تھی۔ ہاشم نے اُن کو پے در پے شکستیں دیکر فرات سے دجلہ تک کا میدان صاف کر دیا۔ درحقیقت قادسیہ کی فتح نے مدائن کا راستہ صاف کر دیا تھا۔ یہ عظیم الشان شہر جو صدیوں سے ایران کا دارالسلطنت تھا دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر بغداد کی آبادی سے پندرہ میل نیچے پر واقع تھا۔ دائیں جانب کا شہر سکندر اعظم اور اُس کے جانشینوں کا پایۂ تخت رہ چکا تھا اور مقابل کا شہر کسریٰ ایران کا موسم سرما بسر

کرنے کا مقام تھا۔ کیان ایران کی یادگاروں کا مدفن شان اور شوکت میں بابل سے بھی بڑھا ہوا تھا مسلمان مدائن کی طرف بڑھے مگر ملکہ بوران کی رگوں میں ایک فہ پھر خون نے جوش مارا اور اپنی تمام قوت کو جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں لے آئی مگر ہاشم نے ایسی فاش شکست دی کہ نقصان اُٹھا کر بھاگنے کے سوا کچھ چارہ نہ دیکھا اور مسلمانوں کا لشکر مغربی مدائن کی دیواروں تک پہنچ گیا۔ کئی مہینوں تک محاصرہ رہا اور ایرانی آخری دفعہ مبارزہ کیواسطے اور مقابلہ کرنے کو نکلائے۔ مگر محاصرہ ایسی سختی سے کیا گیا کہ آخر یزدجرد نے مسلمانوں کے پاس ایک قاصد بھیجا اور کہا کہ دجلہ کے مشرق کے ملک کو اگر نہ چھیڑا جائے تو تمام مغربی جانب کا ملک خامندی سے دیدیتا ہوں مگر یہ منظور نہ کیا گیا۔ ایرانی اس عرصہ میں مغربی شہر کو خالی کر کے مشرقی حصہ میں چلے گئے اور مسلمان بلا مزاحمت مغربی حصہ میں داخل ہو گئے۔ مغربی اور مشرقی حصہ کے درمیان میں دریا واقع تھا اور کشتیاں وغیرہ سب ایرانیوں کے قبضہ میں دریا کے اُس طرف تھیں۔ کچھ عرصہ انتظار کر کے اور دریا کا ایک مقام سے پایاب ہونا معلوم کر کے اگرچہ دریا طغیانی پر تھا سعد نے پار اُترنے کا خطرناک ارادہ کیا۔ ایک فوج کے چند حصہ کر کے پہلے حصہ کو عاصم کے ماتحت دریا میں گھوڑا ڈال دینے کو کہا۔ ایرانی سامنے سے حملہ کرنے کے واسطے آئے مگر عاصم کی بہادری نے ایسی نازک حالت میں بھی اُن کے موضہ پھیر دیئے۔ پہلے دستہ کا سلامت اُس کنارے پر پہنچنا تھا کہ سعد باقی لشکر کے ساتھ دریا میں کود پڑا اور اُس کنارے پر پہنچ گیا۔ ایرانی بدحواس ہو کر بھاگ گئے۔ یزدجرد پہلے ہی سے حلوان کی طرف خزاین اور اسباب جو لیجا سکا لیکر بھاگ گیا تھا۔ اب مدائن کے مالک مسلمان تھے۔ سنہ ۱۶ھ کا صفر کا مہینہ تھا۔ وہ ایوان اور وہ محل۔ وہ عالی شان مکانات۔ وہ کوشکیں اور باغات۔ وہ خزائن اور عیش و عشرت کے بے حد و پایان اسباب۔ نہریں اور چشمہ دیکھکر سعد کو خداوند تعالیٰ کا فرمان یاد آیا ؎

کم ترکوا من جنّٰتٍ وعیونٍ۔ وزروعٍ ومقامٍ کریمٍ۔ ونعمةٍ کانوا فیها فٰکهین۔ کذٰلك واورثنها قوماً اٰخرین۔ فما بکت علیهم السّماء والارض وما کانوا منظرین ؎

ترجمہ:۔ کتنے چھوڑ گئے باغ اور چشمہ اور کھیتیاں اور گھر خاصے اور آرام جس میں تھے باتیں بناتے اسیطرح اور وہ سب ہاتھ میں ڈالا ہم نے ایک اور قوم کے اور پھر نہ رویا اُن پر آسمان اور زمین اور نہ ملی ڈھیل اُن کو"؎

غنیمت جو مدائن میں جمع کی گئی وہ حد اور اندازے سے باہر تھی اور عدد و شمار میں نہیں آسکتی تھی۔ خزانے۔ زر و جواہرات۔ سونے اور چاندی کے ذخیرہ۔ جامہ اور سلاح اور فرش۔ قعقاع نے ایک اُونٹ یا خچر پکڑی تھی جس پر کسریٰ کا تاج اور زرہ اور جوشن اور خود اور ساعدیں اور ساقیں زرین جواہر نگار اور پیراہن مروارید سے بنا ہوا جن میں دو مروارید کے بعد ایک پارہ یاقوت سُرخ کا تھا اور جامۂ زربفت حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان کی تلواریں اور نو اور مرصع تلواریں دنیا کے مشہور شاہنشاہوں کی تھیں۔ غرض اس بے شمار خزانہ کا شمار اس طرح بھی پورا نہ ہو سکا کہ ایک سونے کا پورے قد کا گھوڑا جسکی آنکھوں اور

دانتوں کی جگہ جواہرات ملے تھے اور چاندی کا اونٹ ملا۔ عطر۔ صندل۔ عنبر۔ [illegible] اور [illegible]
اور انبار ملے۔ ایک فرش سربسر مرصع تین سو گز لمبا اور ساٹھ گز چوڑا جس کو دستانی کہتے تھے ملا۔ جس پر
زمرد اور یاقوت اور جواہرات سے باغ اور روشیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ فرش اور تمام خوشبوئیں اور خمس غنیمت کا
حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدیا گیا اور باقی لشکر میں تقسیم کیا گیا جو ایک بڑا مشکل کام تھا۔ ساٹھ ہزار سواروں
میں سے ہر ایک کو بارہ ہزار درہم حصہ میں آئے۔ حضرت عمرؓ نے غنیمت کو تقسیم کرنے کے بعد فرش شاہی کو
کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹا۔ حضرت علیؓ کے حصہ کے ٹکڑے کی قیمت بیس ہزار درہم تھی۔ یاد رہے
کہ ممکن اختصار کے ساتھ ہم یہ حالات لکھتے ہیں ؛

سعد نے مدائن کو اپنا صدر مقام بنایا۔ محلات اور مکانات مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ شاہی محل میں خود
ٹھہرا اور ایوان شاہی کو مسجد قرار دیا۔ جس عالی شان مکان میں کہ عراق میں سب سے پہلی نماز جمعہ پڑھی گئی۔ مسلمانوں
کی فوج نے بہت عرصہ آرام نہ کیا تھا کہ ایرانیوں نے ایک نئی کوشش فوج کے جمع کرنے کی کی اور جلولہ کے قلعے میں
اکٹھے ہوئے۔ سعد نے یہ سن کر حضرت عمرؓ سے اجازت لیکر ہاشم اور قعقاع کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔
عرصہ تک قلعہ کا محاصرہ رہا۔ کیونکہ حلوان سے تازہ کمکوں سے قلعہ مضبوط ہوتا جاتا تھا۔ آخر ایک طوفانی دن کو قعقاع
نے خطرناک دلیری کر کے لوٹتی ہوئی فوج کے ساتھ بڑھکر ایک دروازہ پر قبضہ کر لیا۔ لڑائی سخت ہوئی۔ چنانچہ روایت
کرتے ہیں کہ ایرانی ایک لاکھ لاشیں چھوڑ گئے۔ یزدجرد کو اب حلوان میں ٹھہرنے کی تاب نہ تھی شکستہ فوج کے
بقیہ کے ساتھ اپنے شمالی دارالخلافہ رے کو بھاگا اور قعقاع نے حلوان کی فوج کو شکست دیکر اسپر بھی قبضہ
کر لیا۔ سعد کا ارادہ رے کی طرف بڑھنے کا تھا مگر حضرت عمرؓ نے احتیاطاً اسی وقت بڑھنے سے منع کیا۔ مشرقی
ایران اور عراق کے درمیان جو پہاڑ تھا اس کو فی الحال اپنی فتوحات کی حد قرار دینے اور اسی طرف رہنے کی
ہدایت کی ؛

اب مسلمانوں کا کام عراق عرب پر کما حقہ اپنا تسلط بٹھانے اور مفتوحہ حدود کے اندر رعایا کو مطیع فرمان
کرنے اور اسی قسم کا تھا۔ مگر ان حدود میں جو خلل انداز ہو اس سے جنگ کرنا لازمی تھا۔ ہرمزان کا ایک بیٹا فوج لیکر
حلوان کے جنوب کی طرف ماسندان تک بڑھ آیا مگر شکست کھا کر مارا گیا اور ماسندان اور شروان فتح ہو گیا۔ جزیرۂ
عراق اور شام کا درمیانی صوبہ اہل شام اور عیسائی اعراب اقوام کو بغاوت کے واسطے جمع ہونے کو جگہ دے رہا تھا
اور انطاق حاکم صوبہ اپنی قوت بڑھا رہا تھا۔ سعدؓ نے حضرت عمرؓ سے یہ کیفیت عرض کی۔ انہوں نے عبداللہ
بن المعتمر کے ماتحت فوج بھیجدینے کا حکم دیا۔ قلعہ تکریت میں جو مدائن سے سو میل اوپر دریا کے کنارے پر
ایک شہر تھا انطاق مع مددگار اقوام کے پڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی فوج پہنچنے پر محصور ہو گیا۔ مسلمانوں نے چالیس روز
تک محاصرہ رکھا۔ عرب اقوام نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور باقی فوج نے لڑائی میں شکست کھائی۔ انطاق کے مارے جانے سے موصل بھی
فتح ہو گیا اور سعد نے حضرت عمرؓ کے حکم سے ہت اور کرکیسا کو بھی فتح کر لیا تھا گویا جزیرہ کے دونوں دریاؤں کے بیچ کے جنوبی حصہ پر قبضہ ہو گیا۔

نہیں ہوسکتا جبتک کہ خلیج فارس کے سرے سے اُس کے مشرقی کوہستانی علاقہ تک مُلک فتح نہ ہوجائے۔ پس سعد کی رائے سے عتبہ بحرین کی فوج کے ساتھ معہ عرفجہ کے اُبلہ کی طرف بڑھنے کے واسطے بھیجا گیا۔ یہ تجارتی شہر شکست کھاکر مفتوح ہوگیا۔ تب ایرانیوں نے دریا کے مشرقی کنارے پر لشکر جمع کیا اور متعدد لڑائیوں کے بعد اُس کے منتشر کرنے میں کامیابی ہوئی جن میں سے ایک لڑائی میں مُسلمان عورتوں کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے ایک نازک وقت میں عجیب طرح سے اپنی فوج کی مدد کی کہ اپنے دوپٹوں کے جھنڈے بناکر میدانِ جنگ میں جا پہنچیں جسکو دشمن نے مُسلمانوں کی ایک تازہ فوج کی آمد سمجھا اور دِل چھوڑکر بھاگ نکلے۔ آخر ایک سخت لڑائی میں مُسلمانوں کو قطعی فتح حاصل ہوئی تھی اور عراق پر مُسلمانوں کا تسلط ہوگیا تھا۔ تاریخوں کے اعتبار سے یہ واقعات آگے پیچھے لکھے گئے ہیں۔ مثلاً جلولہ کی فتح ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۶ ہجری میں ہوئی۔ مسندان موسم گرما سنہ ۱۶ ہجری میں فتح ہوا۔ ہت اور کرکیسیا سنہ ۱۸ ہجری میں اور یہ شاتہ العرب کا صوبہ سنہ ۱۴ ہجری میں فتح ہوا۔

درحقیقت فتح مدائن کے بعد فوج کشی کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے روک دیا تھا اور عرصہ تک اپنی حدود سے باہر مُسلمانوں کے ہتھیار نہیں گئے تھے۔ جنوبی عراق کے مشرق میں ایران کا جنوبی مغربی صوبہ اہواز واقع تھا۔ علاء بن الحضرمی جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ سے بحرین کا خود مختار حاکم تھا اُس نے سعد کی ناموری کے رشک سے حضرت عمرؓ کی بلا اجازت مشرق کی طرف چھیڑ چھاڑ شروع کردی اور اصطخر پر بڑھا اور نادانی سے شکست کھاکر دشمن کے درمیان میں گھر گیا۔ حضرت عمرؓ اِس حال کو معلوم کرکے علاء سے ناراض ہوئے مگر اُس کی مدد کرنی ضروری تھی۔ عتبہ کے نام حکم ہوا جو بارہ ہزار فوج کے ساتھ بصرہ (بصرہ اور کوفہ اِس وقت آباد ہوچکے تھے) سے روانہ ہوا اور بڑی مشکل سے علاء کی فوج کے ساتھ مِلکر دشمن کو شکست دیکر ہٹا دیا اور بصرہ کو لوٹ آیا۔ عتبہ کی فوج نے اگرچہ بہت شہرت حاصل کرلی تھی اور حضرت عمرؓ نے اُسکو تحسین اور آفرین کی تھی مگر علاء کی شکست نے ایرانیوں کو پھر حوصلہ دلایا اور ہرمزان جو اہواز کا حاکم ایران کے شاہی خاندان میں سے ایک مشہور بہادر شخص تھا اور جنگ قادسیہ وغیرہ میں فوج ایران کا افسر تھا مُسلمانوں کی حدود میں بڑھکر مقامات پر حملہ کرنے لگ گیا۔ اِن حملوں کے روکنے کے واسطے مُسلمانوں کو فوج کشی کرنی پڑی۔ ہرمزان نے پہلی شکست کھاکر سنہ ۱۸ ہجری میں اہواز مُسلمانوں کے حوالہ کردیا۔ دوسری شکست رام ہرمز پر کھائی اور اُسپر بھی سنہ ۱۹ ہجری میں مُسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور ہرمزان نے تنگ ہوکر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالہ کردیا کہ اسکو حضرت عمرؓ کے پاس اُسکی نسبت فیصلہ کرنے کے واسطے بھیجدیا جائے۔

پس ہرمزان کو بند میں اپنے مفسدوں کا جواب دینے کے واسطے حضرت عمرؓ کے پاس مدینہ

حضرت دانیالؑ کی قبر تھی ایک عرصہ کے محاصرہ کے بعد فتح کرلیا اور اُسکے قرب و جوار کا علاقہ بھی فتح ہوگیا۔ اِن فتوحات کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ روایتیں سنہ ۱۷ سنہ ۱۹ بلکہ سنہ ۲۰ ہجری بھی بیان کرتی ہیں ؛

شام میں بغاوت

حضرت عمرؓ کے چھٹے سالِ خلافت سنہ ۱۷ ہجری میں شمالی شام میں جزیرے کے عیسائیوں کی باغیانہ ترغیبوں سے ایک آخری اور نہایت سخت کوشش مُسلمانوں کے غاشیہ اطاعت کو اپنے کندھوں سے پھینکدینے کی کی گئی۔ مُسلمانوں کا اگرچہ بلادِ مفتوحہ کی حدود کے اندر مضبوطی سے تسلّط ہوچکا تھا مگر سمندر کی طرف مغربی بندرگاہ اور صحرائے شام کے مشرقی کنارے کی قومیں پورے طور پر مطیع نہ ہوئی تھیں۔ جزیرے کے بھی گو بہت سے قلعہ سعد کے آگے سر جھکا چکے تھے لیکن اعراب کی خانہ بدوش اور آوارہ گرد قومیں اپنے آپ کو کسی کا مطیع نہ سمجھتی تھیں اور اکثر عیسائی اقوام درمیان میں ایسی پڑی تھیں جو مدد کیواسطے ایران اور اہل روما کی طرف تک رہی تھیں۔ یونانیوں کی بحری قوت بھی اِس وقت تک محفوظ تھی۔ قیساریہ کُھلم کھلا اُن کی مدد کے واسطے آمادہ تھا۔ غرض اہل جزیرہ اور دوسرے عناصر بغاوت نے قیصر سے مدد چاہی اور اُس نے سمندر کے راستہ سے مدد بھیجنے کا وعدہ کیا۔ پس باغی اقوام نے بے شمار تعداد میں جمع ہوکر حمص کو گھیر لیا جس سبب سے اِس واقعہ کو واقعہ حمص الاخریٰ کہتے ہیں۔ اور قیصر نے بندر اسکندریہ سے انطاکیہ پر فوج بھیجی۔ ابو عبیدہ حمص میں حاکم تھے۔ حضرت عمرؓ کو اِس مفسدہ کی جو درحقیقت مسلمانوں کی حکومت کو ایک اندیشناک دھمکی دے رہا تھا اطلاع دی۔ خالد کو قنسرین سے بُلالیا۔ یزید بن ابی سفیان کو دمشق سے اور معاویہ کو قیساریہ سے طلب کیا مگر دشمن کی جمعیت اتنی زیادہ اور مضبوط تھی کہ اِس قلیل فوج پر اعتماد نہیں ہوسکتا تھا۔ اور مدینہ سے مدد آنے کا انتظار کرنا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے سعد کو حکم دیا کہ قعقاع کو ایک مضبوط اور بڑی فوج کے ساتھ فوراً حمص کی مدد کیواسطے بھیجدے۔ اور رقہ اور روہا اور نسبین پر بھی فوجیں بھیجکر مفسدوں کی طاقت کو تقسیم کرنے کی کوشش کرے۔ اِسی اثناء میں یونانیوں کی فوج انطاکیہ میں پہنچ گئی تھی۔ انطاکیہ نے اِس فوج پر اپنے دروازے کھولدیئے اور مُسلمانوں سے باغی ہوگیا۔ قنسرین اور حلب بھی بغاوت پر پورے آمادہ ہوگئے۔ غرض بغاوت اور مخالفت کا ابر گہرا ہوکر چھا گیا اور تردد اور اندیشہ بڑھ گیا۔ ابو عبیدہ نے اپنے اصحاب سے مشورہ لیا۔ بیدھڑک اور نڈر خالد کی اکیلی رائے جنگ کرنے کی تھی۔ مگر باقی سب مدد آنے تک حمص میں انتظار کرنے کی صلاح دیتے تھے۔ ابو عبیدہ کی محتاط طبیعت نے اسی کو ترجیح دی اور حمص میں محصور رہنا پسند کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی حکم دیا مگر اُن کو اس بغاوت سے اِسقدر اندیشہ ہوا کہ خود مدینہ چھوڑ کر فوج کے ساتھ شام کو روانہ ہوئے جہاں وہ خود میدان میں پہنچنا چاہتے تھے اور جابیہ تک پہنچ ہی گئے۔ اِسی اثناء میں سعدؓ نے جو حضرت عمرؓ کے حکم سے بلادِ موصل کے شہروں پر چڑھائی کردی تھی اُس سے اعراب اور عیسائیوں کو اپنے گھروں کا نہایت خطرہ ہوا اور شام میں یونانیوں کا

ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ ابو عبیدہ اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے اور قتال کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن کو شکست فاش دیکر منتشر کر دیا۔ حضرت عمرؓ یہ خبریں سنکر خوش ہوئے اور جابیہ سے مدینہ کو پھر آئے۔ سعد کی ہمت اور تیز دستی پر بھی آفرین کی ؛

قیصر کی یہ سب سے آخری کوشش تھی کہ مسلمانوں کو شام سے نکال دے مگر مستحقین سے اُن کا مقسوم اور حق کون چھین سکتا ہے۔ نتیجہ اس بغاوت کا یہ ہوا کہ مسلمان چوکنے ہو گئے اور جزیرہ تمام تر اسکی انتہائی حدود تک فتح ہو گیا۔ ایشیائی کوچک میں بھی عیادہ کے سپہ سالارانہ ہاتھوں نے فتوحات کو مکمل کر دیا۔ تمام چھوٹے بڑے شہر فتح ہو گئے اور آرمینیا تک مسلمانوں کا تسلط ہو گیا۔ عمرو بن العاص نے معاویہ کی مدد سے آخر کئی سال کے محاصرہ کے بعد قیساریہ کی فتح کو مکمل کر کے شام کو مسلمانوں کے قبضہ میں ایسا محفوظ کر دیا کہ اب کوئی اندیشہ کسی قسم کا نہ رہا ؛

فتح مصر

وبا اور قحط کے سال نے تو گویا مسلمانوں کے ہتھیار کند کر دیئے تھے۔ جب اس بلا سے نجات ملی تو مشرق کی طرف ایران میں اور مغرب میں مصر کی جانب مسلمانوں کے قدم بڑھنے لگے۔ عمرو بن العاص قیساریہ کی فتح کے بعد فلسطین میں جس میں وہ پورا تسلط بٹھا چکا تھا بیکاری کے سبب سے شیر کی طرح پنجرہ میں بیقرار تھا اور اپنے چاروں طرف فتوحات کے لئے میدان کے واسطے دیکھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ سے پچھلے سفر شام میں (جس کا ذکر آئندہ ہوگا) مفرد بطریق فلسطین ارطفول کا تعاقب کرنے وغیرہ کے بہانہ سے مصر کی طرف قدم بڑھانے کی اجازت چاہی تھی جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس وقت گو پختہ طور سے نہیں مگر منظور کر لیا تھا ؛

مصر اہل روما کے زیر حکومت سب سے بڑا سرسبز اور زرخیز ملک تھا اور قسطنطنیہ کی گویا وہی پرورش کرتا تھا۔ سکندریہ مصر کا دارالخلافہ اہل روما کی سلطنت میں دوسرے درجہ کا شہر تھا۔ مصری باشندوں کے علاوہ اُس میں اہل روما اور یونانیوں اور اہل عرب اور قبطیوں اور عیسائیوں اور یہودیوں کی آبادی اور بہت آمد و رفت تھی۔ شہر کی شان و شوکت جب سے وہ آباد ہوا ہے کبھی کم نہیں ہوئی۔ جہازوں کا گویا ایک جنگل اُس کے بندرگاہ پر موجود رہتا تھا جو اُس کی روز افزوں تجارت کا ثبوت تھا۔ اور گو اہل روما کی سلطنت کا ایک حصہ تھا مگر اُن کی حکومت کو بار سمجھنے لگا تھا۔

عمرو بن العاص ۱۹ھ یا ۲۰ھ ہجری میں[1] (جسکی ٹھیک تاریخ معین نہیں کی جا سکتی) حضرت عمرؓ کی متردد اجازت

---

[1] تاریخوں میں اتنا اختلاف ہے کہ ۱۶ھ ہجری سے لیکر ۲۵ھ ہجری تک کے مختلف سال بیان کئے جاتے ہیں قریب تاریخ رکھنے کا خیال قحط کے سال میں عمرو بن العاص کا مصر سے غلہ سے مدد دینے کا ہے اور دور رکھنے کا ۲۵ھ ہجری میں یونانیوں کے سکندریہ کو چھڑانے کی کوشش کا ہے مگر ہم ۱۹ھ یا ۲۰ھ ہجری کو معتبر سمجھتے ہیں۔ مؤلف

تسخیر مصر کا پہلے بھی مستحکم نہ تھا اور اس قلت فوج سے زیادہ متردد ہو کر عمرو بن العاص کو واپس آجانے کا حکم بھیجا۔ مگر اُس نے زیادہ بڑھ جانے کا بہانہ پاکر اپنے اس دلخواہ ارادہ سے باز آنا پسند نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس صورت میں قلت فوج کے اندیشہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے واسطے زبیر بن العوام کو اور فوج دیکر پیچھے سے بھیجا جس سے عمرو بن العاص کی فوج مضبوط ہو گئی اور بعض نامور اور جنگ آور بہادر بھی فوج میں شامل ہو گئے۔

عمرو بن العاص مصر میں ایریش سے داخل ہوا اور قرما کے قلعہ کو فتح کر کے بائیں طرف رُخ کیا اور صحرا کو گزر کر دریائے نیل کی سب سے شرقی شاخ پر پہنچ گیا اور اُسی کے ساتھ ساتھ شمالی مصر کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اُس نے کئی لشکروں کو جو اُس کو روکنے کے واسطے بڑھے تھے شکست دی جن میں سے ایک لشکر کا سردار ارطفول مغرور بطریق فلسطین تھا جو شکست کھا کر مارا گیا۔ مصر کے اس بالائی حصہ کا حاکم مقوقس قبطی تھا۔ عمرو بن العاص زبیر کی فوج کے ساتھ جو اب اُسکے پاس پہنچ گئی تھی شہر مصر (ممفس قاہرہ کے قریب ایک بڑا شہر تھا) کے نزدیک پہنچ گیا۔ جا بلیق جو وہاں کا حاکم تھا اُس نے اسلامی پیغام کا جواب دینے کے واسطے تین روز کی مہلت حاصل کی جس کے گزر جانے پر ایک سخت لڑائی ہوئی۔ قبطیوں کی فوج نے مسلمانوں کو اپنی قوت کا قائل کر دیا تھا مگر آخر شکست کھا کر حصار شہر میں محصور ہو گئے اور خوب جان گئے کہ جنہوں نے قیصر اور کسریٰ کو اپنے ملکوں اور سلطنتوں سے بے دخل کر دیا ہے اُن کا مقابلہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ شہر پر ایک سخت حملہ کیا گیا جس میں زبیر نے حیرت انگیز شجاعت سے دیوار پر زینہ لگا کر فوج شہر میں پہنچا دی تھی مگر اسی اثنا میں مقوقس کے قاصد صلح کی درخواست لیکر پہنچ گئے اور شرائط صلح طے ہو جانے پر شہر چھوڑ دیا گیا۔ یونانیوں اور اہل نوبیا نے بھی ایسی ہی شرائط پر صلح خرید لی۔ گو یونانی اپنی مفتوحہ اقوام کے ساتھ ہم رتبہ ہو کر رہنے کو ناپسند کر کے ساحل سمندر کی طرف بھاگ گئے۔

عمرو بن العاص نے اب سکندریہ کی طرف بڑھنے کی جلدی کی تاکہ سکندریہ کو کمک پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ جائے اور راستہ میں کئی لشکروں کو جو اُس کا راستہ روکنے کے واسطے بڑھے تھے شکست دیکر بھگا دیا اور شہر کی دیواروں کے نیچے جا کھڑا ہوا۔

شہر بہت مضبوط تھا اور سمندر کی طرف سے کمک حاصل کر سکتا تھا مگر محاصرہ نے بہت طول کھینچا کیونکہ ہرقل قیصر روم ۲۰ھ ہجری (فروری ۶۴۱ء) میں مر گیا اور شہر کا ایک حصہ ہلا کر کے فتح ہو چکا تھا۔ مقوقس نے کمک سے ناامید ہو کر اور مقابلہ کی تاب نہ دیکھکر پہلی قسم کی جزیہ دینے کی شرائط پر حضرت عمرؓ کی منظوری سے صلح کر لی اور امن و امان قائم ہو گیا۔

مگر عمرو بن العاص کی بے چین اور جنگجو طبیعت نے اُسے آرام سے نہ بیٹھنے دیا اور مغرب کی طرف اپنی فتوحات کو بڑھاتا ہوا چلا گیا۔ یہاں تک کہ برقا کو فتح کر کے طرابلس تک پہنچ گیا۔

تسخیر ایران

ہرمزان جب قید ہو کر مدینہ پہنچا اور مسلمان ہو کر مسلمانوں کا وظیفہ خوار بن کر مدینہ میں رہ گیا۔ اُس نے اور نیز اور لوگوں نے ایران کی بغاوتوں اور چھیڑ چھاڑ کا سبب حضرت عمرؓ کے ذہن میں یہ امر بٹھا دیا کہ جب تک شاہ ایران اور اُسکی قوت اور مُلک باقی ہے مسلمانوں کو اپنی حدود میں چین سے نہ بیٹھنے دیگا اور اسی زمانہ میں ایرانیوں کی نئی مخالفت اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری نے اس رائے کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا۔ حضرت عمرؓ اب مجبور ہو گئے کہ صرف ایرانیوں کی مدافعت ہی پر کفایت نکریں بلکہ اپنے پہلے خیال کے خلاف فتوحات کو بڑھا کر ایرانیوں کو مسخر کر کے آیندہ حملوں کے لائق نہ چھوڑا جائے۔

یزدجرد نے اس وقت کسی معمولی حملہ کی تیاری نہیں کی تھی۔ اُسکو مسلمانوں کے ایک عرصہ تک جنبش اور آگے بڑھنے کے ارادے سے کوئی حرکت نہ کرنے سے خیال ہو گیا تھا کہ قادسیہ اور مداین کی فتح کو غنیمت سمجھکر اُسپر کفایت کر بیٹھے ہیں اور بڑے اطمینان کے ساتھ ایک بڑے خیال کے پورا کرنے میں مصروف تھا۔ درحقیقت اُسکو ایک عمدہ موقع اور اپنی حالت درست کر لینے کے واسطے فراغت مل گئی تھی لیکن اصطخر وغیرہ کے مغلوب ہو جانے سے پھر ڈر گیا اور اُسکو اپنے ارادے میں جلدی کرنی پڑی۔ اُس نے ایک بڑی سے بڑی کوشش حملہ آوروں کو مُلک بدر کرنے کے واسطے شروع کی تھی۔ اور صوبہ داروں اور سرداروں سے ہر ایک جگہ سے فوج جمع کر رہا تھا اور اپنی سلطنت کی انتہائی حدود تک ہر ایک شہر اور قریہ سے فوج اکٹھی کر لی جو بے شمار تعداد میں کوہ دماوند کے نیچے میدان میں جمع ہوئی اور ایک لاکھ پچاس ہزار تعداد میں فیروزان کے زیر حکم مسلمانوں کے مفتوحہ حدود کی طرف بڑھی۔ اس فوج کشی کی خبریں بجلی کی طرح کوفہ میں پہنچیں۔ اور سعد نے اس اُٹھتے ہوئے طوفان کے سوانح حضرت عمرؓ کے گوش گزار کیئے۔ خبریں ایسی دہشت ناک بن بن کر پہنچ رہی تھیں کہ معاملہ کے نازک ہو جانے میں کوئی شبہ نہ رہا۔ مسلمانوں کے پانوں اُکھڑ جانے سے اُن کے کس قدر زمانہ کی محنتیں اور جاں بازی کی کوششیں برباد ہو جاتیں تمام فتوحات ہی ہاتھ سے نہ نکل جاتیں بلکہ کوفہ اور بصرہ بھی جو اسلامی نوآبادیاں تھیں کھو بیٹھتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے کہ پہلے بڑے خطرناک موقعوں پر اُنہوں نے ارادہ کیا تھا اب بھی بذات خود جانے کو تیار ہو لیگے مگر پہلی قسم کے ہی دلائل نے اُن کو ایسے ارادے کے ترک کرنے پر مجبور کیا۔ نعمان بن المقرن کو اہواز سے بُلا کر کوفہ اور بصرہ کی حفاظت کے واسطے کچھ فوج چھوڑ کر باقی فوجیں اُس کے ماتحت روانہ کر دی گئیں۔ سوس کی فوج کو اصطخر کی ایرانی فوج کو اپنے ساتھ مصروف رکھنے اور شاہی فوج سے جا ملنے سے روکنے کا کام سپرد کیا گیا۔ نعمان نے حلوان میں پہنچکر جاسوسوں سے خبر منگوائی۔ اور معلوم ہوا کہ دشمن نہاوند کے میدان میں مقیم ہے اور وہاں تک راستہ صاف ہے۔ پس کوچ کر کے اُس مشہور میدان جنگ میں دشمن سے

جنگ آزمودہ بہادر اُس میں شامل تھے۔ دو روز تک کم و بیش لڑائی ہوئی۔ ایرانیوں کو ایک بڑی رعایت یہ تھی کہ اپنی پناہوں سے جب چاہتے نکلکر جنگ کرتے اور پھر لوٹ جاتے۔ کچھ دنوں تک اسی طرح لڑائی جاری رہی اور مسلمان تنگ آگئے۔ طلیحہ کی رائے سے مسلمانوں نے پیچھے ہٹ کر دشمن کو پناہ گاہ سے نکال لینے کی تدبیر کی۔ مسلمانوں کے پیچھے ہٹتے ہی ایرانی حملہ کر کے اُن پر آن پڑے۔ مسلمان تو یہی چاہتے تھے لوٹ کر سامنے ہو گئے اور ایک سخت لڑائی شروع ہوئی۔ جس میں نعمان مارا گیا۔ مگر آخر فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ ایرانی تیس ہزار لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگے مگر مسلمانوں نے تعاقب کر کے اسّی ہزار اور قتل کر ڈالے فیروزان سپہ سالار ایران بھاگتا ہوا راستہ بھول گیا اور پکڑ کر مار ڈالا گیا۔ اِس فتح سے ہمدان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور خزانہ اور قیمتی جواہرات جو محافظت کے واسطے دفن کیے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھ آگئے دو ڈبیوں میں ایسے بیش بہا جواہرات تھے جن کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ حذیفہ نے غنیمت تقسیم کر کے خمس اور دو ڈبیا حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن جواہرات کو لشکر میں تقسیم کرنے کے واسطے بھیجدیا جو چالیس لاکھ درہم کو بکیں یا یہ کہ اُن کی قیمت سے ہر ایک سوار کو چار ہزار درہم حصّہ میں آئے۔ عراق عجم کے سرداروں اور دہقانوں نے جزیہ دینا منظور کر کے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی نہاوند کی لڑائی ۲۱ھ ہجری کا واقعہ ہے ؛

ہمدان جس نے فسخ عہد صلح کیا تھا مکرر فتح ہو گیا۔ مسلمانوں کی فوج چھ حصّوں میں تسخیر ایران کے واسطے اطراف و جوانب میں بھیجدی گئی۔ شہر کے بعد شہر اور صوبہ کے بعد صوبہ فتح ہو گیا۔ نعمان کی وفات کا حضرت عمرؓ کو نہایت رنج ہوا اور اُس کے بھائی نعیم بن المقرن کو سپہ سالار مقرر کر کے بھیجا۔ یزدجرد کا غرور اُس کو خلافت کے سامنے سر جھکانے سے روکتا تھا اور حضرت عمرؓ نے ملک کی تسخیر کا ارادہ کر لیا تھا۔ بحیرۂ کاسپین کی جنگ جو قومیں رستم کے بھائی اسفندیار کے ماتحت مرو کی محافظت کے واسطے جمع ہوئیں جو ایران کا ایک شاہی شہر تھا اور بادشاہ وہاں مقیم تھا۔ نعیم ان کے مقابلہ کے واسطے بڑھا اور ایک دوسری عظیم جنگ میں (۲۲ھ ہجری) فاش شکست دیکر مرو پر قبضہ کر لیا۔ اسفندیار آذربائیجان کو بھاگ گیا جہاں وہ پھر شکست کھا کر قید ہو گیا۔ یزدجرد مرو سے اصفہان کو بھاگا۔ لیکن جب مسلمانوں نے بڑھکر اصفہان کو فتح کر لیا تو کرمان کو جا پہنچا۔ جب وہاں بھی نہ ٹھہر سکا تو مرو میں پناہ لی اور وہاں سے خاقان چین اور ترکوں کی مدد کا طالب ہوا۔ لیکن آخر کار ترکوں کو بھی یزدجرد کو ساتھ کیے ہوئے پیٹھ دکھانی پڑی۔ مسلمانوں نے تمام سلطنت کے حصّوں کو یکے بعد دیگرے فتح اور مطیع کر لیا۔ قومس۔ جرجان۔ طبرستان۔ فارس۔ کرمان۔ مکران۔ سجستان۔ خراسان۔ آذربائیجان۔ ابواب وغیرہ یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے اور ایران کی انتہائی حدوں تک جن کے مشرق میں ہندوستان اور شمال میں ترکوں اور زمانۂ حال کے رومیوں کی

اقوام تھیں اور جن کی اجنبیت کے سبب سے اُن کو یاجوج ماجوج کہا گیا ہے تمام ملک مسخر و مطیع فرمان ہو گیا ؛

یہ فتوحات جن کے متعلق روایتیں اور واقعات مبسوط اور مستقل کتابوں کا مضمون ہیں ہم نے چند صفحوں میں بیان کر دی ہیں - دنیا کی تین عظیم الشان سلطنتوں کے فتح ہونے کے حالات کو اگرچہ ایسے اختصار سے بیان کرنا تاریخ کا گناہ ہو مگر ہم اپنے مقصد کے لحاظ سے اس سے زیادہ مفصل نہیں لکھ سکتے تھے - ہمارا مطلب نہایت اختصار کے ساتھ مسلمانوں کی سلطنت کی وسعت کو جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حاصل ہوئی دکھانا تھا - تمام دنیا اس روشنی کے زمانہ کی نہایت حیرت اور تعجب سے اُن فتوحات کی وسعت کو بمقابلہ اُس قلیل زمانہ کے جس میں وہ حاصل ہوئیں دیکھتی ہے - یورپ کے تمام بڑے مؤرخ مُقر ہیں کہ فتوحات کی اس سریع رفتار کا قیاس کرنا بھی مشکل ہے - اہل روما نے جس سلطنت کو صدیوں میں فتح کیا اور بنایا تھا مسلمانوں نے اُس کو مہینوں اور برسوں میں فتح کر لیا اور دنیا کے ایک عدیم المثال بزرگ کی بے نظیر تدبیر اور مُلک گیری اور مُلکداری کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے اور کیا دلیل درکار ہو سکتی ہے کہ اُس کی کامیابیوں کے حالات پر آج کی دنیا بھی حیران اور متعجب ہے - مُسلمانوں کی آیندہ بڑی سے بڑی ترقیوں اور عروج کی یہ بُنیاد تھی جو ایسے مضبوط ہاتھوں سے اور ایسی شائستگی سے رکھی گئی تھی کہ وہ بالائی عمارت گو گر گئی ہے مگر اُس بُنیاد کو زمانہ کے سخت سے سخت حوادث بھی نہیں ہلا سکے - اُسکی تعمیر میں اسلامی برکتیں اور صداقتیں بھری ہوئی ہیں کہ یقین ہے کہ سوائے اہل حق کے کوئی ہاتھ اُن کو نہ پہنچ سکیگا اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو - آمین +

پانچواں باب

سیاست و انتظامِ سلطنت

زمانۂ جاہلیت میں اگرچہ عرب کے شمالی اور مشرقی اور جنوبی اطراف و اضلاع میں صدیوں سے ایک باقاعدہ سلطنت کی صورت تھی مگر عرب البحر اور عرب الوادی یعنی مغربی صوبہ حجاز اور ریگستانی عرب میں کوئی خاص سلطنت مسلّم نہیں تھی۔ اور مسٹر پالمر کا یہ قول اُنہیں پر صادق آتا تھا کہ "اگر اُن کی گورنمنٹ کی نسبت پوچھا جائے تو درحقیقت وہ کوئی گورنمنٹ نہیں رکھتے تھے۔ سب سے اچھی نسل کا اور سب سے بہادر شخص قبیلہ کا سردار تسلیم کرلیا جاتا تھا اور وہ اُن کو میدانِ جنگ میں لیجاتا تھا مگر وہ ان پر کوئی ذاتی اختیار اور تفوّق سوائے شجاعت اور فیاضی کی تعریف کے جو وہ حاصل کرتا تھا نہیں رکھتا تھا[1]"۔ بنو اجرحم کی پادشاہی کے دو گروہ ہوئے وقتوں میں گو حجاز بھی پادشاہی سلسلہ کا مطیعِ فرمان رہا ہو مگر جیسا کہ مسٹر سیل کا قول ہے "بنو اجرحم کے بیدخل کردینے کے بعد زیادہ صدیوں تک سلطنت ایک پادشاہ کے ہاتھ میں نہیں رہی بلکہ قبائل کے سرداروں میں تقسیم ہوگئی۔ تقریباً اسی طریقہ سے جیسے کہ آج ریگستانی عرب حکومت کیئے جاتے ہیں[2]"۔ مکہ میں گو قریش کی شرافت کا رُعب اور اثر تھا اور ایک قسم کی حکومت اُن کو حاصل تھی مگر اُس کا تعلق مذہبی اُمور سے بڑھکر بہت کم تھا اور اہل مکّہ کی حالت گو مستقل کمیجارہائش اور کعبہ کی پرستش کے میلوں اور مجمعوں کے سبب سے کسی قدر اصلاح یافتہ تھی مگر عام طور پر اصول تمدن اور معاشرت میں خانہ بدوش بدوؤں سے کچھ ممیّز نہ تھی[3]۔ مثلاً گورنمنٹ کی نسبت سر ولیم میور کا قول ہے کہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام سے پہلے مکّہ میں کوئی گورنمنٹ اس لفظ کے عام مفہوم کے مطابق نہ تھی۔ کوئی ایسے اعلیٰ اختیارات موجود نہیں تھے جن کا کہ حکم قانون سمجھا جاتا۔ ہر ایک جُداگانہ قبیلہ ایک جمہوری حکومت تھا اور مجموعہ قبائل کی رائے اگر وہ کسی امر میں متفق ہوتے بمنزلہ شاہی قانون کے ہوتی تھی۔ عام رائے کا کوئی خاص مظہر

---

[1] مسٹر پالمر کا انگریزی ترجمہ قرآن دیباچہ جلد اوّل صفحہ ۱۱ [2] دیباچہ ترجمہ قرآن از مسٹر سیل صفحہ ۹

[3] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور دیباچہ صفحہ ۱۹

نہیں تسلیم کیا جاتا تھا اور ہر ایک قبیلہ کسی ایسے امر سے جُدا رہنے اور انکار کرنے کی آزادی رکھتا تھا جس پر کہ دوسرے قبائل نے اتفاق کیا ہو اور کوئی شخص اپنے ہموطنوں کی متفقہ رائے سے اتفاق کرنے کے واسطے اپنے قبیلے سے بڑھکر اتفاق کرنے کا پابند نہ تھا۔" [1]

غرض زمانۂ جاہلیت میں کوئی خاص سلطنت وہاں موجود نہیں تھی تمام چھوٹے بڑے امور میں ہر ایک قبیلہ کا سردار قبیلہ کی رائے سے فیصلہ کرتا تھا اور وُہی قانون ہوتا تھا۔ جنگ و جدل کے امور میں جو اکثر درپیش رہتے تھے تلوار اُن کی منصف ہوتی تھی اور اُس سادہ زندگی کے سیدھے اور سادہ امور کسی قانون اور آئین کی ضرورت نہیں ظاہر کرتے تھے۔ پس اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اگر اسکو طوائف الملوکی کا زمانہ کہا جا سکے کوئی خاص سلطنت نہ تھی اور اسی سبب سے کوئی آئین یا ضابطہ یا قانون یا حکومت اور مُلک کا انتظام کرنے کے واسطے کسی قسم کے اصول معین اور مشخص نہ تھے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اُمورِ دُنیوی میں انتظام کرنا نہ تھا۔ اُن کا پاک منصب (روحی فداک یارسول اللہ) اس سے بہت بلند اور اعلیٰ تر تھا اور دنیا کی حکومت اور سلطنت سے اُن کو کچھ تعلق نہ تھا۔ صرف ایسے دُنیوی امور کی طرف وہ توجُّہ فرمانے والے تھے جن کا تعلق دین کی اشاعت۔ حفاظت اور استحکام الغرض رسالت کے انجام دینے سے تھا۔ مگر عرب کے قدیم دستور کے موافق اُن کی بزرگی اور روحانی بادشاہت اور علو خاندانی نے مُسلمانوں کے دُنیوی امور کا بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مرجع بنا دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی طرح وقتاً فوقتاً مُسلمانوں کے اس قسم کے امور پر بھی اُن کو توجُّہ فرمانی پڑی اور اس سے امور میں فیصلہ کرنے اور معاملات میں برتاؤ کی نظیریں پیدا ہو گئیں۔ مگر جناب سرورِ کائنات حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیوی امور سے اس درجہ تک اپنی بے تعلقی ثابت فرمائی کہ انتظام امور دنیا کے واسطے کسی شخص کو اپنا جانشین موسوم کرنے سے بھی دریغ فرمایا۔ گو اخلاق کی عام تعلیم ہر ایک قسم کے انتظام کا اصول تھی مگر براہ راست کوئی ضابطہ یا آئین یا دستور امورِ مُلکداری کا مرتب نہیں کیا گیا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا قلیل زمانہ اندرونی بغاوتوں کے فرو کرنے اور کسی قدر سرحدوں پر قدم بڑھانے میں گزر گیا۔ نہ اسقدر فرصت ہوئی اور نہ اسکی ضرورت ہی معلوم ہوئی کہ کسی قسم کے خاص ضوابط و قانون کے تیار کرنے کی طرف توجُّہ کیجاتی۔ مثلاً اُن کے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ قاضی مُقرر ہوئے تھے۔ مگر سال بھر میں دو سے زیادہ مقدمات فیصلہ کرنے کے واسطے اُن کے سامنے پیش نہ ہوئے۔ لشکر اکٹھا کرنے کے واسطے اسلامی فرائض یاد دلائے جاتے تھے۔ غنیمت کے چار حصّے لشکر میں تقسیم ہو کر پانچواں حصّہ یا خمس جسقدر آتا تھا ضروری اخراجات پورے کر کے مُسلمانوں میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اندازاً دو لاکھ درہم

---

[1] لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور دیباچہ صفحہ ۹

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں آئے اور خرچ اور تقسیم کر دیئے گئے۔ پہلے سال میں قریب [illegible]
اور دوسرے سال میں بیس درہم حصہ میں آئے۔ اُن کی وفات پر بیت المال میں ایک دینار جو لپٹا ہوا رہ گیا تھا
ملا۔ غرض حضرت ابوبکر کا زمانۂ خلافت بھی نہایت سادہ دستورات سے گزر گیا ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے پہلے سالوں میں تو لشکر کشی کے کام میں زیادہ تر مصروف رہے مگر جب فتوحات کو دن بدن وسعت ہوئی اور عرب کی خلافت میں سلطنتوں کی سلطنتیں شامل ہونے لگیں اور غنیمت کے سوا جزیہ اور مال گزاری وغیرہ کی آمدنیوں سے بیت المال بھرنے لگا تو حکمرانی اور ملکداری کے وہ سادہ قواعد کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ پس حضرت عمرؓ کو ایک مقنن اور آئین نگار اور مدبر منتظم اور ایک بڑی وسیع سلطنت کی تمام قسم کی ذمہ واریوں کا کام کرنا پڑا۔ یا یوں کہو کہ اُن بے نظیر قابلیتوں کو جو خدا نے اُن کو بخشی تھیں کام میں لانے کا موقعہ ملگیا ؛

سب سے پہلا نیا کام اُن کے دیوان اور دفتر کو بیان کرنا چاہیئے جو بیت المال اور خزانہ اور تنخواہوں اور روزینوں کا ایک باقاعدہ انتظام اور اہتمام تھا۔ بیت المال کی آمدنی کو جب افزونی ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مال کے تقسیم کرنے میں ایک معین اور مستقل دستور کے ایجاد اور داخل کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اُنہوں نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور کہا کہ مال کے تقسیم کرنے کے بارے میں میری رائے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے مختلف ہے۔ میں بیت المال میں خزانہ کو جمع کرنا اور ہر ایک شخص کا سالانہ وظیفہ اور تنخواہ مقرر کرنا چاہتا ہوں اور جن اصول پر وہ تقسیم کے اس نئے دستور کو مبنی کرنا چاہتے تھے وہ بیان کیئے۔ وہ خیال درحقیقت ایک ایسا عظیم الشان اور پُر مشکلات تھا کہ صرف وُہی شخص جس کی وسعت دماغ نے اُسکو پیدا کیا تھا اُسے پورا کر سکتا تھا۔ مسلمانوں کے مراتب حقوق کے موافق اُن میں مال تقسیم کرنے اور اُن کی تنخواہیں مقرر کرنے کے تین اصول قرار دیئے گئے[1]۔

اوّل ۔ اسلام لانے میں سبقت۔

دوم ۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب اور تعلق۔

سوم ۔ فوجی خدمات۔

تمام قبائل عرب اور ہر ایک قبیلہ کے ہر ایک فرد اور ملک عرب کے ہر ایک مسلمان متنفس خانہ نشین بوڑھے شخص سے لیکر نوزائیدہ بچہ تک ہر ایک کی تنخواہ مقرر کرنا اور اُس کا باقاعدہ تحریری حساب رکھنا بقول سر ولیم میور کے ایک ایسا کام تھا جو انسان کے کرنے کے کاموں سے بڑھکر تھا اور پھر ان مقررہ اصولوں کے موافق اُن کے مراتب حقوق کا فیصلہ کرنا ایک ایسی باریک بین نظر کا کام تھا جو ہر ایک کو نہیں نصیب ہو سکتی۔ اور اس بات کا

---

[1] المس اوف ارلی خلافت صفحہ ۲۲۹ ؛

ثبوت کہ یہ تقسیم کامل صحت اور مراتب حقوق کے موافق کی گئی اس سے بڑھکر اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ عرب کی وہ تیز اور زبان دراز قومیں اور قبائل اور افراد اُس سے رضامند ہو گئے اور کسی کو کوئی وجہ شکایت اور ناراضی کی نہ رہی اُن کا منصفانہ برتاؤ اور دستور ہی اس قسم کا تھا۔ وہ صرف اوروں کے ساتھ ہی انصاف نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ذات کے ساتھ سب سے بڑھکر انصاف بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اپنی حق تلفی روا رکھتے تھے۔ جب تقسیم مال اور تعین وظیفہ کے واسطے مراتب اور حقوق کا فیصلہ کرنے لگے تو عبدالرحمن بن عوف نے جو بزرگ اور اہل الرائے قریش میں سے تھے یہ رائے دی کہ اپنی ذات کو سب پر مقدم قرار دیں یا یہ کہ اپنے سے شروع کریں۔ اور یہ رائے کچھ نامناسب اور انصاف کے خلاف نہیں تھی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ تو سبقت اسلام کے لحاظ سے زیادہ پیچھے تھے اور نہ فوجی خدمات میں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کی گئیں کسی سے کم تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب اور تعلق میں سب حاضرین سے بڑھکر ہونے کی تو یہی دلیل کافی تھی کہ وہ اُن کے خلیفہ اور اُمت کا انتخاب تھے۔ مگر اُنہوں نے اس رائے کو ناپسند کیا اور کہا کہ میں اپنے نفس کو اُسکی مناسب جگہ پر رکھوں گا اور اپنی ذات اور اپنے قبیلہ کو قریش میں بہت دور آخر کی طرف رکھا اور کسی کی شکایت اور ناراضمندی پر اسکو بھی چھوڑنے پر تیار رہے۔ مثلاً ابو عبیدہ بن جراح نے جب شکایت کی تو اُسے کہا کہ تمکو بھی میری طرح قانع ہونا چاہیئے لیکن اپنی قوم سے تجھ کو خود فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اگر وہ تجھ کو مقدم بنانا چاہینگے تو مجھے کچھ عذر نہ ہوگا۔ لیکن اگر تم قبول کرو تو میں اپنے اور اپنی قوم بنی عدی سے تمکو مقدم کر سکتا ہوں۔ اپنے بیٹے عبداللہ پر اسامہ بن زید کو ترجیح دی اپنے بیٹے کے تین ہزار درھم سالانہ مقرر کیئے اور اسامہ بن زید کے چار ہزار عبداللہ نے شکایت کی کہ اسامہ کا باپ میرے باپ سے افضل نہیں تھا اور نہ اسامہ مجھ سے۔ پھر اُسکو ایک ہزار زیادہ کیوں دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اسامہ کا باپ تیرے باپ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارا تھا۔

غرض مراتب اور حقوق میں بنی ہاشم سب سے افضل اور مقدم قرار دیئے گئے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھے۔ اور پھر بنی مطلب اور عبدالشمس اور نوفل اور بنی اسد عبدالعزیٰ اور عبدالدار اور بنو زہرہ اور بنی تیم اور مخزوم اور سہم اور جمح اور عدی بن کعب اور بنی عامر بن لوی وغیرہ اُن کے مناسب مدارج اور مراتب کے لحاظ سے قرار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتیوں میں اُمہات المومنین ازواج مطہرات اور اُن کے دوسرے اقربا کو مقدم قرار دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارہ ہزار درھم یا دوسری امہات المومنین کے مانند ہر ایک کے دس ہزار درھم سالانہ وظیفہ مقرر کیا گیا۔ امام حسنؓ اور امام حسین علیہم السلام کا اہل بدر کے برابر پانچ پانچ ہزار سے لیکر چوبیس ہزار تک بیان کیا گیا ہے مگر بارہ ہزار صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اہل بدر کے واسطے پانچ پانچ ہزار مقرر کیئے اور اہل بدر کے بیٹوں کے دو دو ہزار۔ اور حدیبیہ اور بیعت رضوان میں جو شریک تھے اُن میں سے ہر ایک کے واسطے چار چار ہزار۔ انصار میں سے ہر ایک کے

چار چار ہزار مقرر کیے۔ بغاوت اور مفسدہ کے فرو کرنے میں جو شریک ہوئے تھے اُن کے تین تین ہزار درم اور عراق میں جنہوں نے جنگ کیئے تھے اُن کے دو دو ہزار۔ قادسیہ اور یرموک کی لڑائی میں جو موجود تھے اُن کا ایک ایک ہزار۔ نامور بہادروں کو اُن کی دیرینہ اور موجودہ خدمات کا لحاظ کر کے پانچ پانچ سو سے دو دو سو تک زاید دیئے گئے۔ اسی طرح مراتب کے لحاظ سے بعض مہاجرین اور انصار کے دو دو ہزار مقرر کیئے۔ اہل مکہ اور بعض لوگوں کے آٹھ آٹھ سو مقرر ہوئے۔ اور مہاجرین اور انصار کے مراتب کے لحاظ سے اُن کی عورتوں کے چھ سو سے لیکر دو سو تک مقرر کیئے۔ قبائل اعراب کے وظائف بھی اسی طرح مختلف تھے اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک قبیلہ کا دفتر اور دیوان تھا۔ مثلاً حمیر کے فوجی اور دیہاتی امیروں کے واسطے سات۔ آٹھ۔ نو ہزار کے درمیان وظائف مقرر تھے۔ وظائف کے تقرر میں اُن بڑے تین اُصولوں کے سوائے اُن کی ضروریات اور کنبوں اور اسی قسم کے اور امور کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا۔ یہ وظائف اور تنخواہیں سلسلۂ وراثت میں موروثی تھے۔ اور اسی طرح جو انعام میدان جنگ میں کسی خاص شجاعت اور بہادری کے کام کے واسطے دیا جاتا تھا وہ بھی موروثی ہوتا تھا[1]۔

عورتوں کے واسطے عام طور پر مردوں کے حصہ کا ایک دسواں مقرر کیا گیا۔ بیویوں۔ بیواؤں اور بچوں کے جداگانہ وظائف تھے۔ ایک بچہ جس روز پیدا ہوتا تھا درج رجسٹر ہو جاتا تھا۔ اور سو درہم (بعض روایتوں میں دس درہم) سے لیکر ترقی عمر کے ساتھ وظیفہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اوّل اوّل میں تو یہ دستور تھا کہ بچہ کا وظیفہ اُس وقت سے مقرر ہوتا تھا جب اُس کا دودھ چھڑایا جاتا تھا۔ یعنی جب بچہ کے کسی خفیف عارضہ سے ضائع ہو جانے کا خوف کم ہو جاتا تھا۔ مگر اس دستور کو تبدیل کر کے نوزائیدہ بچہ کا وظیفہ مقرر کرنے کا قاعدہ مقرر کیا۔ اس تبدیلی کی وجہ ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک قافلہ کی حفاظت کے واسطے عبدالرحمان کو ساتھ لیکر خود گئے اور رات بھر جاگتے اور عبادت کرتے رہے۔ اسی اثنار میں حضرت عمرؓ نے ایک بچہ کے رونے کی آواز سُنی اور دریافت حال کے واسطے اُس طرف گئے۔ بچہ کو اُس کی ماں کے پاس روتے ہوئے دیکھکر اور یہ کہکر چلے آئے کہ اسے چُپ کرا۔ تھوڑی دیر میں پھر وُہی رونے کی آواز آئی اور پھر جاکر چُپ کرانے کو کہہ آئے تیسری دفعہ جب گئے تو اُس عورت کو کہا کہ میں تجھے اچھی ماں نہیں دیکھتا۔ اُس نے جواب دیا اے بندۂ خدا تو نے مجھے کیوں تنگ کیا ہے۔ میں تو اُس سے دودھ چھوڑانا چاہتی ہوں اور اس کا عادی بناتی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایسا کیوں کرتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ جب تک بچہ کا دودھ نہ چھڑایا جائے عمرؓ وظیفہ نہیں مقرر کرتا۔ اُسکی عمر پوچھی تو معلوم ہوا کہ چھ مہینہ کی ہے۔ یہ سُن کر اُسکو صرف اتنا کہا کہ جلدی نہ کر اور چلے آئے۔ صبح کو نماز پڑھکر جب فارغ ہوئے تو اُس بچہ کے رونے کی آواز اُسی طرح آرہی تھی۔ فرمانے لگے کہ "عمرؓ بہت ہی بُرا ہے جس نے مسلمانوں کی اولاد کتنی ہی مار ڈالی ہوگی"۔ اور منادی کرنے کے واسطے حکم دیا اور فصلاتیں

---

[1] اٹلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۲۸ پیسنڈ بلاذری ۱۲

لکھ بھیجا کہ کسی بچہ کا دودھ نہ چھڑایا جائے۔ ہم اوّل ہی سے اُس کا وظیفہ مقرر کر دینگے[1]

عرب کے خون کو غلامی سے آزاد کر دیا۔ کوئی عرب غلام نہیں بنایا جاسکتا تھا[2]۔ پہلے کے جو غلام تھے اُن کے بھی وظائف مقرر تھے۔ اور اِس سلسلہ کو عرب سے باہر غیر عرب مُسلمانوں تک جنہوں نے اسلامی اغراض میں شرکت اختیار کی تھی بڑی فیاضی کے ساتھ وسیع کیا گیا۔ مثلاً ایرانی امیروں اور دہقانوں اور لوگوں کا جو خزرستان میں مسلمانوں کی فوج کے ساتھ شریک ہو گئے ہزار درھم سے دو ہزار درھم تک وظیفہ مقرر کیا گیا[3] اسیطرح جو اسلام اختیار کر کے اُسی پر منحصر ہو گئے اُن کو بھی عطیہ سے محروم نہیں رکھا گیا۔ مثلاً ہرمزان کو دو ہزار درھم[4] سالانہ وظیفہ دیا گیا۔ اگر سچ پوچھو تو اسلام نے جو برادری اور اُخوّت کی تعلیم خیالات کو کی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اُس مبارک تعلیم کی عملاً تعمیل کر کے دکھادی۔ سر ولیم میور نے غیر اقوام کو کم وظایف دینے اور برادری اور اُخوّت کے خیال کو غیر اقوام تک وسیع کرنے سے دریغ کرنے پر اعتراض کیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ مورّخ مذکور نے یہ اعتراض کرتے وقت اُن اصُولوں کو جن پر وظائف کی بنا رکھی گئی تھی نظر انداز کر دیا ہے۔ سبقت اسلام لانے میں تقرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور فوجی خدمات۔ یہ استحقاق کس قدر لوگوں کو حاصل تھے جن کو حق سے محروم رکھا گیا۔ یہ معترض نے نہ بتایا کہ عام طور پر کس قدر مسلمان غیر اقوام کے محروم رکھے گئے۔ تعجب ہے کہ معترض اپنی کتاب انلس اوف ارلی خلافت کے صفحہ ۲۵۴ کے نوٹ کو لکھکر بھی جس میں اُس نے خود لکھا ہے کہ جس قدر ایرانی مسلمان خزرستان کی فوج میں شامل ہو گئے اُن کے ویسے ہی وظائف مقرّر کیئے گئے۔ اِس اعتراض کو قلم زن کرنا بُھول گیا۔ اصلیت یہ ہے کہ غیر ممالک میں اوّل تو اسلام اسقدر شائع نہیں ہوا اور جس قدر مسلمان ہوئے وہ غیر مسلمان اقوام کی طرح اپنے پیشوں اور اپنے کاموں میں رضامند اور قانع رہے۔ خطرناک فوجی خدمت کو نہ اُنہوں نے پسند کیا اور نہ وہ مجبور کیئے گئے۔ لیکن بعض نے جو فوجی خدمت کو پسند کیا اور مُسلمانوں کے ساتھ شریک ہونے

---

[1] ازالۃ الخفاب حکایات گشت [2] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۲۳ [3] اُنلس اوف ارلی خلافت نوٹ صفحہ ۲۵۴ و ۲۲۶

[4] درہم چاندی کا اور دینار سونے کا سکّہ تھا۔ درہم کو اکثر لوگوں نے ۳ ½ ماشہ کا بیان کیا ہے جس کے حساب سے درہم کی قیمت ہمارے سکّہ رائج الوقت میں ۴ر سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ سپرنگر نے جو حساب کیا ہے اُسکی رُو سے درہم کی قیمت انگریزی سکّہ میں چھ پنس سے آٹھ پنس تک بیان کی ہے۔ اگر پونڈ دس روپیہ کا شمار کیا جائے تو درہم کی قیمت وہی ۵ر کے قریب ہوگی دینار کی قیمت پندرہ فرینک یا گیارہ شلنگ سے کچھ زیادہ سپرنگر نے لکھی ہے۔ پونڈ دس روپیہ کا شمار کر کے ہمارے سکّہ میں دینار کی قیمت پانچ روپیہ سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔ علامہ شبلی نے دینار پانچ روپیہ کا اور درہم چار آنہ کا بیان کیا ہے المامون جلد دوم صفحہ ۱۹۔ اہل شام کے حساب میں سونے کو چاندی سے ۱۴ ½ کو ایک کی نسبت تھی۔ مسلمانوں میں ۸ یا ۹ بلکہ ۷ کو ایک کی جو بعد میں ۱۰ یا ۱۲ کو ایک کی نسبت تک بڑھ گئی۔ صوبجات شام اور مغربی جزیرے کا سکّہ سونے کا تھا اور ایران اور بابل کا چاندی کا۔ (دیکھو لیف اوف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۲۱۲ حاشیہ) مؤلف ۱۲

اُن کے علیٰ قدر مراتب وظائف مقرر کیے گئے۔ معترض کی آنکھوں نے سامنے تعصب کا اندھیر معلوم ہوتا ہے ورنہ ایسی بات تھی کہ اعتراض کو گنجایش ہی نہ تھی ؛

اس عظیم الشان تجویز کو مستقل طور پر رائج کر دینے کے واسطے دفتر مرتب کرنا پڑا جس کا نام دیوان رکھا گیا اور وظائف کے حساب اور فہرستیں تیار کی گئیں۔ اعلیٰ مراتب کے قبائل اور لوگوں کا حساب رکھنا تو کچھ مشکل نہ تھا مگر لکو کہا عام اقوام عرب اور اُن کے قبائل اور کُنبوں کی فہرستیں اور حساب رکھنا جو فوجی کام اختیار کرنے کے واسطے ہر روز سیل دریا کی طرح اُمڈے ہوئے چلے آتے تھے بقول سر ولیم میور کے ایک ایسا کام تھا جو انسان کے کر لینے کا نہ تھا۔ مگر قبائل کی ترتیب اور افواج کی باقاعدہ تقسیم اور بندش سے اس کام میں کسی قدر سہولیت پیدا کی گئی۔ ہر ایک قبیلہ یا شاخ قبیلہ کے لوگ اپنے اپنے جُدا جُدا دستوں اور حصّوں میں تقسیم ہو کر لڑتے تھے۔ فہرستوں کی ترتیب بھی اسی کے موافق ہو گئی اور ہر ایک متنفس اپنے اپنے قبیلہ میں درج فہرست ہو کر شمار میں آگیا۔ اس بات کا بتانا مشکل ہے کہ دیوان کی فہرستوں کے شمار اعداد میں کہاں تک پہنچے ہوں گے۔ مگر صرف کوفہ اور بصرہ نو آباد شہروں کی آبادیوں سے جو بقول سر ولیم میور کے ڈیڑھ لاکھ اور دو لاکھ تک پہنچ گئی تھیں[1]۔ اس کے شمار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سر ولیم میور نے ایک سرسری اندازہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے پہلے تقریباً پانچ لاکھ عرب حدود عرب سے باہر ایران۔ مصر شام وغیرہ میں کام کر رہے تھے[2]۔ مُلک کی اندرونی وظیفہ خوار آبادی کو ملا کر اس کام کی عظمت اور مشکلات اور اُس کے کرنے والے کی ہمت پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ عقیل بن ابی طالب اور مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو ان فہرستوں کے لکھنے کے واسطے منشی مقرر کیا گیا تھا اور عبداللہ بن ارقم تحویلدار بیت المال خزانچی تھا جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ اگر دوسروں کی مانند تجھکو کچھ سبقت حاصل ہوتی تو میں کسی کو تیرے پر مقدم نہ کرتا ؛

سر ولیم میور نے دیوان کی کیفیت لکھنے کے بعد اسپر کئی ریمارک کیئے ہیں جن میں سے ایک خیال جو اس عنوان سے کہ حضرت عمرؓ کے ان اصولوں نے قبائل عرب کے باہمی مخالفت کے خیالات کو مٹا دیا لکھا ہے اس مقام پر درج کرنا مناسب نہ ہوگا۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک بڑی قوم کو اپنے فتوحات اور اُن کی آمدنیوں۔ خراج اور غنیمت کو پہلے اُخوت کے اصولوں پر سادی طور پر اُس کے بعد جنگی قابلیتوں اور روحانی امتیازات کے موافق اپنے درمیان تقسیم کرتے دیکھنا ایک ایسا نظارہ ہے جس کا نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اس تدبیر کا خیال بجائے خود نہایت عُمدہ تھا۔ اس کے سوا کسی اور طریقے سے قبائل عرب کے باہمی رقیبانہ حسد کے خیالات کو دُور کر دینا ممکن ہی نہیں تھا۔ صفوان و سہیل اور دوسرے شرفائے قریش نے جو فتح مکہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہوئے تھے کسی سے کم وظیفہ لینے سے اوّل انکار کیا اور کہا کہ ہم اپنے سے زیادہ شریف کسی کو نہیں دیکھتے

---

[1] انلس اوف دی اسلی خلافت صفحہ ۱۹۶ [2] انلس اوف دی اسلی خلافت صفحہ ۲۳۰

اور کسی سے کم نہیں لینگے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ نہیں میں شرافت نسبی کے لحاظ سے نہیں دیتا ہوں بلکہ اسلام لانے میں سبقت کے لحاظ سے مقرر کرتا ہوں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ "یہ ٹھیک ہے"۔ اور اس لاجواب دلیل کے سوا کسی دلیل سے اُن کا اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔ قبائل کے باہمی حسد کے سوا اور بہت سے خطرناک اسباب تھے مثلاً اقوام عرب اور اصحاب یعنی اہل مکہ و مدینہ کے درمیان جو رقابت تھی اور دوسرے بنی ہاشم اور بنی اُمیہ اور دوسرے قبائل قریش میں جو رقیبانہ خیالات تھے اور جس حسد نے کہ رفتہ رفتہ پختہ ہو کر خلافت کے وجود ہی کو خطرے میں ڈال دیا تھا لیکن جس کو کہ عمرؓ کے مضبوط ہاتھوں نے روک دیا اور دبا دیا تھا اُس وقت روحانی امتیازات کو معیار حقوق قرار دینے سے دُور کر دیئے گئے"۔

اصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس درجہ کے باریک بین اور حق شناس انصاف اور واقفیت سے مدارج حقوق کا تصفیہ کیا تھا کہ اُسپر کوئی حرف نہیں رکھ سکتا تھا اور اگر کوئی ناواقفیت سے اعتراض کرتا تھا تو اُن کے جواب سے اُس کا پورا اطمینان ہو جاتا تھا۔ مثلاً عمر بن سلمہ کو جب ایک ہزار زیادہ دیا تو محمد بن عبد اللہ بن جحش نے کہا کہ کیا ہمارے باپ اُس کے باپ جیسے نہ تھے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ یہ ایک ہزار اُسکی ماں اُم سلمہ کے لحاظ سے زیادہ دیئے گئے ہیں اگر تیری ماں بھی ام سلمہ جیسی ہو تو تجھے بھی ایک ہزار زیادہ دیدوں اسی طرح جب طلحہ بن عبد اللہ کے بھائی عثمان کے اہل مکہ کے ساتھ آٹھ سو مقرر کیئے اور نضر بن انس کے دو ہزار مقرر کیئے تو طلحہ نے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے بتایا کہ اس کا باپ اُحد کے دن مجھے میدانِ جنگ میں ملا تھا اور کہتا تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو خدا تو زندہ ہے جو نہیں مرے گا اور بڑھکر مقابلہ کیا اور شہید ہو گیا طلحہ اس جواب کو سُن کر خاموش ہو گیا۔

آئندہ نئے وظائف ہمیشہ مقرر ہوتے رہتے تھے اور اُن میں اضافہ ہوتا تھا۔ اور بھی بعض دلچسپ روایتیں کتابوں میں مندرج ہیں۔ مثلاً ایک دن حضرت عمرؓ نے لبید بن ربیعہ کو کہا کہ مجھے اپنے اشعار سُنا۔ اُسنے کہا کہ جب سے مجھے خدا نے سُورۂ بقر اور سُورۂ آل عمران سکھلا دی ہے میں نے شعر پڑھنا چھوڑ دیا ہے حضرت عمرؓ جو طرز جاہلیت کی شاعری کے نہایت مخالف رہتے تھے اس سے خوش ہوئے اور اُس کا وظیفہ دو ہزار سے اڑھائی ہزار کر دیا۔ گویا وہ بھی فیاضی کرتے تھے اور انعام بخشتے تھے مگر اُن کو جو دین اور مذہب میں پکے اور کوئی قابل ستائش امر کرتے تھے۔ اس قسم کے انعاموں سے گویا دوسرے لوگوں میں ایسی عمدہ مثال کی تقلید کرنے کی ترغیب ہوتی تھی۔

بیت المال میں خمس غنیمت کے سوا زکوٰۃ اور عُشر اور جزیہ اور مالگزاری اراضی زراعت کی آمدنی تھی اور علاوہ اس کے ممالک مفتوحہ کی جاگیراتِ خالصہ کی آمدنی داخل بیت المال ہوتی تھی۔ مصارف میں فوج اور دیوانی اور دوسرے متعدد قسم کے انتظامات اور رفاہِ عام اور فلاحِ خواص و عوام کے کاموں کا خرچ بیت المال سے اوّل لیا جاتا تھا اور بچت کو تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ مسلمان آسودہ حال اور دولتمند ہو گئے تھے اور شاید سیوطی کے

اس قول میں کہ خیرات دینے کے واسطے ملاس کرنے سے کوئی لینے والا نہ ملتا تھا بہت [illegible] اور پھر حضرت عمرؓ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں زندہ رہا تو سب سے کم وظیفہ والے شخص کو اوّل درجہ کی تنخواہ والے سے ملا دوں گا۔ تمام آمدنی جس قدر کہ ہوتی تھی اُسی وقت خرچ ہو جاتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کو اس امر کے دیکھنے سے خوشی اور فخر ہوتا تھا[1]۔

کُل خراج اور آمدنی کا تخمینہ بتانا ہمارے لیئے مشکل ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کے مفتوحہ ممالک میں سے چند مشہور اضلاع حلوان۔ اہواز۔ فارس۔ کرمان۔ مکران۔ خراسان۔ جرجان۔ قومس۔ رَے۔ طبرستان۔ دروبان و نہاوند۔ ہمدان۔ بصرہ و کوفہ کے درمیانی اضلاع ماسبدان۔ شہرزور۔ موصل۔ آذربائجان۔ جزیرہ مع اضلاع فرات۔ قنسرین۔ دمشق۔ اردن۔ فلسطین کا خراج خلیفہ ہارون الرشید کے وقت میں دو ارب اور ساٹھ کروڑ درہم کے قریب تھا[2]۔ اور متاع علاوہ تھا۔ اور مصر یمن اور حجاز سے قریب چھبیس ہزار دینار خراج آتا تھا[3]۔ اس پچھلے تین صوبوں کے خراج میں سے تو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بہت کم آتا ہوگا اور مذکورۂ بالا اضلاع اور دوسرے مفتوحہ امصار و دیار سے بھی ایسا باقاعدہ خراج نہیں آتا تھا۔ اگرچہ خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں بھی آمدنی کی شقیں یہی خراج اور عُشر اور جزیہ اور زکوٰۃ ہی تھیں جو حضرت عمرؓ کے وقت میں معین ہو چکی تھیں۔ مگر تمام ممالک مفتوحہ میں اُس کا رواج نہیں ہوا تھا اور عاملوں کو براہ راست ضروری مصارف نکال کر بچت کو بیت المال میں بھیجنے کا اختیار تھا۔

فوج کا انتظام درحقیقت سب سے مقدم اور اس عظیم الشان تدبیر دیوان کا اصول تھا۔ عرب کی اصلی جنس اور متاع مسلمانوں کے یہی بے روک دست و بازو تھے جن کے معاوضہ میں دنیا کو حاصل کیا تھا اور آیندہ حاصل کرنے اور حاصل کیئے ہوئے کو اپنے قبضہ اور حفاظت میں رکھنے کا جن پر بھروسا تھا۔ بس سب سے زیادہ اہم اور ضروری انتظام فوج کا انتظام تھا اور دراصل یہی انتظام حضرت حضرت عمرؓ کی خلافت کا وہ بے نظیر کارنامہ ہے جس کو دنیا ہمیشہ تعجب اور حیرت کی نگاہ سے دیکھا کرے گی۔

تمام عرب کے وظائف اور تنخواہیں اور روزینہ مقرر کر کے اُن کو ضروریات زندگی کی طرف سے بالکل فارغ البال اور بیفکر کر دیا گیا تھا۔ زراعت اور تجارت کی نہ اُن کو ضرورت تھی اور نہ اجازت تھی۔ اُن کا کام اور پیشہ ہتھیار اُٹھانا اور میدانِ جنگ میں کام کرنا تھا۔ فوجی خدمت کرنے کے واسطے وہ مجبور تھے۔ کوئی عذر اور حیلہ قابل سماعت نہ تھا۔ دیوان کا وظیفہ خوار دراصل خلافت کی فوج کا سپاہی تھا۔ وظیفہ خوار عورت سپاہی کی بیوی اور سپاہی کی ماں تھی۔ نوزائیدہ بچہ جس روز سے وہ درج فہرست ہوتا تھا وہ عرب کی فوج کا سپاہی ہوتا تھا۔ اس

---

[1] المس اوف ارلی خلافت صفحہ ۲۲۹ [2] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۳ و ۱۴۰

[3] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۳ و ۱۴۰

انتظام سے عرب کی فوج کا ایک مستقل اور استمراری انتظام کر دیا گیا۔ صرف اسی زمانہ میں نہیں بلکہ اگر وہ انتظام جیسا جاری رہنے کے واسطے بنایا گیا تھا اور عرب کی اقبالمندی کے زمانہ تک جاری رہا اگر اور ہزاروں برس بھی جاری رہتا تو نئی فوجوں کے بھرتی کرنے اور نئے لشکروں کے برپا کرنے کی کبھی فکر اور ضرورت نہ پیش آتی۔ سر ولیم میور اسپر لکھتے ہیں کہ "اسلام کی آمدنی خراج کو اس طرح پر اُس جنگی قوم کا ورثہ بنا دینے سے اُن کی جنگی طبیعت اور جوش کو قائم کر دیا گیا اور خلافت کی فوج کی صورت میں اُن کی خدمت اور ملازمت مستقل اور استمراری ہو گئی۔ اگرچہ اُن کی بیکاری اور آرام کے زمانہ میں سازشوں اور فتنوں کا باعث ہوتیں مگر باایں ہمہ وہ اسلام کی پُشت و پناہ اور اُسکی فتوحات اور خلافت کے قیام کا راز تھیں۔ اس طرح پر وہ جنگی قوموں کے فتح کرنے اور اسلام کو شائع کرنے کے مقدس کام کے واسطے علیحدہ کر دی گئی اور اُس وقت بھی جبکہ مذہبی ولولے کسی قدر کم ہو گئے حضرت عمرؓ کی اس پیش بینی اور تدبیر کی وجہ سے عربوں کے جنگی جوش ایک متحد اور متفق قوم کی صورت میں اُن میں اڑھائی سو برس تک پورے طور پر قایم رہے۔ قوم کی قوم گویا ایک فوج تھی جو ہر وقت حرکت میں رہا کرتی تھی۔ چھاؤنیاں اُن کے گھر تھے نہ کہ شہر۔ اُن کا کام جنگ اور لشکر تھا۔ غرض کہ عرب ایسے مسلح اور متحد قوم ہو گئے تھے جو پُشت ہا پُشت تک مُلک گیری کے لیئے ایک لحظہ کے نوٹس دینے پر تیار اور حملہ کرنے کے لیئے مستعد ہو جاتے تھے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مہتم بالشان اُصول تھا جس کی بنا پر وہ اہل عرب کو زراعت کرنے اور اطراف میں آباد ہونے اور گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال اُن کا نیا نہیں تھا بلکہ بہت پُرانا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں عتبہ اور اقرع سے جو سند زمینداری کی لے کر پھاڑ ڈالی تھی اُس کی وجہ کی تہ میں یہی خیال تھا گو اُس وقت کا ظاہر کرنا قبل از وقت تھا۔ اپنے زمانۂ خلافت میں تو وہ علانیہ طور پر اس خیال کے پابند رہے اور کسی کو زراعت اور آبادی کے کام میں مصروف نہ ہونے دیا۔ شام اور عراق میں لوگوں نے نہایت خواہش سے چاہا اور اصرار بھی کیا مگر حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ مصر میں اور اسیطرح دوسرے ممالک میں تاکیدی حکم بھیجتے تھے کہ اہل فوج قطعاً زمینداری اور کاشت نہ کرنے پائیں۔ اس حکم کے خلاف ایک شخص نے کاشت کی تو آپ نے اُسکو پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی لیکن اُس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور معاف کرا لیا[1]۔ جہاں کہیں فوجی چھاونیاں قایم ہوتی تھیں اسی خیال کی بنا پر وہاں لوگوں کو پکے گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ گھاس پھوس کے کچے گھر بنا کر رہنے کا حکم تھا۔ اگر کوئی پکا گھر بنا بھی لیتا تو اُسکو گروا دیتے تھے۔ غرض کوئی قول اور فعل حضرت عمرؓ کا اس کے متعلق ایسا نہ تھا جو اسی اصول اور خیال پر مبنی نہ ہو اور اسی سے یہ اصول ایسے احکام اور مضبوطی کے ساتھ قایم ہو گیا کہ صدیوں تک جب تک عربوں کو اُس کے چھوڑنے پر مجبور نہ کیا گیا اُن سے نہ چھوٹ سکا۔

---

[1] المامون حصہ دوم صفحہ ۱۸۔

زمینداروں اور کاشتکاروں اور رعایا کے ساتھ اُن کے حقوق کی حفاظت سے فیاضی کا برتاؤ مقصود تھا۔ کسی مُلک کی رعایا کو برباد کرنے کی تدبیر اس سے بڑھکر کوئی نہیں ہوسکتی کہ اُن کو اپنے املاک زمینداری اور حقوق کاشتکاری سے محروم اور بے دخل کردیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں جو اسلام نے بے شمار احسانات ممالک مفتوحہ کی رعایا پر کیئے اُن سب میں بڑا احسان یہی تھا۔ غرض اس ایک اصول میں ایسی دو بڑی عظیم الشان مصلحتیں مخفی تھیں۔ اِس پچھلی بحث کو آیندہ بیان کرنے کا موقع ملیگا ؛

فوج کے انتظام کے متعلق ایک بڑی دانشمندی کا کام جابجا چھاؤنیاں مقرر کرنے کا تھا اور چھاؤنیاں ایسی ضروری اور موقع کی جگہ بنائی گئیں کہ اُن کے مقرر کرنے کا مقصد اُنہیں سے بخوبی حاصل ہوسکتا تھا۔ مصر عراق اور ایران وغیرہ صُوبوں میں آٹھ مرکز اس قسم کے قایم کیئے گئے اور ہر ایک میں بچپت کی فوج ضرورت کے وقت کام کرنے کے واسطے رکھی گئی۔ چار ہزار سوار بچپت میں رہتے تھے[1] اسیطرح پر چارہ اور غلّہ اور سامان کا انتظام کیا گیا اور اس انتظام کا خرچ صُوبہ کے خراج پر پہلا خرچ ہوتا تھا[2] ؛

گھوڑوں اور اُونٹوں کا ایک بڑا ذخیرہ نہایت کوشش سے جمع رکھتے تھے جو شخص خود اپنے واسطے انتظام نہ کرسکتا اُسکو گھوڑا دیتے اور عہد لیتے کہ دانستہ گم نہ کرے گا اور کمی خوراک سے ضایع نہ کردے گا لیکن اگر لڑائی میں مارا جائے تو وہ ذمہ وار نہیں ہوتا۔ اور سال بھر میں چالیس ہزار اُونٹ سواری کے لیئے دیتے تھے[3] ؛

کُوفہ اور بصرہ اور قاہرہ بھی درحقیقت چھاؤنیاں تھیں اور اسی غرض سے مقرر ہوئی تھیں۔ مدائن کی آب وہوا کے خراب ہونے کے سبب سے سپاہیوں کی صحت میں فرق آنیلگا تھا۔ ایک دفعہ جب ایک جماعت اہل لشکر کی حضرت عمرؓ کے سامنے گئی تو اُنہوں نے اُن کے چہروں پر زردی اور کمزوری دیکھکر حیران ہوکر اسکا سبب پوچھا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ مدائن شہر اور اُسکی آب ہوا عرب کی طبائع کے موافق نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر کسی ایسے صحت بخش اور موافق آب وہوا والے مقام کی تلاش کرنے کا حُکم دیا کہ ریگستان کی ہوا وہاں سے گزرتی ہو اور قریب ہو اور عُمدہ اور صاف پانی کے نزدیک ہو اور مدینہ اور اُس مقام کے درمیان کوئی دریا یا ایسی چیز حائل نہ ہو جو مدد کے فوراً وہاں پہنچنے کو روکتی ہو۔ سعد بن ابی وقاص نے کنار ریگستان پر ہر ایک طرف تلاش وتجسس کی اور کُوفہ کے میدان سے بڑھکر بہتر کوئی مقام اُن اوصاف سے متصف نہ پایا جو حیرا کے قریب اور دریا فرات کی مغربی شاخ پر واقع تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اِس انتخاب کو پسند کیا اور لوگوں کو وہاں چلے جانے یا مدائن میں رہنے کا اختیار اور اجازت دی۔ لوگ گروہ کے گروہ وہاں جانے لگے۔ اور گھاس پھوس اور نرسل اور مٹی گارے سے مکان

---

[1] انس اوف خلافت صفحہ ۲۳۱ [2] انس اوف ارلی خلافت ۲۳۱

[3] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا جلد دوم باب سیاست فاروق اعظم

بنا لینے کی اجازت دی۔ ۱۷ھ ہجری کا سال تھا وہ اس بات کے نہایت مخالف تھے کہ مستقل رہایش کے واسطے وہاں پختہ اور دیرپا مکان بنائے جائیں۔ لیکن جب کئی دفعہ آتشزدگی کی وارداتیں ہوئیں اور مکان جل اُٹھے تو آخر حضرت عمرؓ نے اینٹ سے پختہ مکانات بنانے کی اجازت دیدی اور لکھا کہ "یہ عارضی لشکرگاہ صرف مجاہدین کی رہایش گاہ ہے لیکن اگر تم وہاں زیادہ مستقل رہایش اختیار کرنا چاہتے ہو تو خیر اجازت ہے۔ مگر کوئی شخص تین سے زیادہ مکان نہ بنائے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے زیادہ شان اور آراستگی رکھے" اس حکم پر شہر از سر نو بنایا گیا اور بازاروں کو سیدھا کر کے باقاعدہ بنایا گیا۔ مرکز میں ایک بڑا چوک جامع مسجد کے واسطے رکھا گیا جہاں آخر ایک نہایت عظیم الشان مسجد بنائی گئی۔ تجارت کی منڈی کے واسطے ایک اور چوک علاحدہ رکھا گیا اور ہر ایک شخص کو اُس کی ضرورت کے موافق زمین دی گئی۔

منڈی کے قریب سعد نے ایک عالی شان مکان اپنے رہنے کے واسطے بنوایا۔ حضرت عمرؓ نے جب سُنا کہ سعد نے ایک قلعہ نما مکان بڑے دروازہ دار بنوایا ہے تو ناراض ہوئے اور محمد بن مسلمہ کو اُس دروازے کے توڑ دینے کا حکم دیکر بھیجا اور سعد کو لکھا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے اپنے لیئے ایک محل بنوایا ہے جو تیرا قلعہ کہلاتا ہے اور اپنے اور لوگوں کے درمیان ایک بڑا دروازہ بنایا ہے۔ یہ تیرا قلعہ نہیں ہے بلکہ دوزخ کا قلعہ ہے تجھے خزانہ کی حفاظت کے واسطے ایک محفوظ مکان درکار ہے مگر اپنے رہنے کے واسطے ایسا مکان ضروری نہیں ہے جو تیرے اور خلق اللہ کے درمیان آمد و رفت کو روکتا ہو اور تجھ کو اُسے گرا دینا چاہیئے"

بصرہ خلیج فارس سے اوپر دریا کے کنارے پر واقع ہے۔ اس نواح میں بھی حضرت عمرؓ اس علاقہ کے فتح ہونے کے بعد فتوحات کی حفاظت اور انتظام اور کسی مخالفانہ حملہ کی مدافعت کے واسطے ایک فوجی مقام قائم کرنا چاہتے تھے۔ پہلے تو اُبلہ کے کھنڈروں پر مسلمانوں کے کچھ گھر بن گئے اور وہیں رہنے لگے مگر سمندر کے قرب کے سبب سے آب و ہوا موافق نہ تھی۔ کئی دفعہ ردّوبدل ہو کر آخر بصرہ کا پُرفضا مقام پسند کیا گیا۔ اور عتبہ بن غزوان نے قریباً اُسی زمانے میں جب کوفہ بنا ہوا تھا اجازت لیکر اُسی وضع پر کچے سے پکے گھر بنائے۔ دونوں شہروں کو معافیات اور اراضیات وقف دی گئیں مگر چونکہ کوفہ کی آمدنی زیادہ تھی وہ رونق اور آبادی میں بصرے سے بڑھا رہا[1]

ایک دوسرے مؤرخ کوفہ اور بصرہ کی آبادی اور رونق کی کیفیت کو اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ "کوفہ اسلام کی وسعت اور تمدن کا گویا دیباچہ تھا۔ اہل عرب کی روزافزوں ترقی کے لیئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی اس ضرورت سے حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو جو اُس وقت حکومتِ کسریٰ کا خاتمہ کر کے مدائن میں اقامت گزین تھے خط لکھا کہ "مسلمانوں کے لیئے ایک شہر بساؤ جو اُن کا دارالہجرت اور قرارگاہ ہو" سعد نے

کوفہ کی زمین پسند کی ۱۷ھ ہجری میں اسکی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور مٹی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ اسی و
عرب کے قبائل ہر طرف سے آکر آباد ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ
بن گیا۔ حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لیئے جو وہاں جاکر آباد ہوئے تھے
روزینہ مقرر کر دیئے۔ چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کوفہ کو "مح اللہ"۔ "کنز الایمان"۔ "جمیعۃ العرب" فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے تھے۔
"الی راس الاسلام"۔ "الی راس العرب"۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس شہر کو دار الخلافت قرار دیا۔ صحابہؓ میں سے
ایک ہزار پچاس شخص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے وہاں
گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کر لی۔ ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے
تھے اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درس گاہ بن گیا تھا۔

بصرہ بھی اسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے
کوفہ کا ہمسر تھا۔ یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دار العلم خیال کیئے جاتے تھے۔ سفیان
بن عیینہ جو آئمہ حدیث میں شمار کیئے جاتے ہیں اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کے لیئے مکہ۔ قرأت کے لیئے مدینہ۔
اور حلال و حرام فقہ کے واسطے کوفہ ہے۔

کوفہ اور بصرہ کی رونق اور آبادی کی ترقی درحقیقت تعجب انگیز تھی۔ تھوڑے ہی زمانہ میں آبادی کی نوبت
لاکھوں تک پہنچ گئی اور ان نو آباد شہروں میں سلطنت کے دعویداروں کی قسمتوں کے فیصلہ ہونیلگے۔

سر ولیم میور نے جو ریمارک کوفہ اور بصرہ پر کیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہوگا کہ "کوفہ اور بصرہ کو جو اپنی
بنا میں ایسے عدیم المثال تھے خلافت اور خود اسلام کی قسمتوں پر حیرت انگیز اثر حاصل تھا۔ آبادی کا بڑا حصہ جزیرہ نما
سے آیا اور خالص عرب کی نسلوں سے جو قبائل مع اپنے کنبوں کے ایران کے شکار کے واسطے عراق عرب کی طرف
سیلان دریا کی طرح امڈے چلے آتے تھے وہ خصوصاً ان دونوں شہروں میں آباد ہوتے تھے۔ کوفہ میں یمن اور جنوب
کے قبائل زیادہ تر آباد ہوتے تھے اور بصرہ میں شمال کے بہت جلد وہ دو بہت بڑے اور پُر رونق شہر ہو گئے
جن میں سے ہر ایک میں دو لاکھ اور ڈیڑھ لاکھ متنفس سے کم نہ ہوں گے[1]۔ اسلام کے ادب۔ مذہب اور ملکی معاملات
پر باقی تمام اسلامی دنیا کا اثر نہ تھا جتنا کہ ان دو شہروں کا تھا۔ جنگی خدمت گاہ بگاہ کرنی پڑتی تھی اور باقی وقت

---

[1] یہ آبادی کا شمار مورخ مذکور نے بلاذری کے قول سے اخذ کیا ہے جو اس نے سنہ ہجری میں زیاد کے
وقت میں کوفہ میں اسی ہزار سپاہی اور ایک لاکھ بیس ہزار کنبوں اور بصرہ میں ساٹھ ہزار سپاہی اور اسی ہزار
کنبوں کے موجود ہونے کی لکھی ہے۔ سر ولیم میور کی اپنی رائے یہ ہے کہ تمام غیر اقوام وغیرہ کی آبادی بلکہ ہر ایک
شہر میں تین لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ مؤلف ۱۲

بیکاری میں گزرتا تھا۔ جس کو وہ امور تمدن کے جوڑ توڑ کے مشوروں میں گزارتے تھے اور وقت کے معاملات پر بحث کرتے وقت وہ گزشتہ ایام کی طرف جا نکلنا بہت پسند کرتے تھے اور لڑی ہوئی لڑائیوں کو پھر پھر لڑتے تھے جس سے روایت کا سلسلہ اور اختلاف پیدا ہوا ہے۔ لیکن یہ مباحثے بعض اوقات قبائل کی باہمی رقابت اور خانگی بدنامیوں تک پہنچ جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ لوگ فتنہ انگیز اور فسادی ہو گئے اور یہ دونوں شہر مفسدہ اور ہنگامہ کی جگہ ہو گئے ؛

یہ فتنہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دانشمند اور مضبوط ہاتھوں نے روکے اور دبائے ہوئے تھے کمزور خلفاء کے وقت میں برانگیختہ ہو گئے اور اسلام کے اتفاق اور یک جہتی کو چیر ڈالا اور تکلیف و مصیبت کے وقت لے آئے "؛

قاہرہ بھی اسی طرح بنا پا کر آباد ہوا ہے۔ مصر کو فتح کر کے عمرو بن العاص سکندریہ کو اپنا صدر مقام قرار دینا چاہتا تھا مگر حضرت عمرؓ نے لشکر سے اتنی دور اور ایسے مقام پر رہنا جس کے راستہ میں دریا کی کئی شاخیں حائل ہوں ناپسند کیا۔ اس لیئے وہ شمالی مصر کو واپس آگیا۔ عربوں کی ایک جماعت دریائے نیل عبور کر کے مغربی جانب مقام غزیہ پر جا رہی۔ حضرت عمرؓ نے اس شرط پر وہاں رہنے کی اجازت دی کہ ایک مضبوط قلعہ فوج کی حفاظت کے واسطے بنا لیا جائے۔ فوج کا صدر مقام ممفس کے قریب مقرر کیا گیا جہاں فسطاط (فستات) کے نام سے جس کے معنی لشکر گاہ کے ہیں ایک چھاونی قایم ہو گئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ عظیم الشان شہر پیدا ہو گیا جو قاہرہ کے نام سے مصر کا دار السلطنت ہے۔ عمرو بن العاص نے وہاں ایک عظیم الشان مسجد کی بنا رکھی جو اب تک اُن کے نام سے مشہور ہے ؛

غرض حضرت عمرؓ کے فوج اور ملک کے پُر حکمت اور شایستہ انتظام سے جو عجائبات پیدا ہوئے اُن میں سے کوفہ اور بصرہ اور قاہرہ بھی تھا ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ایک مستقل اور مستحکم انتظامی اصول عموماً اور فوج کی نسبت خصوصاً عرب کی سادہ طرز معاشرت اور سادگی عادات قایم رکھنے کا تھا۔ جیسے کہ وہ عربوں کے ممالک غیر میں آباد ہونے یا جاگیر پیدا کرنے کے مخالف تھے ویسے ہی وہ اُن کے اپنی سادگی اور سادہ طرز معاشرت چھوڑ کے دوسرے ممالک کی عادات اختیار کرنے کے عیش و عشرت میں پڑ جانے کے خوف سے سخت مخالف تھے ؛

فوج کے انتظام کے بعد صیغۂ مال۔ دیوانی خراج محاصل اور محصولات وغیرہ کا انتظام تھا۔ کوئی شخص دنیا میں اس حیرت ناک امر کو تعجب کے بغیر نہ سنیگا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دس سالہ خلافت کے زمانہ میں جو ممالک اور صوبے فتح ہو گئے تھے اُن کا مجموعی رقبہ ہمارے وسیع ملک ہندوستان کے رقبہ کے قریب قریب ہوگا اور اگر عرب کا رقبہ بھی اُس میں شامل کر لیا جائے تو روس کو خارج کر کے باقی تمام یورپ کے رقبہ سے زیادہ ہوگا اتنی بڑی سلطنت کا جو اسقدر جلد فتح ہوئی انتظام کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اور ہم یہ نہیں کہتے حضرت

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما حقہٗ انتظام کر لینے میں کامیاب ہوئے بلکہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جو اصول نظم و نسق کے اُنہوں نے اختیار کیے تھے اُس سے بہتر اور شائستہ اصول ہو سکتے تھے یا نہیں۔ حضرت عمرؓ کا اپنے کام پر اختیار تھا مگر وقت پر اختیار نہیں تھا۔ اُن کو صرف اُس بنیاد کے قائم کرنے کی مہلت ملی جس پر کہ اسلامی سلطنتوں کی عظیم الشان عمارتیں بنا کی گئیں۔ اگر اُن میں کوئی نقص تھا تو وہ اُس بنیاد سے تجاوز کر جانے کا تھا۔

فتوحات کے عقب میں ممالک مفتوحہ کا سول یعنی دیوانی انتظام تھا۔ اس قسم کے انتظام کے واسطے تقسیم ممالک کی ضرورت تھی مگر کوئی نئی تقسیم زیادہ تر نہیں کی گئی۔ اُنہیں اضلاع اور صوبجات میں جن میں کہ وہ پہلے تقسیم تھے اُن کو منقسم رہنے دیا اور ہر ایک شہر میں جو صوبہ یا ضلع کا صدر مقام تھا عامل مقرر کر کے بھیجے۔ یہ عمال عموماً چار قسم کے تھے۔ ایک امیر جس کے تعلق انتظام کُل امور ریاست اور فوج کا انتظام تھا۔ دوسرا قاضی جو انفصال مقدمات اور عدالت کا کام کرتا تھا۔ تیسرا تحویلدار جس کی سپردگی میں خزانہ رہتا تھا۔ چوتھے وہ علماء جو مذہب کی تلقین اور وعظ کی غرض سے بھیجے جاتے تھے۔ اُن کے اپنے اپنے کام علیحدہ علیحدہ تھے اور ہر ایک اپنے کام کے واسطے جوابدہ تھا اس طرح پر عہدوں اور اختیارات کو تقسیم کیا اور بڑی دانشمندی کا کام عام انتظامی اور مالی اختیارات اور عدالت کا جُدا کر دینا تھا جس کی ضرورت پر اس شائستگی کے زمانہ میں بھی معقول بحثیں پیش کیجاتی ہیں۔

مُلک کا باقاعدہ بندوبست شروع کیا۔ عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو پیمائش کرنے کے کام پر مقرر کیا۔ سواد کے کُل اضلاع کی پیمائش تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوئی۔ اسیطرح پر عراق و شام تک اس سلسلہ کو وسعت دی اور ایک باقاعدہ اصول اور شرح کے موافق خراج اور مال گزاری مقرر ہوئی۔ یہ شرحیں حیثیت اراضی کے موافق مختلف تھیں۔ مگر عام شرحیں لگان کی حسب ذیل تھیں :-

نخلستان فی جریب یعنی پون بیگہہ پختہ — ۱۰ درہم (بعض روایات میں پانچ درہم)

انگور — " " ۱۰ درہم۔

نیشکر — " " ۶ درہم

گیہوں — " " ایک درہم ایک صاع غلّہ (پونے چار سیر)

جَو — " " ایک درہم و صاع غلّہ

ترکاری — " " ۵ درہم

مصر کا خراج فی جریب ایک دینار مقرر ہوا اور عمرو بن العاص نے جو مصر کے امیر تھے یہ عہد لکھدیا کہ اس شرح سے کبھی زائد نہ لیا جاوے گا۔ اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہیئے۔ اِن

شرحوں میں بھی الترمی اور تبدیلی ہوتی رہتی تھی۔ گبن یورپ کا مؤرخ اعظم اس مقام کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "ایران کا انتظام آدمیوں۔ مویشیوں اور زمینوں کی پیداوار اور پھلوں کے علمی حساب اور پیمائش پر رکھا گیا۔ خلافت کا یہ قابل یادگار رکام جس سے خلیفوں کی ہوشیاری اور خبرداری معلوم ہوتی ہے ایسا تھا کہ ہر زمانہ کے حکیم اور غلافر اُس سے سبق اور ہدایت حاصل کر سکتے تھے۔" [۱]

مال تجارت پر محصول مقرر کیا گیا۔ یہ محصول مسلمانوں سے زکوٰۃ کی مختلف شرحوں سے لیا جاتا تھا۔ ذمیوں سے پانچ روپیہ فی صدی کے حساب سے اور حربیوں سے دس روپیہ فی صدی کی شرح سے لیکن زکوٰۃ کی طرح یہ محصول سالانہ ہوتا تھا اور سال میں اُسی مال پر پھر محصول نہیں لیا جاتا تھا اگر غلطی سے لیا جائے تو واپس کر دیا جاتا تھا۔ اِن محصولوں کے وصول کرنے کے واسطے ایک جُدا عملہ مقرر تھا جن میں بصرہ کی سمندر کی پیداوار کا محصول وصول کرنے والے عمال بھی شامل ہیں۔

جزیہ صُلح اور ذمہ واری حفاظت کا ٹیکس تھا۔ اُسکی مختلف شرحیں تھیں مگر چار درہم ماہوار سے زیادہ نہیں لیا جاتا تھا۔ عام شرحیں ایک درہم اور دو درہم ماہوار تھے۔ لیکن بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عُمر والوں اور عورتوں اور مفلوج معطل العضو۔ نابینا۔ مجنون مفلس یعنی جس کے پاس دوسو درہم سے کم عموماً سب کو معاف تھا۔

سر ولیم میور نے پراونشل ایڈمنسٹریشن کو نہایت اختصار سے اِن الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ "فتوحات کے پیچھے سوِل (دیوانی) انتظام کیا گیا۔ عراق عرب میں نہروں کو جال کی طرح پھیلا دینے کا کام ہاتھ میں لیا گیا۔ دجلہ اور فرات کے بند اور پُشتہ جو زمانہ دراز سے فراموش ہو گئے تھے اُن کا انتظام دو جُدا جُدا خاص افسروں کے سپُرد کیا گیا۔ شام اور عراق کی ایک ایک کھیت کی پیمائش کی گئی اور ریاست اور رعایا کی دونوں قسم کی اراضی پر ایک معین اور یکساں قاعدہ کے موافق لگان مقرر کیا گیا۔ عراق میں دہقانوں یا بڑے جاگیرداروں کی نیابت سے جیسا کہ ساسانیوں کے وقت میں دستور تھا پولیس اور خراج کے انتظام میں مدد لی گئی۔" [۳]

غرض مُلک کی آبادی اور سرسبزی اور امن و آسائش کو ترقی دینے کے واسطے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ "جو لوگ اپنی زمینوں اور املاک کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اُن کے واپس بُلانے کے واسطے حکم بھیجا اور ایک خفیف اور معتدل خراج مقرر کر کے اُن کو اپنی زمینوں اور املاک میں ذمیوں کے نام سے نہایت خُشنگی سے آباد کر دیا۔" [۴]

اہل عرب کی درخواستیں شام اور عراق کی زمینیں ضبط کر کے اُن کو دی جانے کی نامنظور کیں۔ [۵] "اُنکی

---

[۱] الماسون حصہ دوم صفحہ ۱۹
[۲] ہسٹری اوف سراسینس مؤلفہ گبن اوکلی صفحہ ۶۴
[۳] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۳۰
[۴] انلس اوف خلافت صفحہ ۱۹۴
[۵] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۱۹۵

کی فروخت وغیرہ منع کردی گئی۔ اس طرح پر اصلی مزارعین اور رعایا کے واسطے دوگونہ حفاظت کا انتظام ہوگیا جو کسی صورت میں بھی اپنی زمینوں اور املاک سے خارج نہیں کیے جاتے تھے۔ پس مُلک اپنے اصلی کاشتکاروں کے ہاتھ میں رہ کر اور پرورش پاکر سرسبز اور زرخیز اور مستقل خراج کا ذریعہ ہوگیا" [1]

آبپاشی کے کام کو اعلیٰ شایستگی کی دانشمندی سے نہایت سرگرمی سے ترقی دی گئی جو ترقی زراعت کا اصول اور جڑ تھی ؛

فتوحات کی وسعت اور فوج کشی کو کئی دفعہ روک کر امن و آبادی اور زراعت کے کام میں مصروف ہونے کا حکم دیا۔ ہرمزان کو جب ایک دفعہ شکست دیکر سردار لشکر عرب نے اُس کا تعاقب کرنے اور سامنے کے مُلک پر قبضہ کر لینے کی اجازت چاہی تو حضرت عمرؓ نے اجازت نہ دی اور حکم دیا کہ آب پاشی کے وسائل اور کام کی درستی اور ترقی اور خوزستان کی قابل زراعت زمینوں کی نوآبادی اور زراعت کرانے میں مصروف ہو [2]" تمام علاقہ میں نہروں کو جال کی طرح پھیلا دیا [3]۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ "غنیمت سے خراج اچھا ہے [4]" یعنی فتوحات کی جانب توجہ کرنے سے زیادہ ضروری زراعت اور آبادی اراضی میں مصروف ہونا ہے ؛

تجارت کی ترقی کے واسطے بھی ایسے ہی آزادانہ اور شایستہ اُصول اختیار کیے گئے۔ غیر ممالک کے باشندوں یعنی اہل حرب یا حربیوں کو اپنے ممالک مفتوحہ میں آنے اور آزادی سے تجارت کرنے کی اجازت دی اور اُن کی حفاظت کے خود ذمہ وار ہوئے۔ مثلاً اہل ینبع نے اسی غرض سے درخواست بھیجی تو اُسکو منظور کرکے اجازت دیدی [5]"

پولیس [6] اور ڈاک خانہ وغیرہ کی ضروریات کا مناسب انتظام کیا۔ سر ولیم میور خالصہ جاگیرات کو بیت المال میں شامل کرنے کی وجہ میں لکھتے ہیں کہ "نہروں کے اُس عظیم سلسلہ کی ضروریات اور ڈاک خانہ اور دوسری قسم کی خدمات کا خرچ آمدنی خراج پر تھا [7]"

رفاہ عام کے کام بھی نہایت شایستہ اصولوں پر اختیار کیے گئے۔ کعبہ کے احاطہ کی وسعت زیادہ کردی اور حرم کے نشانوں کی تجدید کی [8] اور بڑے چوک کی تعمیر کی ابتدا کی گئی جو تمام اقوام کے عبادت گاہ ہونے کے لائق ہو [9]۔ جو مکانات احاطۂ کعبہ کے بہت قریب تھے اور ساتھ مل گئے تھے اُن کا معاوضہ دیکر اُٹھوا دیا گیا [10] ؛

---

[1] انلس اوف خلافت صفحہ ۱۹۵ — [2] انلس آف دی خلافت صفحہ ۲۵۱
[3] 〃 〃 ۱۳۰ — [4] 〃 〃 ۲۴۳
[5] ازالۃ الخفا باب سیاست — [6] 〃 〃 ۲۳۰
[7] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۱۹۵ — [8] ازالۃ الخفا و انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳
[9] 〃 〃 ۱۶۳ — [10] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳ ؛

مکہ سے لیکر مدینہ تک سڑک پر سایہ اور پناہ کا انتظام کرایا گیا۔ اور حاجیوں اور مسافروں کے ٹھہرنے کے واسطے مکانات تعمیر کرائے گئے[1]۔ جہاں جہاں کنوئیں موجود تھے اور بھر گئے تھے یا بند ہو گئے تھے اُن کو صاف کرایا گیا اور جہاں پانی نہ تھا وہاں کنوئیں کھودوا دیئے گئے[2] اور تمام کنوئیں اور چشمہ قریب کے قبائل کی ذمہ داری میں سپرد کر دیئے گئے ؛

مسجد نبوی کو زیادہ فراخ کر دیا گیا اور اُس میں فرش بچھانے کا انتظام کیا سڑکیں اور راستہ نکالے گئے اور آمد و رفت کے وسائل کو ترقی دی گئی۔ نئے شہر اور مکانات تعمیر آباد کرائے گئے۔ نہریں کھودوائی گئیں۔ دریاؤں پر پُلیں بنائی گئیں۔ اور مسجدیں تعمیر کرائی گئیں۔ ایک ہزار چھتیس شہروں میں جو بقول ایک مورخ کے مع اپنے توابع اور ملحقات کے فتح ہوئے۔ چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائی گئیں اور نو سو منبر جامع مسجدوں کے محرابوں میں کھوائے گئے[4] ؛

ایک بڑا عظیم الشان کام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے زمانہ کا بحر احمر اور دریائے نیل کے پانیوں کو ایک بہت بڑی نہر سے ملا دینے کا تھا جس سے مصر اور عرب کی باہمی تجارت میں بہت بڑی ترقی ہو گئی۔ انگریزی مورخ اس کی کیفیت اس طرح پر بیان کرتا ہے کہ "ایک قابل یادگار کام جو عمرو بن العاص نے سکندریہ سے فسطاط کو واپس آکر شروع کیا اُس سے مصر سے عرب کو غلہ بھیجے جانے کے وسائل نہایت سہل ہو گئے۔ قدیم زمانہ میں جو شمالی مصر میں دریائے نیل اور بحر احمر کے درمیان سویز پر آمد و رفت کا ذریعہ تھا اُسکی تجدید کر دی گئی۔ یہ بڑی نہر دریا کی سب سے مشرقی شاخ سے بلبیس کے قریب سے شروع ہو کر وادی تملات سے گزر کر اور تمسیہ کے قریب کھاری جھیلوں میں سے ہوتی ہوئی نہر سویز کے نچلے حصہ کے پاس بحر احمر سے جا ملی۔ قدیم اور جدید نہر کے مفصل حالات معلوم نہیں ہوتے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں قاہرہ سے عرب کے کناروں تک جہاز آتے تھے اور دونوں ملکوں کے درمیان باقاعدہ آمد و برآمد قایم ہو گئی تھی۔ خود خلیفہ نے مدینہ کے بندر ینبوع پر جا کر اپنی آنکھوں سے جہازوں کو وہ اسباب اُتارتے ہوئے دیکھا جو مصر کے میناروں کے سایہ کے تلے اُن پر لادے گئے تھے۔ یہ نہر آٹھ برس تک جاری رہی اور پھر ریت اور مٹی سے بھر جانے سے چھوٹ گئی[5] ؛

شمار تاریخ اور سنین کے واسطے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اسلامی سنہ ہجرت سے مقرر کیا جو سنہ ہجری کے نام سے اسلام کے ساتھ باقی رہیگا ؛

---

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست و اُنلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳
[2] ازالۃ الخفا باب سیاست
[3] اُنلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۶۳
[4] ازالۃ الخفا بسند روضۃ الاحباب
[5] اُنلس اوف دی ارلی خلافت صفحہ ۲۴۵

اس سے پہلے سالوں کا شمار مختلف طریقوں سے ہوتا تھا۔ اس میں باقاعدگی اور صحت پیدا کرنے کے واسطے سنہ ہجری مقرر کیا۔ ہجرت اگرچہ چوتھی ماہ ربیع الاوّل کو ہوئی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ماہ محرم کی پہلی تاریخ سے سال کا حساب شروع کیا جو اب تک بدستور رائج ہے ؛

غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے سلطنت اور خلافت کی بنا ایسے شایستہ اُصولوں پر رکھی اور ایسے شایستہ اصول اختیار کیے کہ کوئی مہذب سے مہذب گورنمنٹ بھی اُس سے بہتر اُصول رکھنے کا فخر نہیں کر سکتی۔ قوانین کا بنانا۔ فوج کا انتظام۔ پولیس۔ اشاعت مذہب کی تدبیریں۔ ڈاک خانہ۔ باقاعدہ مالگزاری۔ انتظام ملک کے محکمہ اور انصاف کی عدالتیں۔ رعایا کی خبر گیری۔ ارضی و سماوی آفات۔ قحط و وبا کا انتظام۔ یہی چیزیں ہیں جن پر ہر ایک مہذب سلطنت کی بنا ہے ؛

قانون اور عدالت کا ذکر ہم آیندہ کرینگے۔ لیکن اس باب کے ختم کرنے سے پہلے ہم اُن ناگہانی آفتوں قحط اور وبا کے انتظام کا ذکر کریں گے جس سے مقابلہ کرنے کے واسطے کسی سلطنت کی تاریخ میں اُس سے بہتر نظیر نہیں پائی جا سکتی ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خلافت کا پانچواں سال قحط اور وبا کی دوگونہ آفات کے وبال سے تاریک ہو گیا۔ اس سال کو سال رمادہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ غالباً اس وجہ سے کہ حجاز کی گرم اور خشک ہوا نے تپی ہوئی اور جلی ہوئی زمین کی مٹی اور خاک کو اُڑا کر آسمان کو گرد و غبار سے آلودہ کر دیا تھا۔ جزیرہ نما کے شمالی نصف میں قحط اور خشکی اس شدت سے نمودار ہوئی کہ قدرتی روئیدگی کی سبزی اس طرح جلکر راکھ ہو گئی جیسے اُس کے اوپر آگ جلادی جاتی ہے۔ ریگستان کے وحشی اور جنگلی جانوروں کو بھوک اور ضرورت نے ایسا مجبور اور مانوس کر دیا تھا کہ بیدھڑک انسان کے پاس چارہ تلاش کرنے کو دوڑے آتے تھے۔ گلے اور ریوڑ جانوروں کے بھوک سے مر گئے یا ایسے دُبلے ہو گئے کہ پوست و استخوان کے سوا اُن میں کچھ نہ رہا جو انسان کی غذا کے کام آتا۔ بازار خالی اور ویران ہو گئے۔ لوگ محصور فوج کی تنگی کی آخری نوبتوں پر پہنچ گئے اور تکلیف اور مصیبت کی کوئی حد نہ رہی۔ قبائل اعراب کے طائفہ کے مدینہ میں آکر جمع ہو گئے اور اُس مصیبت اور تکلیف کو اور بھی بڑھا دیا[1] ؛

حضرت عمرؓ نے خواب و خورش اپنے پر حرام کر لی اور مسلمانوں کی خبر گیری اور اس مصیبت کو دفع کرنے کے واسطے کمر ہمت باندھ لی[2] ؛

بیت المال میں جو کچھ کہ تھا یا آتا تھا آخری درہم تک مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اور جو لوگ غلہ کو بند رکھنے کا کام کرتے تھے اُن کو اس حرکت سے روک کر غلہ کی فروخت کرائی جاتی تھی۔ آسودہ

کے تمام امیروں اور عمال کو حکم بھیجا کہ غلّہ جس قدر ممکن ہو مدینہ کی طرف روانہ کریں اور اُنہوں نے بھی اِس مصیبت کے دفع کرنے میں بہت کوشش اور ہمت اور جلدی سے مدد دی۔ کوئی کوشش اِس مصیبت کے دُور کرنے میں حضرت عمرؓ نے اُٹھا نہ رکھی[52] اور اطراف کے امیروں میں ابو عبیدہ بن جراح شام سے چار ہزار اُونٹ غلّہ کے لاد کر لے آئے جو محتاجوں اور قحط زدہ لوگوں میں دست بدست تقسیم کر دیئے گئے[53]۔ عمرو بن العاص نے مصر سے خشکی اور تری دونوں کے راستہ سے غلّہ بھیجا اور عراق سے بھی امداد ہوئی۔ بے شمار جانور ذبح اور حلال کر کے اہل مدینہ اور قحط زدہ مخلوق کو کھلا دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ کے ممالک غیر سے غلّہ منگوانے اور فراہم کرنے کی کوششوں کی کامیابی اِس روایت سے ظاہر ہے کہ چند ہی روز میں مصر اور عرب کا نرخ برابر ہو گیا[54]۔

جس قدر کہ اپنے وسائل سے اِس مصیبت کے دفع کرنے کی کوشش کیجاتی تھی اُس سے زیادہ خداوند کریم سے اِس بلا کو دُور کرنے کے واسطے دُعائیں مانگتے تھے۔ یہاں تک کہ آخر نو ماہ کی تکلیف اور امتحان کے بعد خدا نے بارانِ رحمت سے فضل کیا اور اِس مصیبت سے نجات ملی۔ گھاس اور سبزی بہت جلد اُگ آئی اور قبائل اعراب اپنے اپنے گھروں کی طرف رُخصت کر دیئے گئے[55]۔ اِس مصیبت سے ایک یہ فائدہ حاصل ہو گیا کہ ممالک شمالی اور عرب کے درمیان مستقل آمد و رفت اور تجارت کھل گئی اور حجاز کے بازاروں میں زمانۂ دراز تک شام اور مصر کا غلّہ فروخت ہوتا رہا"[56]۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس مصیبت اور تشویش و تردّد سے یہ دن کاٹے وہ خلق اللہ کی ہمدردی۔ خبر گیری اور غمخواری کی ایک بے نظیر مثال ہے۔ اُنہوں نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک مخلوق خدا کو آسائش اور کشائش نہ حاصل ہو گی گوشت اور گھی اور دُودھ نہ استعمال کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ ایک دفعہ اُن کے غلام نے نہایت گراں قیمت کو گھی اور دودھ خریدا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے اُسکو محتاجوں میں تقسیم کرنے کے واسطے بھیجدیا اور کہا کہ "میں کوئی چیز جو مہنگی آویگی استعمال نہ کروں گا۔ کیونکہ پھر مجھے مُسلمانوں کی تکلیف اور مصیبت کی خبر نہ رہیگی"[57]۔

زیتون کے ساتھ روٹی کھاتے تھے۔ ایک دن جب اُن کا کھانا سامنے آیا تو ایک اونٹ کے گوشت میں جو اُس روز ذبح کیا گیا تھا اچھا گوشت چھانٹ کر اُن کے واسطے پکا کر ایک پیالہ میں لایا گیا مگر اُنہوں نے اُس کے

---

[51] ازالۃ الخفا باب کلمات
[52] اُنلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۳
[53] اُنلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۳
[54] ازالۃ الخفا باب سیاست
[55] اُنلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۴
[56] ازالۃ الخفا باب سیاست و اُنلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۱
[57] اُنلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۳۲

دے آئیں وہاں نہیں گیا اور وہ بھوکے ہوں گے"[1]

اپنے بیٹے پر ایک دن کھیر کھانے پر ناراض ہوئے اور گھوڑے کی سواری تک ترک کردی۔ قبائل اعراب کے اکٹھا ہوجانے سے ایک مدینہ بن گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا معمول ہوگیا کہ دن اور رات گھر گھر اور کوچہ کوچہ اور اعراب کی جماعتوں میں غلّہ اور کھانا تقسیم کرتے ہوئے پھرتے اور اپنی ان تکلیفوں کو راحت سمجھتے۔ بے شمار واقعات اُن کی خدا ترسی۔ مخلوق کی محبت اور ہمدردی۔ رعایا کی خبر گیری اور غمخواری۔ اور اپنے فرائض کو ایک ایسے عجیب غریب طریقہ میں ادا کرنے کے بیان کیے گئے ہیں۔ اور کُتب سِیَر و تواریخ کے بہت سے صفحوں کا دلچسپ مضمون ہیں۔ مگر ہم ایک دو روایتوں پر اکتفا کریں گے۔ غالباً انہیں دنوں میں رات کو پھرتے ہوئے ایک گھر میں پہنچے جہاں سے بچّوں کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ دیکھا کہ ایک عورت چولھے پر ہنڈیا رکھے ہوئے بیٹھی اُس کے نیچے آگ جلا رہی ہے اور بچّے اُس کے گرد رو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے دروازے کے قریب ہوکر پوچھا کہ یہ بچّے کیوں روتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا بھوک سے۔ تو کہنے لگے کہ یہ ہنڈیا آگ پر کیسی رکھی ہوئی ہے۔ اُس نے کہا کہ بچّوں کے بہلانے کے واسطے اِس میں پانی ڈال کر رکھ چھوڑا ہے کہ اِسکو دیکھتے دیکھتے سو جائیں گے۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ کے آنسو نکل آئے اور روتے ہوئے بیٹھ گئے۔ پھر اُٹھکر بیت المال کی طرف بھاگے۔ اور ایک بوری کو اُس میں آٹا اور گھی اور چربی خشک کھجوریں اور کچھ کپڑے اور درہم ڈال کر بھر لیا اور اسلم اپنے غلام کو کہا کہ یہ مجھے اُٹھوا دے۔ اسلم نے کہا یا امیر المومنین مَیں جو ساتھ ہوں۔ مَیں اُٹھاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کہا کہ خُدا کے سامنے اِس کا مَیں جوابدہ ہوں۔ مَیں ہی اُٹھاؤں گا۔ اسلم نے وہ بوجھا اُٹھوا دیا۔ اور اُسکو لیکر اُس عورت کے گھر پہونچے۔ خود ہی اُسکی ہنڈیا میں کھانا چڑھایا اور بیٹھکر آگ جلا کر پکایا۔ اسلم کہتا ہے کہ آگ پھونکنے میں اُن کی مُبارک ریش دراز سے دُھواں نکل رہا تھا۔ جب کھانا پک گیا تو اُن بچّوں کو کھلا کر اور باقی غلّہ وغیرہ اُن کو دیکر وہاں سے چلے آئے[2]۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہا کرتے تھے کہ فاروقؓ کی قبر پر خدا کی رحمت نازل ہو کہ سال رمادہ میں مَیں نے اُن کو دیکھا کہ ایک چرمی تھیلہ طعام سے بھرا ہوا اپنی پیٹھ پر اُٹھائے ہوئے جا رہے ہیں ہاتھوں میں ایک برتن ہے جس میں زیتون ہے۔ اسلم بھی اُٹھانے میں اُن کے ساتھ شریک ہے۔ مَیں بھی اُن کے ساتھ ہولیا۔ یہاں تک کہ ہم چشمۂ ضرار پر پہنچے۔ میں نے دیکھا کہ بنی محارب کے بیس خانہ بدوش وہاں اترے ہیں اُن کے آنے کا سبب پوچھا۔ اُنہوں نے اپنی بھوک اور محتاجی بیان کی۔ اُس وقت بوجھ کو اُتار کر زمین پر رکھا

---

[1] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک۔ ذم الدنیا

[2] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک۔ ذم الدنیا

اُن میں تقسیم کر دیئے [1] ؛

یہ سلوک اُن کا رعایا اور غیر رعایا سب کے ساتھ برابر تھا۔ دُور و دراز سے لوگ مزدوری اور تلاش معاش میں آتے تھے۔ اُن کو کھانا اور کپڑا دیا جاتا تھا اور قحط کے رفع ہونے تک جب تک لوگ وہاں ٹھہرے رہے اُن کی ہمیشہ خبر گیری کرتے اور اُن میں پھر کر اُن کی حاجتوں کو رفع کر دیتے تھے۔ غرض نہایت جانفشانی اور مصائب برداری سے اپنی ذات پر تمام تکلیفیں گوارا کر کے لوگوں کی تکالیف کو رفع کرتے رہے۔ زیتون اور روٹی کے مدت تک کھانے اور دودھ گھی کے چھوڑ دینے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ قدرتی تروتازگی اور روشن اور صاف رنگ زردی اور سیاہی سے مبدل ہو گیا اور لاغر اور دُبلے ہو گئے [3] ؛

قحط کے بعد ۱۸ھ ہجری میں اُس سے بھی بُری آفت وبا کی نمودار ہوئی۔ یہ وبا شام میں پیدا ہوئی اور حمص اور دمشق وغیرہ مقامات میں جو اہل عرب کے صدر مقام تھے عربوں کی عزیز جانیں اس آفت ناگہانی کا شکار ہو گئیں اور مُلک میں ویرانی اور تباہی پڑ گئی۔ شام سے گزر کر صحرا سے گزرتی ہوئی یہی وبا عراق میں پہنچی اور بصرے تک اپنے مہلک پنجوں سے شکار کر لیا۔ تمام طرف موت اور مصیبت گونج رہی تھی۔ اُس کے بے رحم حملوں کے سامنے چھوٹے اور بڑے خاص اور عام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ حضرت عمر نے ابو عبیدہ کو مدینہ بُلا بھیجا۔ مگر اُنہوں نے مُسلمانوں کو اس مصیبت میں چھوڑ کر خود جان بچا کر چلا آنا منظور نہ کیا۔ ابو عبیدہ کا خط پڑھ کر حضرت عمرؓ کو نہایت رنج ہوا اور آخر کار خود شام میں جانے اور لوگوں کی مصیبت میں شریک ہونے اور اُس کا سبب معلوم کرنے اور اُس کے دفعیہ کی کوشش کرنے کا ارادہ کیا۔ اور مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حوالی تبوک پر مقام منبوع پر ٹھہرے جہاں اصحاب اور دوسرے خاص لوگ آگے سے آن ملے اور نہایت اصرار سے یہ صلاح دی کہ امیر المومنین وہاں سے لوٹ جائیں حضرت عمرؓ نے آخر اس صلاح کو مان لیا اور مدینہ کو واپس چلے آئے۔ یہی وہ موقع ہے جبکہ بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ آپ خدا کے حکم سے بھاگتے ہیں۔ اور اُنہوں نے جواب دیا کہ "ہاں خدا کے حکم سے خُدا کے حکم کی طرف بھاگتا ہوں"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گو خود چلے آئے مگر کیفیت دریافت کر کے ابو عبیدہ کو حکم دے آئے کہ وبائی شہروں سے تمام لوگوں سمیت اُٹھ کر صحرا کے بلند اور مرتفع مقامات پر چلے جائیں۔ ابو عبیدہ اس حکم کے مطابق لوگوں کو لیکر جو ان کی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے۔ ابو عبیدہ کا راستہ ہی میں وبا سے انتقال ہو گیا مگر جو ان میں پہنچکر وبا جاتی رہی۔ اِس وبا سے جو نقصان ہوا وہ پچیس ہزار جانوں تک بیان کیا جاتا ہے [4]۔ مدینہ کے گھروں پر

---

[1] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت

[2] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک۔ ذم الدنیا

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو سفر شام سے روک دیئے تھے مگر جو قلق اُن کو اِس بلائے بے درمان کے پیدا ہونے اور عظیم نقصان کرنے سے ہوا تھا اُس نے اُن کو باز نہ رہنے دیا اور آخر ۱۸ھ ہجری میں شام کا سفر کیا اور مُلک کا انتظام کیا اور متوفی اشخاص کے ترکوں کی بابت جو جھگڑے تھے اُن کا فیصلہ کیا۔ اِس سفر کی زیادہ کیفیت ہم آیندہ باب میں لکھینگے ؛

بعض مؤرخ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے خاص خاص کاموں کو جن کو سب سے پہلے اُنہوں نے ہی رواج دیا۔ اُن کی اولیات کے نام سے شمار کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ پہلے ہیں جنہوں نے امیرالمومنین لقب اختیار کیا اور پہلے ہیں جنہوں نے سنہ ہجری مقرر کیا اور بیت المال دیوان مقرر کیا۔ غرض اُن کے بہت سے کام اولیات کے نام سے شمار کرتے ہیں۔ لیکن سچ پوچھو تو اُن کے تمام انتظامی کام اُن کے اولیات ہیں کن کن کو شمار کیا جائے ؛

چھٹا باب

ذاتی فرائض اور اُن کی بجا آوری

اِن تمام حالات اور واقعات سے جو بیان ہوئے ہیں اور ہونگے صاف ظاہر ہے کہ خلافت کا ہر ایک امر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ذات ہی سے متعلق تھا اور جس طرح پر وہ اپنے فرائض کو بجالاتے تھے انسان کے واسطے سبق حاصل کرنے کے لیئے وہ سب سے عمدہ نظائر ہیں لیکن اِس باب میں ہم اُن کے خاص ذاتی فرائض کے نام سے بعض واقعات اور امور کا ذکر کریں گے ؛

سب سے بڑا اصول جس پر کہ اُن کے کاروبار کی بنا تھی اور جس کے کہ ہر وقت اور ہر حال میں پابند رہتے تھے وہ ہر ایک چھوٹے بڑے امر میں اصحاب سے مشورہ لینا تھا۔ بلا صلاح اور مشورہ کوئی کام نہیں کرتے تھے اور "شاورھم فی الامر" کے ایسے ہی پابند تھے جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا ؛

"ہر ایک جمعہ کو نماز جمعہ سے فارغ ہو کر امیر المومنین تمام اہم تقررات اور ہفتہ بھر کے واقعات جماعت کے روبرو بیان کر دیتے تھے۔ اور یہی واقعات اور امور اور فیصلے عاملوں اور صوبوں کے امیروں کے پاس تحریری بھیجے جاتے تھے۔ وہ خود اُن کو بطور نظیر سمجھکر اُن پر عمل کرتے تھے اور لشکر اور عامۃ المسلمین کے درمیان اُن کو اعلان اور مشتہر کر دیتے تھے۔ کوئی شخص شہر میں یا لشکر میں امور مُلک سے ناواقف نہیں رہتا تھا۔ اور کوئی شخص عوام الناس کی جماعت سے خارج نہیں سمجھا جاتا تھا"[1] ؛

یہ وہ اصُول ہیں جنہوں نے اُن کی خلافت کو جمہوری سلطنت اور دنیا کی بہترین گورنمنٹ کہلایا ہے ؛

فوج اور لشکر کے انتظام اور اُسکی خبر گیری اور نگرانی کے حالات بیان ہو چکے ہیں۔ اہل عرب کی طرف آپ ہمیشہ ضروری ہدایتیں جاری کیا کرتے تھے کہ مثلاً اپنی اولاد کو تیرنا اور تیر چلانا اور سواری کرنا اور مصیبتوں میں

---

[1] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۴۱۴

متحمل اور تکالیف کا عادی ہونا سکھلاؤ۔ نیک اور مشہور مثلیں اُن کے سامنے بیان کرو۔ نیک اشعار سکھلاؤ جب تم عربوں کی کمان میں تیر رہیگا اور وہ گھوڑوں کی پیٹھ پر ہوں گے عزیز رہیں گے۔ گھوڑوں کو سدھاؤ اور اُن کو کام کرنے کے لائق اور دُبلے رکھو[1]۔

سردارانِ لشکر اور افواج کو سخت تاکید کیا کرتے تھے کہ اپنے آپ کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ اپنی فوج کی جانوں کو عزیز سمجھیں۔ احتیاط اور دوراندیشی سے لڑائی کریں۔ اسی سبب سے خالد سے ناراض ہوا کرتے تھے کہ وہ لڑائی میں بے احتیاط اور بے دھڑک تھا۔ آخری دفعہ جب خالد سے ناراض ہوئے تو اس کا ایک یہ بھی سبب تھا کہ شام کے غدر کے وقت وہ ابوعبیدہ کو احتیاط چھوڑنے اور حمص سے باہر نکلکر دشمن سے لڑنے کی رائے دیتا تھا۔

غرض خطرے میں پڑنے اور کوئی ایسا کام اختیار کرنے سے جس میں خطرہ کا اندیشہ ہو بہت بچتے تھے اور جو کام ایک دفعہ خطرناک اور مضر ثابت ہوں دوبارہ اُن کو نہ ہونے دیتے تھے چنانچہ ۱۹ھ ہجری میں اُنہوں نے ایکدفعہ جنگی جہاز تیار کرواکر بحر احمر میں ابی سینیا کی طرف ایک فوج اس غرض سے روانہ کی کہ مسلمانوں پر جو حملہ ساحل پر یا نیوبا کے کناروں پر ہوتے تھے اُن کو روک دیا جائے۔ جہاز شکستہ ہوگئے اور مہم میں بہت ناکامی اور نقصان ہوا اور حضرت عمرؓ نے عہد کیا کہ ایسا خطرناک کام دوبارہ نہ کرینگے۔

کسی ایک لڑائی کے فتح ہونے کے بعد فوج کو مہینوں اور بعض وقت سالوں تک باوجود اُن کے اصرار کے آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ عموماً اُن کی لڑائیاں حملوں کے روکنے اور دشمن کو دفعہ کرنے کے واسطے ہوتی تھیں۔ لڑائی سے صلح کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور ایک بڑی احتیاط یہ کرتے تھے کہ جب ایک ملک میں لڑائی ہوتی تھی تو دوسرے ملک میں جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ تاکہ ایک ہی وقت میں لڑائیوں میں مصروف ہوکر ایک دوسرے کی امداد کے ناقابل نہ ہوجائیں۔ اسی قسم کی احتیاطوں اور نگرانی کا نتیجہ وہ عظیم الشان کامیابی تھی۔ سپاہیوں کی درستی اخلاق کے لحاظ سے یہ حکم دیا تھا کہ چار ماہ سے زیادہ کسی سپاہی کو لشکر میں رہنے کو مجبور نہ کیا جائے اگر وہ گھر آنے کی رخصت چاہے تو اجازت دیجائے۔

اُن کا ایک ممتاز اور مستقل اصول جو مسلمانوں کو عموماً اور اہل لشکر کو خصوصاً اپنی قدیم سادگی اور اسلامی ابتدائی سادہ دستورات معاشرت اور طرز زندگی قایم رکھنے کا تھا اُسکی نہایت عجیب و غریب اور دلچسپ طریقہ میں نگرانی کرتے تھے اور اپنے ضروری اور اہم فرائض میں اُسکو شمار کرتے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ جو عظیم الشان سلطنتیں ایک مُردہ جسم کی طرح اُن کو ملی ہیں وہ عیش و عشرت کے زہریلے سانپ کی کاٹی ہوئی ہیں اور یہی زہر قاتل اگر مسلمانوں میں اثر کرگیا تو رفتہ رفتہ خون مردانگی اُن کے جسم سے نچوڑ لے گا اور ایسے ہی مُردے

جس کے حالات آیندہ بیان ہوں گے - اور اُس کے بعد اپنے عمال اور عُہدہ داروں کو سخت تاکید اِس امر کی کرتے تھے اور اسکی خلاف ورزی کو اتنا بڑا جرم سمجھتے تھے کہ اُن کو امیری اور عمالی سے معزول اور برطرف کر دیتے تھے جیسا کہ بعض امیروں اور عمال کے حالات سے جو ہم لکھینگے معلوم ہوگا - عام طور پر بھی لوگوں کو ایسی غلطی کرنے پر نہایت تنبیہ کرتے تھے اور اُن کی حقارت کرتے تھے - اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے صرف ایک واقعہ بطور مثال کے ہم بیان کریں گے اور باقی بخوف طوالت چھوڑ دیں گے - گو بعض اور حالات سے اُن کی اس اصول کی پیروی واضح طور پر معلوم ہوگی ؛

احنف بن قیس بیان کرتا ہے کہ "فتوحات عراق اور ایران کے زمانہ میں ہمکو عُمدہ اور سفید پوشاکیں بھی دستیاب ہوئیں - جب ہم مدینہ کو آئے تو ہم اُنہیں پہن کر حضرت عمرؓ کے پاس گئے - حضرت عمرؓ نے ہماری طرف دیکھکر مُنہ پھیر لیا اور ہم سے ملنا اور گفتگو کرنا پسند نہ کیا - ہمکو یہ بُرا معلوم ہوا اور عبداللہ بن عمرؓ سے ہمنے شکایت کی - اُنہوں نے کہا اِس کا سبب یہ تمہارا لباس ہے جس کو وہ پسند نہیں کرتے - ہم نے اپنے گھر آکر اُس لباس کو توڑ ڈالا اور معمولی کپڑے پہن کر حضرت عمرؓ کے پاس گئے - ہمکو دیکھکر حضرت عمرؓ اُٹھ کھڑے ہوئے - اور ہم میں سے ہر ایک آدمی پر سلام کہا اور ہمکو گلے سے لگایا - گویا اِس سے پہلے اُنہوں نے ہمکو دیکھا ہی نہیں تھا - جب ہمنے مال غنیمت اُن کے سامنے پیش کیا تو اُس کے تقسیم کرنے میں اُس میں سے ایک قسم کی لذیذ اور خوشبودار مٹھائی نکلی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسکو چکھا اور ہماری طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے کہ "اے مہاجرین اور انصار کی جماعت یہ وہ طعام ہے جو بیٹے سے باپ کو اور بھائی سے بھائی کو قتل کرائے گا" ؛

وہ مٹھائی کسی کو نہ دی اور آخر ایسے مُسلمانوں کے بچّوں میں تقسیم کرادی جو مہاجرین اور انصار میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہید ہوئے تھے" [۱] ؛

سرداران لشکر اور عمال کو اِس اصول کی پابندی کی ہمیشہ تاکید کرتے رہتے تھے - چنانچہ ابو عثمان نہدی بیان کرتا ہے کہ "جب ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ آذربائجان میں تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نامہ اِس مضمون کا پہنچا کہ سب لوگ تہبند باندھیں چادر اوڑھیں اور جُوتے پہنیں - اپنے باپ اسمٰعیلؑ کے لباس کو ضروری سمجھیں - عیش و عشرت اور عجموں کے لباس سے بچیں - دُھوپ برداشت کرنے کے عادی رہیں - کیونکہ یہی عرب کا حمام ہے - سختی اُٹھانے اور سخت اور موٹے کپڑے پہننے ضروری سمجھیں - کپڑے کو پُرانا ہونے تک پہنیں - گھوڑے پر جست کرکے سوار ہونے اور نشانہ بازی کرنے کی مشق کرتے رہیں [۲] "

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے اس خیال کو صرف مُسلمانوں اور عربوں کی نسبت ہی پورا نہیں کرتے تھے

کے الفاظ میں ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ "جب ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ پہنچا تو اُسکو حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کرنے کے واسطے لیکر چلے۔ حضرت عمرؓ کوفہ کی سفارت سے مُلاقات کر کے جس میں اُنہوں نے صوبہ کے بہت سے انتظامی کام کو انجام دیا تھا تھکن سے بڑی مسجد میں اُسی طرح دُرّہ ہاتھوں میں لیئے ہوئے فرش پر پڑکر سو رہے تھے۔ ہرمزان جب صحن مسجد میں پہنچا تو ہرمزان نے پوچھا کہ خلیفہ کہاں ہیں اور اُن کے محافظ اور پہرہ دار کہاں ہیں۔ درحقیقت کسرائے ایران کے عالی شان محلوں کے مقابلہ میں جن کے دیکھنے کا وہ عادی تھا اس قوی تر خلیفہ کے گرد و پیش کے سادہ سامان کو دیکھنا ایک عجیب نظارہ تھا۔ حضرت عمرؓ آواز سے چونک اُٹھے اور معلوم کر کے کہ یہ اجنبی کون شخص ہے فرمانے لگے کہ حمد ہے اُس خدا کے لیئے جس نے تجھے اور تیرے جیسوں کو مغلوب کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اُس کا یہ شاندار لباس اُتروا کر اور موٹے کپڑے پہنا کر اُن کے سامنے لایا جائے۔ تب اُسی طرح دُرّہ ہاتھ میں لیئے ہوئے اُنہوں نے اُسکو اُس کی متواتر عہد شکنی پر ملامت کی۔ ہرمزان نے پانی مانگا۔ حضرت عمرؓ نے پانی پلانے کا حکم دیا۔ اُس نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ پانی پینے سے پہلے کوئی بے خبر مجھکو مار ڈالے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ پانی پینے تک تیری جان سلامت رہیگی۔ ہرمزان نے یہ عہد لیکر پانی پیالہ سے گرا دیا اور کہا کہ میں تو اس طرح اپنی جان بچانا چاہتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "تیرا یہ دھوکا نہ چلے گا مسلمان ہونا یا زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا"۔ چنانچہ وہ مسلمان ہوا اور وظیفہ پاکر بڑی حرمت کے ساتھ مدینہ میں رہا"۔ [1]

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی اُن کے اپنے ذمہ تھی اور عجیب و غریب طریقہ سے اپنے اس فرض کو پورا کرتے تھے۔ ایک دن احنف بن قیس شرفائے عرب کی ایک جماعت کے ساتھ عراق سے حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ آپ ایک چادر کمر سے باندھے ہوئے بیت المال کے ایک گم شدہ اُونٹ کی تلاش میں دوڑے جاتے ہیں۔ نہایت گرمی کا وقت تھا۔ جب احنف کو دیکھا تو کہا کہ آؤ تھوڑی دیر تک اُونٹ تلاش کریں اُس میں بیواؤں اور یتیموں اور مسکینوں کا حق ہے۔ ایک آدمی اُن میں سے کہنے لگا کہ اے امیرالمومنینؓ آپ بیت المال کے نوکروں کو اُونٹ تلاش کرنے کا حکم کیوں نہیں دیتے۔ کہنے لگے کہ مجھ سے اور احنف سے کون سا غلام اچھا کام کرے گا۔ جو شخص مسلمانوں کا والی ہو اُس کے ذمہ ہی فرائض ہوتے ہیں جو ایک مالک کے اپنے نوکر کے ذمہ ہوتے ہیں [2]۔

ابی بکر انسی بیان کرتا ہے کہ ایک دن میں حضرت عمرؓ۔ عثمانؓ اور علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بیت المال میں گیا۔ حضرت عثمانؓ سایہ میں بیٹھ گئے۔ اور حضرت علیؓ اُن کے پاس کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ صدقہ کے اونٹوں کے رنگ اور دانت دیکھکر بتاتے تھے اور حضرت عثمانؓ لکھتے تھے۔ سخت گرمی کا دن تھا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دھوپ میں کھڑے ہوئے تھے۔ دو کالی چادریں ان کے اوپر تھیں۔ ایک کمر میں باندھی ہوئی تھی۔ اور دوسری سے سر لپٹا ہوا تھا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو اس حال میں دیکھکر قرآن مجید سے شعیب کی بیٹی کا قول "استاجرہ ان خیر من استاجرت القوی الامین" پڑھا اور حضرت عثمانؓ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ہم میں یہ "قوی امین" ہیں ؛

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غلام بیان کرتا ہے کہ ایک گرمی کے دن میں میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ اُن کے ایک بالاخانہ میں مال وغیرہ کے سنوارنے کا کام کر رہا تھا۔ دفعتہً ایک آدمی پر نظر جا پڑی جو دو شتر بچے ہانکے ہوئے لیئے جا رہا ہے۔ زمین ایسی تپی ہوئی تھی کہ آدمی پروانوں کی طرح آگ میں جلے جاتے تھے حضرت عثمانؓ نے دیکھکر کہا کہ یہ کون شخص ہے اور اسکو کیا ہوا ہے کہ ایسی شدت حرارت میں جا رہا ہے۔ ٹھنڈا ہونے تک یہ شہر میں کیوں نہ ٹھہر گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک چادر سر سے باندھے ہوئے تھے دور سے پہچانے نہیں گئے۔ جب قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہیں۔ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ یہ تو امیر المومنین جا رہے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے کھڑکی سے مونھ باہر نکالا مگر لو کی گرمی سے پھر اندر کر لیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر میں آئے تو اُن سے پوچھنے لگے کہ ایسے وقت میں آپ کیوں گھر سے نکلے ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ صدقہ کے اونٹ چرنے کو چلے گئے تھے اور دو شتر بچے پیچھے رہ گئے تھے میں نے ارادہ کیا کہ اُن کو چراگاہ میں چھوڑ آؤں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا آپ سایہ میں ٹھہریں ہم آپ کا کام دیں گے مگر وہ یہ جواب دیکر "آپ ہی سایہ میں رہیں" نکل گئے۔ حضرت عثمانؓ بولے کہ جس نے "قوی امین" کو دیکھنا ہو وہ ان کو دیکھے[1]۔ اپنے ہاتھ سے بیت المال کے اونٹوں کو تیل ملتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے کہا کہ اپنے ہاتھ سے یہ کام کیوں کرتے ہو تو کہنے لگے کہ خدا نے مجھے ان کا نگہبان کیا ہے اور مجھ سے ہی اس کا سوال ہوگا[2]۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک روایت ہے کہ اُنہوں نے ایک دن حضرت عمرؓ کو ایک اونٹ کا پالان اُٹھائے ہوئے ابطہ کی طرف جاتے دیکھا اور پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ الگ ہو گیا ہے اُس کی تلاش میں جاتا ہوں[3] +

بیت المال کی حفاظت اور تقسیم میں اپنے اہل و عیال کے کسی زیادتی کے روادار ہونے کی نہایت احتیاط کرتے تھے۔ بحرین سے ایک دفعہ مشک آئی تو کہنے لگے کہ ایک عورت سے اسکو وزن کرانا چاہیئے۔ اُن کی بیوی عاتکہ نے کہا کہ میں وزن کر دیتی ہوں۔ مگر اس خیال سے اُنہوں نے نہ مانا کہ اُس کے کپڑوں میں کچھ لگی رہ جائیگی[4] ؛

---

[1] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت
[2] طبری صفحہ ۵۱۲
[3] ازالۃ الخفا
[4] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت

شام سے ایک دفعہ جب زیتون آیا۔ پیالہ سے اسکو تقسیم کیا۔ جب تقسیم ہو چکا تو پیالہ میں جو کسی قدر تیل رہ گیا وہ اُن کے ایک بیٹے نے پونچھکر اپنے سر کے بالوں کو مَل لیا۔ حضرت عمرؓ نے جو دیکھا تو بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ تیرے بال مُسلمانوں کے مال کی طرف بہت رغبت کرنیوالے ہیں۔ اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے حجام کے پاس لے گئے اور اُس کے سر کے بال مُنڈوا ڈالے[1] ؛

ایک دن اُن کی ایک لڑکی نے جو بیت المال میں کھیل رہی تھی ایک درھم لیکر موتھ میں ڈال لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو معلوم ہوا تو اُٹھکر بھاگے۔ چادر بھی کندھے پر سے گر گئی۔ لڑکی روتی ہوئی گھر چلی گئی تھی۔ وہاں پہنچکر اُس کے موتھ سے نکال کر لائے[2] اور کہنے لگے کہ عمرؓ اور عمرؓ کی اولاد کا اتنا حق نہیں ہے جتنا اَور مسلمانوں کا ہے۔ اسی طرح ایک دن ابو موسیٰ نے بیت المال کو صاف کرتے ہوئے ایک درہم پایا اور وہ حضرت عمرؓ کے ایک چھوٹے لڑکے کے ہاتھ میں کھیلنے کو دیدیا۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا تو ابو موسےٰ کو بھی ملامت کی اور درھم لوٹا دیا[3] ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ نے چراگاہ میں اُونٹ چرائے اُن سے محصول میں نصف لے لیا[4]۔ غرض ایسے عجیب طریقہ سے اپنی حفاظت اور نگرانی کے فرائض کو ادا کرتے تھے ؛

مدینہ میں تو وہ امیر اور حاکم اور قاضی امام اور کوتوال۔ چوکیدار اور سپاہی اور پیادہ اور چٹھی رساں وغیرہ ہر ایک کا کام قریباً وہ خود ہی کرتے تھے۔ سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی حفاظت اور خبر گیری کی یہاں تک نوبت تھی کہ آپ خود اُن عورتوں کے پاس چلے جاتے تھے جن کے خاوند لشکروں میں گئے ہوئے تھے۔ اُن کے دروازے پر جاکر سلام کہتے اور پوچھتے کہ تمکو کسی چیز کی ضرورت ہو تو منگوالو میں خود بازار سے خرید دوں۔ تم خرید و فروخت میں دھوکا کھاتی ہوگی۔ اُن کی ضرورت کی چیزیں معلوم کر کے اور اُن کے لونڈی غلاموں کو ساتھ لیکر بازار کی طرف چلے جاتے تھے۔ بازار میں جب پہنچتے تو لوگوں کی لونڈیوں اور غلاموں کا ایک لشکر اُن کے پیچھے ہوتا اور سب کو اُن کی ضروریات کی چیزیں خرید کر دیتے جو بہ سبب محتاجی کے خود نہیں خرید کر سکتے تھے اُن کو اپنے پاس سے خرید کر دیتے ؛

لشکروں سے جب قاصد چٹھیاں اور خطوط لیکر آتے تھے تو خود بنفسہ جاکر اُن کے گھروں میں خطوط پہنچا آتے تھے اور کہتے کہ تمہارے خاوند خدا کی راہ میں کام کر رہے ہیں اور تم رسول اللہ کے شہر میں ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی خط پڑھنے والا ہو تو بہتر ورنہ دروازہ کے قریب آجاؤ۔ میں پڑھکر سُنا دوں گا۔ چلتے وقت یہ بھی بتا آتے کہ فلاں روز قاصد مدینہ سے روانہ ہوگا۔ اگر خط دینا ہو تو لکھ رکھنا۔ اُس روز پھر اُن گھروں میں جاتے۔ قلم دوات اور کاغذ

---

[1] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت
[2] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت
[3]
[4]

ساتھ لیجائے۔ جس کے خط لکھوا رکھا ہوتا اس سے لے لیتے اور جو نہ لکھوا سکے ہوتے اُن کو خود لکھدیتے اور سب جمع کر کے روانہ کر دیتے [1] ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مدت تک خود کوتوال اور چوکیدار کا کام بھی کرتے رہے۔ دن کو اور رات کو شہر میں اور رعیت کے درمیان گھومتے تھے اور نگرانی حفاظت اور خبر گیری کرتے تھے اور اس کا کما حقہ انتظام کرنے کے واسطے امتحان کرتے تھے ؛

مثلاً ایک رات گشت کرتے ہوئے ایک اعرابی کے پاس سے گزرے جو اپنے خیمہ کے باہر بیٹھا ہوا تھا اُس کے پاس اُس کا حال پوچھنے کے واسطے بیٹھ گئے کہ وہ شہر کی طرف کس ضرورت سے آیا ہے۔ اسی اثنا میں خیمہ میں سے رونے کی آواز سُنی تو پوچھا کہ یہ کون روتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ تمہارے پوچھنے کی کوئی بات نہیں۔ میری عورت کو درد زہ ہو رہا ہے۔ حضرت عمرؓ اُسکا یہ جواب سُن کر سیدھے اپنے گھر کو آئے اور اپنی بیوی اُم کلثوم سے کہا کہ کپڑے پہن کر میرے ساتھ چلو اور اُنہیں ساتھ لیکر اُس اعرابی کے پاس گئے اور اُس سے اجازت لیکر اُم کلثوم کو خیمہ کے اندر بھیجا۔ کچھ عرصہ کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یا امیر المؤمنین اپنے صاحب کو لڑکا پیدا ہونے کی خوشخبری دیجیئے۔ وہ اعرابی امیر المومنین رضؓ کا نام سُنکر چونکا اور سامنے آکر معذرت کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کچھ مضائقہ نہیں۔ تم صبح میرے پاس آنا۔ وہاں سے گھر چلے آئے اور صبح وہ شخص حاضر ہوا اور اُس کے لڑکے کا وظیفہ مقرر ہو گیا [2] ؛

عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ ایک رات فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے گھر میں آئے میں نے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں نہ بُلا بھیجا۔ تو فرمانے لگے مجھے خبر ملی ہے کہ اس وقت ایک قافلہ آکر مدینہ کے باہر اُترا ہے اور قافلہ والے لوگ سفر کی تکان سے بیہوش سو رہے ہیں۔ چلو ہم چل کے اُن کی حفاظت کریں۔ چنانچہ ہم جاکر ایک ٹیلہ پر چڑھکر بیٹھ گئے اور صبح تک جاگتے رہے [3] ؛

اس شبانہ گشت سے بعض اوقات نہایت نتیجہ خیز باتیں پیدا ہوتی تھیں۔ مثلاً جب ایک دفعہ اسی طرح ایک قافلہ کی حفاظت کرنے کے واسطے گئے تو ایک عورت کے بچے کا دودھ چھڑانے کی کوشش کرتے میں بچہ کو روتا دیکھکر اور اس کا سبب معلوم کر کے بچوں کے دودھ چھڑانے پر وظائف مقرر ہونے کی قید اُٹھادی ؛

اسیطرح ایک رات مدینہ میں پھر رہے تھے کہ ایک مکان سے ایک عورت کی آواز آئی جو یہ اشعار پڑھ رہی تھی ؛

تطاول هذا الليل تسرى كواكبه		وارقنى ان لا ضجيعا ألاعبه	

[1] ازالۃ الخفا حکایات سیاست [2] ازالۃ الخفا حکایات گشت

آج کی رات لمبی ہوگئی اور ستارے گھوم رہے ہیں۔ اور میں جاگ رہی ہوں کہ میرے پاس میرا محبوب نہیں جس سے میں کھیلوں ؛

فوالله لولا تخشی عواقبه	لزعزع من هذا السریر جوانبه

خدا کی قسم اگر اس کی عاقبت کا خدا سے خوف نہ ہوتا۔ تو اس چارپائی کی طرفیں ہلا چکی ہوتیں ؛

مخافته ربی والحیا یصدنی	واکرم بعلی ان تنال مراتبه

اپنے رب کا خوف اور حیا مجھے روکتا ہے اور اپنے خاوند کی تعظیم کرتی ہوں کہ اُس کی جگہ کوئی اور ہو ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں یہ بات کھٹک گئی۔ اور تحقیق کیا کہ ایک عورت مرد سے کب تک علیحدہ رہ سکتی ہے۔ آخر چار مہینہ حد مقرر کی اور سرداران لشکر کو لکھا کہ کسی آدمی کو چار ماہ سے زیادہ بند نہ رکھیں اور اگر اجازت مانگے تو اجازت دیدیں ؛

اس قسم کے واقعات رات کو گشت کرنے اور لوگوں کے حالات کو تفحص کرنے اور خبر گیری کرنے کے بہت سے ہیں۔ مگر صرف رات کی گشت ہی میں لوگوں کے حالات نہیں دریافت کرتے تھے۔ دن میں بھی گھومتے تھے مدینہ میں پھرنے کے واقعات کے علاوہ جیسکہ خفاف بن ایمن غفاری کی لڑکی کے ساتھ سلوک اور رحم کرنے کا واقعہ ہے جو آئندہ بیان ہوگا۔ سفر میں بھی جہاں موقع ملتا رعایا کا حال دریافت کرتے تھے اور اپنا فرض ادا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ جب شام سے واپس آرہے تھے ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہوکر ادھر اُدھر لوگوں کا حال دریافت کرتے ہوئے پھر رہے تھے کہ ایک بڑھیا کے جھونپڑے میں داخل ہوئے اور اُس سے باتیں کرنے لگے۔ اُس عورت نے پوچھا کہ اے شخص عمرؓ کا کیا حال ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ وہ شام سے واپس آرہا ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ خدا میری طرف سے اُسے جزائے خیر نہ دے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پریشان ہوکر پوچھا کہ کیوں؟ اُس نے جواب دیا کہ جب سے وہ والیٔ ملک ہوا ہے مجھے کچھ وظیفہ اور عطیہ نہیں دیا۔ آپ نے کہا کہ اُسکو تیرا حال کیونکر معلوم ہوتا کہ تو تنہا جنگل میں اس مقام پر رہتی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ سُبحان اللہ وہ لوگوں میں گھومے اور میرا حال نہ جانے۔ خوف خدا سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو نکل آئے اور اپنے حال پر افسوس کرنیلگے اور اُس بڑھیا کو کہا کہ تو اپنی شکایت کو کتنی رقم کے عوض بیچنا چاہتی ہے۔ اُس نے جواب دیا اے بندۂ خدا مجھ سے کیوں ہنسی کرتا ہے۔ آپ نے جواب دیا مسخری نہیں کرتا سچ کہتا ہوں۔ دیر تک اُس سے باتیں ہوتی رہیں آخر پچیس دینار مقرر ہوئے۔ اسی حال میں حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ آگئے اور "السلام علیک یا امیر المومنین" کہا۔ وہ عورت امیر المومنین کا نام سُن کر چونکی۔ اور اپنے ہاتھ سر پر رکھکر پشیمان ہونے لگی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کوئی ڈر کی بات نہیں اور پچیس دینار اُسکو دیکر راضی کرکے چلے آئے [1] ؛

ان کی خدمت اور خبر گیری کرنے کی بعض مثالیں انہائی مثالیں ہیں جس سے بڑھکر کوئی خدمت خیال میں نہیں آسکتی۔ ایک اندھیری رات کو وہ گھر سے نکلے اور طلحہ کہیں جاتے دیکھکر اُن کے پیچھے ہولیا۔ ایک گھر میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد نکلے اور ایک دوسرے گھر کے اندر چلے گئے۔ صبح کے وقت طلحہ اُسی گھر کی طرف گیا۔ گھر میں ایک بڑھیا اندھی اور اپاہج عورت تھی۔ اُس سے پوچھنے لگے کہ رات کو ایک شخص تیرے پاس کیوں آیا تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ اُس نے اتنی مدت سے مجھ سے عہد کیا ہوا ہے کہ اپنی معذوری کے سبب سے جو کام اپنا میں نہیں کرسکتی وہ کردے کوڑا اور نجاست گھر سے اُٹھادے۔ طلحہ یہ سُن کر خاموش چلا آیا اور اس اپنی تفتیش پر نادم ہوا[1]۔

اس طرح پر خلق اللہ کی خدمت اور خبر گیری کرنا اُن کی اپنی خلافت کے زمانہ سے مخصوص نہ تھا۔ پہلے بھی اس قسم کی نیکی کے کام وہ ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک رات وہ اندھی بیوہ عورت کی اسی قسم کی خبر گیری کو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو وہاں پایا[2]۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے انصاف اور عدالت کی تو قسم کھانی چاہیئے۔ یہی اُن کا عظیم الشان وصف تھا جسنے جناب سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے "فاروق" کا پیارا اور بزرگ خطاب دلوایا تھا اور جو کہ اُن کی ہر ایک قسم کی قابلیت اور طبیعت کی پناہ اور ہر کام میں اظہر من الشمس تھا۔ مسلمان۔ غیر مسلمان۔ رعایا۔ غیر رعایا۔ عزیز و بیگانہ۔ ہر ایک کے ساتھ یہاں تک کہ اپنی ذات کے ساتھ اُن کے انصاف اور عدالت کو یکساں تعلق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے واقعات ہم بیان کرچکے ہیں جن کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ تھا کہ "عمر حق کہتا ہے گو کڑوا ہو"۔ اُن کے خلافت کے واقعات میں سے چند مشہور واقعات کا لکھنا کافی ہوگا۔

جبالہ کا واقعہ اسی قسم کے واقعات میں سے ہے جو غسان کا آخری بادشاہ اور قیصر روم کا برائے نام نائب در اصل اس شمالی صوبہ کا خود مختار حکمران تھا۔ ابتدا فتوحات شام کے معرکوں میں جبالہ قیصر کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ مگر آخر کار شاہنشاہ کے بھاگ جانے پر ابو عبیدہ کے پاس آکر مسلمان ہوگیا۔ اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مدینہ میں آیا جہاں اُس کے خاندان کی شہرت کے سبب سے بہت کچھ عزت حاصل ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مکہ میں حج کرنے کے واسطے آیا۔ طواف کی حالت میں ایک غریب اعرابی کا پاؤں اُس کے فاخرہ لباس پر اتفاق سے رکھا گیا جس سے اُس کا پاؤں لڑکھڑا گیا۔ متکبر بادشاہ نے غصہ میں آکر اُس مسلمان کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ اُس نے حضرت عمرؓ کے پاس جاکر فریاد کی اور جبالہ طلب ہوا

---

[1] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت ۱۲

[2]

جبالہ اس طلبی سے بہت حیران ہوا اور گھبرایا۔ جب حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے جرم کا اقرار کرنے پر اُس اعرابی سے ایک تھپڑ کھا لینے یا معاف کرانے کا سادہ فیصلہ صادر فرمایا۔ جبالہ نے متحیر ہو کر کہا کہ کیا یہ بیابان کا ناچیز اعرابی میری برابری کرے گا جو غسان کا بادشاہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ مسلمان سب مساوی رتبہ رکھتے ہیں۔ معافی چاہنے کے بہانہ سے جبالہ اُس وقت چلا گیا اور رات کو بھاگ نکلا اور قسطنطنیہ میں جا پہنچا اور پھر عیسائی ہو گیا۔ اس کے بعد وہ پھر مسلمان ہوا ہو یا نہ ہوا ہو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت اور انصاف کو اسیقدر واقعہ سے تعلق تھا[۵۱]

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اپنے بیٹے ابو شحمہ کو جس کا نام عبدالرحمان تھا شراب پینے اور زنا کرنے پر مارنے کا واقعہ اس قدر اختلاف کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اُس کی اصلیت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ابن عباس سے جو روایت منسوب کیجاتی ہے اگر صحیح ہو تو حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچنا اور اپنے بیٹے سے عجب طریقے سے اقرار کروانا اور پھر دُرّے لگوانا اور غلام کا یہ حکم سُن کر رونا۔ مگر حضرت عمرؓ کا دُرّے لگانے کے واسطے اُسے مجبور کرنا۔ لڑکے کا چیخنا اور بیتابی سے گر گر جانا۔ لوگوں کا اور خود حضرت عمرؓ کا رونا۔ لڑکے کا پانی مانگنا اور حضرت عمرؓ کا نہ دینا اور آخر آخری دُرّہ پر اُس کے دم کا نکل جانا ایک دردناک افسانہ کا مضمون ہے۔ مگر مختلف روایات کی اصلیت اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ اُن کے ایک بیٹے عبدالرحمٰن المعروف ابو شحمہ نے مصر میں عمرو بن العاص کی حکومت میں اس قسم کا کوئی قصور کیا تھا وہاں اُس کو حد لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو مارا اور اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد وہ فوت ہو گیا[۵۲]

قدامہ بن مظعون پر جو ابن عمرؓ اور حضرت حفصہؓ کا ماموں تھا حد جاری کی۔ وہ حضرت عمرؓ کا ایسا قریبی رشتہ دار ہی نہیں تھا ایک معزز اور ذی رُعب آدمی اور بحرین کا عامل تھا۔ اُس کے شراب پینے کی شکایت ہوئی اور ابو ہریرہؓ نے اُسکو مستی کی حالت میں دیکھنے کی شہادت دی۔ اُس کی عورت نے بھی شہادت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسکو دُرّہ مارنے کا حکم دیا اور لوگ سب بیسا کرنے کے مخالف تھے کہ وہ بیمار تھے۔ حضرت عمرؓ اس عذر پر چند روز ٹھہر گئے۔ مگر تھوڑے دنوں بعد پھر اُسکو سزا دینے کا ارادہ کیا اور دُرّے مرواہی دیئے۔ قدامہ حضرت عمرؓ سے ناراض ہو گیا اور اُن سے کلام کرنی چھوڑ دی۔ حضرت عمرؓ کو گو آخر اُسکو راضی کرنا پڑا مگر انصاف کی تعمیل سے اُن سے درگزر نہ ہو سکا[۵۳]

ایک یہودی اور ایک مسلمان کے درمیان تنازعہ ہو گیا اور مقدمہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا۔ یہودی سچا تھا اور حضرت عمرؓ نے اُس کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہودی صفت و ثنا کرتا ہوا گیا[۵۴] اور حیران تھا کہ اُسکی

---

۵۱ انلس اف دی خلافت صفحہ ۲۰۲ - وسیوطی وغیرہ ۵۲ ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفا باب تصوف وسلوک

ایک دن آپ راستہ میں جارہے تھے۔ ایک شخص کو ایک عورت سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا بداخلاقی کا شبہ ہوا اور اسکو دُرّہ سے ڈرایا۔ مگر بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اُس عورت کا خاوند تھا۔ اپنے اس تعرض پر پشیمان ہوئے اور عبدالرحمان بن عوف کے سامنے افسوس کیا۔ اُس نے کہا کہ امیرالمومنین۔ آپ ادب سکھلانیوالے ہیں۔ آپ نے کچھ بیجا نہیں کیا۔ مگر حضرت عمرؓ کا اس سے بھی اطمینان نہ ہوا اور اُس شخص کے پاس جاکر دُرّہ اُس کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ تو اپنا بدلہ لے لے۔ مگر اُس نے تسلیم کیا کہ آپ کا حق تھا[1]۔ اپنی ذات کے ساتھ انصاف کرنے کی یہ انتہائی مثالیں ہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ غلطی سے اُن کے ہاتھ سے یاسر (یا ایاس) بن سلمہ کو راستہ سے ہٹانے میں دُرّہ کا سرا لگ گیا تھا۔ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد یاسر نے ایک دن حج کو جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو اجازت دی اور چھ سو (۶۰۰) درہم لیکر اُس کے گھر گئے اور کہا کہ ایک دن دُرّہ میرے ہاتھ سے تمہارے پہلو میں لگا تھا۔ اُس کی معافی طلب کرتا ہوں کہ میرے پر اُس کا قصاص ہے۔ یاسر نے کہا کہ امیرالمومنین وہ کچھ بات نہ تھی اور میں اُس کو بھول گیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا مجھ کو تو یاد ہے اور بھول نہیں سکتی۔ غرض اُس سے معافی لی اور حج کے خرچ کے واسطے چھ سو (۶۰۰) درہم اپنے پاس سے اُن کو دیئے[2]۔

مقدمات کی تحقیق میں بڑے شایستہ اُصولوں کے ساتھ نہایت چھان بین کرتے تھے۔ شہادت کے جانچنے میں بڑی عُمدگی سے عمل کرتے تھے۔ ایک شخص نے اپنی صفائی کا گواہ پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے بعد استفسار کے کہ نہ وہ اُسکا ہمسایہ ہے نہ ہمسفر ہوا ہے اور نہ اُس سے لین دین کیا ہے اُس کی گواہی کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا[3]۔

مقدمات میں صلاح اور مشورہ کو نہایت احسانمندی سے قبول کرتے تھے اور یہ بھی اُن کے ہاتھوں سے بے انصافی نہونے کا ایک بڑا سبب تھا۔ مثلاً ایک دفعہ ایک حاملہ عورت کو سنگسار کرنے کا آپنے حُکم دیا۔ معاذ بن جبل نے کہا کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ بھی اس حُکم سے متاثر ہوگا۔ حالانکہ اُس سے آپ کو کچھ علاقہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنا حُکم منسوخ کردیا اور کہا کہ اگر معاذ نہ ہوتا عمرؓ ہلاک ہوگیا ہوتا[4]۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک عورت کے سنگسار کرنے کا حُکم دیا۔ حضرت علی علیہ السّلام نے کہا کہ مجنونہ نابالغ اور سوتے پر شرعاً تعزیر واجب نہیں ہے اور یہ مجنونہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا

---

[1] ازالۃ الخفاباب تصوف وسلوک
[2] طبری صفحہ ۲۱۴ و ازالۃ الخفاباب کلمات

حکم واپس لیا اور شکر گزار ہوئے[1]

غرض فیصلوں میں رائے و مشورہ دینے اور اُن کے فیصلہ پر نکتہ چینی کرنے کی عام اجازت تھی۔ اُنکی مجلس جوان اور بوڑھے قاریوں سے بھری رہتی تھی۔ اکثر اوقات اُن سے رائے لیتے اور کہا کرتے کہ کسی کو رائے دینے کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ علم بوڑھا اور جوان ہونے پر موقوف نہیں ہے۔ یہ خُداداد نعمت ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے"[2]

— عوام النّاس کو جو خلیفۂ وقت کے ساتھ مساوات اور آزادی حاصل تھی اُسکی بہت رعایت کیجاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک رات مدینہ میں پھر رہے تھے۔ ایک گھر سے گانے کی آواز سُنی۔ دیوار کی راہ سے اُس گھر میں گئے۔ ایک مرد اور ایک عورت کو شراب پینے میں مشغول دیکھا۔ اُسے ملامت کرنیلگے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے ایک جُرم کیا ہے اور تم نے تین۔ خدا نے تجسّس[1] کرنے اور پسِ دیوار سے کسی گھر میں داخل ہونے[2] اور کسی دوسرے کے گھر میں بلا اجازت جانے[3] سے منع کیا ہے۔ آپ نے یہ تینوں کام کیئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں تجھ کو معاف کردوں تو آیندہ اس فعل سے توبہ کرے گا۔ اُس نے اقرار کیا کہ امیرالمومنین پھر ایسی حرکت کبھی نہ کروں گا[4]۔ گویا ضابطۂ معین کے خلاف مجرم کو ماخوذ کرنا اُنہوں نے روا نہ رکھا اور مدعا بھی حاصل ہوگیا اسی قسم کے بہت سے واقعات بیان کیئے گئے ہیں۔ ہم بخوف تطویل نہ لکھینگے۔

آزادی درحقیقت اس درجہ کو پہنچی ہوئی تھی کہ حضرت عمرؓ کے روبرو اُن پر اعتراض کیا جاتا تھا اور وہ بڑے تحمل کے ساتھ سنتے اور داد دیتے تھے۔ ایک دن خطبہ پڑھتے ہوئے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت کی۔ ایک بڑھیا عورت اُٹھ کھڑی ہوئی اور آیت قنطاراً مقنطرۃ پڑھکر کہا کہ خدا جس چیز کو جائز اور مباح کرے تم کیونکر منع کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے داد دی اور کہا کہ" کل النّاس افقہ من عمر حتی المخدرات[5] "

ایک دفعہ غنیمت میں یمنی چادریں آئیں اور سب میں تقسیم ہوئیں۔ حضرت عمرؓ اسی چادر کا پیراہن بنوا کر اوڑھ کر خطبہ پڑھنے کو منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ سُنو اور مانو۔ یہ صدا پوری رفتار سے نہیں گزری تھی کہ سامعین میں سے ایک بول اُٹھا کہ نہ سُنیں گے اور نہ مانیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا۔ آخر کیوں؟ اُسنے کہا کہ ایک چادر آپ کے حصّہ میں آئی تھی۔ اس سے آپ کے بدن کا پیراہن کس طرح بن گیا۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے کہا کہ جتنا کم تھا میں نے اپنی چادر میں سے دیا تھا۔ تب وہ شخص یہ کہہ کر بیٹھ گیا کہ ہاں اب سُنیں گے اور مانیں گے[6]۔

---

[1] ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا باب تصوف و سلوک
[2] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافت و القضا
[3] ازالۃ الخفا باب حکایات گشت
[4] ازالۃ الخفا
[5] المامون حصّہ دوم صفحہ ۸۷

ایک واقعہ بھی موجود ہے۔ انصار میں سے ایک شخص اونٹ کی ران حضرت عمرؓ کو تحفتہً دیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے سامنے کسی کے ساتھ اُس کا مقدمہ پیش ہوا۔ کہنے لگا یا امیر المومنین میرے مقدمہ میں اس طرح انصاف کیجئے جس طرح اُونٹ کی ران جُدا کیجاتی ہے۔ اُس کے کئی دفعہ کہنے سے حضرت عمرؓ ناراض ہوئے۔ مقدمہ کا فیصلہ تو اُس کے خلاف ہی ہوا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تمام عاملوں کو تحفہ تحائف لینے سے قطعی ممانعت کردی[1]۔

اسی طرح ایک دفعہ کسی نے اُن کی ایک بیوی سے سفارش کرانی چاہی تو آپ نے اُسے جھڑک دیا اور کہا تو ایک کھلونا ہے تجھے اِن اُمور سے کیا مطلب[2]۔

جن مقدمات کے فیصلہ میں اُن کو شُبہ ہوتا تھا یا جو مجرم ثبوت کے بہم نہ پہنچنے یا کسی اور صورت میں بچ جاتے تھے وہ ہمیشہ اُن کی طبیعت میں کھٹکتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص کو زنا کرتے ہوئے دیکھا۔ اصحاب سے مشورہ کیا کہ خلیفہ کو اپنی رویت پر تعزیر کرنے کا اختیار ہے یا نہیں۔ حضرت علی علیہ السّلام نے کہا کہ چار گواہوں کی ضرورت پر نص صریح موجود ہے تو صرف اپنی رویت پر تعزیر کا اختیار کیونکر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اُس وقت خاموش ہوگئے مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر یہی سوال کیا اور حضرت علی علیہ السّلام نے وُہی جواب دیا۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس میں متردد تھے[3]۔

سلیمان بن ربیعہ جب اپنا لشکر آرمینیا کو لے گیا تو لشکر کے واسطے گھوڑے خریدے۔ سلیمان سوائے اصیل گھوڑے کے وہ کسی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ عمرو بن سعدی کرب ایک مخلوط نسل کا گھوڑا لے گیا سلیمان نے ناپسند کرکے واپس کیا اور کہا کہ یہ دوغلہ ہے۔ عمرو نے کہا کہ دوغلہ نہیں ہے۔ یونہی سرکش جانور ہے سلیمان نے پھر بھی اُس کو دوغلہ ہی کہا۔ عمرو نے کہا دوغلہ ہی ہوگا کیونکہ دوغلہ دوغلہ کو پہچانتا ہے۔ سلیمان نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی۔ اُنہوں نے سلیمان کو ملامت کی کہ تو نے کیوں سزا دینے میں تامل کیا اور حلم روا رکھا اور عمرو کو لکھا کہ تو نے اپنے امیر کی بے ادبی کی ہے۔ تو اپنی تلوار پر بہت نازاں ہے جس کا نام تو نے صمصامہ رکھا ہے۔ مگر تجھے معلوم نہیں کہ میرے پاس بھی ایک تلوار ہے جس کو میں مصمم کہتا ہوں۔ جس روز تیرے کانوں کے درمیان رکھدوں گا تیری کھوپری چیرے بغیر نہ نکلے گی[4]۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک قتل کی واردات کا مقدمہ پیش ہوا۔ ایک نوجوان شخص کی لاش راستہ میں پڑی ہوئی پائی گئی۔ حضرت عمرؓ نے بہت تفتیش کی مگر پتہ نہ چلا اور نہایت تشویش میں دعا مانگا کرتے

---

[1] ازالۃ الخفا باب کلمات حضرت عمرؓ [2] ازالۃ الخفا

تھے کہ خدایا اسکے قاتل کا پتہ لگا دے۔ ایک سال کے قریب گزر گیا۔ ایک دن پھر اُسی مقام پر جہاں سے لاش ملی تھی ایک بچہ پڑا ہوا ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پرورش کے واسطے ایک عورت کے سپرد کیا اور کہا کہ اگر تو کسی کو اسکی طرف متوجہ پائے تو مجھے اُسکی خبر کر دیجو۔ لڑکا جب کچھ بڑا ہو گیا تو ایک دن اُس عورت کے پاس ایک خامہ لڑکی آئی اور کہا کہ میری بیوی چاہتی ہیں کہ یہ لڑکا اُن کو دکھلانے کو لے چلے وہ دیکھکر لوٹا دینگی وہ لڑکا لیکر اُس کے ساتھ گئی۔ ایک جوان عورت نے اُس سے لیا اور اُس کا مونھ چوما اور پیار کیا اور پھر لوٹا دیا۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے وہ ایک انصاری کی لڑکی تھی۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ کیفیت اُس عورت سے معلوم کی تو اُس مکان کی طرف گئے۔ اُس جوان عورت کے باپ کو اپنے دروازے پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا پایا۔ اُس سے پوچھا کہ تو اپنی لڑکی کا حال جانتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ ہاں۔ خدا کے حق کو وہ لوگوں کی نسبت اچھا جانتی ہے۔ اپنے باپ کے حق کو بھی ادا کرتی ہے اور نماز روزہ بھی بجالاتی ہے اور دیندار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ مَیں اُس کے پاس جانا اور نیکی کی نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بُوڑھا اندر گیا اور بیٹی کو مطلع کر کے حضرت عمرؓ کو بُلا لیا۔ حضرت عمرؓ نے سب لوگوں کو جو اُسوقت موجود تھے ہٹا دیا اور اکیلے اُس سے باتیں کرنیلگے اور کہا کہ بیان کر اُس لڑکے سے تیرا کیا تعلق ہے۔ وہ عورت متردّد ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ہاتھ تلوار پر بڑھایا۔ وہ ڈر گئی اور کہا کہ یا امیرالمومنینؓ آپ ٹھہر جاویں۔ میں سچ سچ عرض کر دیتی ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ کچھ زمانہ ہوا ایک بوڑھیا عورت میرے پاس آئی اور کام کاج کرنے کو میرے گھر میں رہنے لگی۔ مَیں بطور والدہ کے اُسکو رکھتی تھی اور اُس کا ادب کرتی تھی۔ اسی طرح پر کچھ مدّت گزر گئی کہ ایک دن اُس نے مجھ کو کہا کہ مجھے ایک سفر درپیش ہے۔ اور جانے کا ارادہ رکھتی ہوں۔ میری ایک بیٹی ہے اُسکی تنہائی کے خیال سے مَیں سفر سے واپس آنے تک تمہارے پاس چھوڑ جانا چاہتی ہوں۔ دراصل وہ اُسکی لڑکی نہیں تھی لڑکا تھا۔ اُس کو وہ عورتوں کا لباس پہنا کر میرے پاس چھوڑ گئی۔ مجھے کبھی اُس کے مرد ہونے کا شُبہ نہیں ہوا اور اُس سے کسی قسم کا پردہ نہیں کرتی تھی۔ ایک دن سوتے میں مجھکو غافل پاکر میرے قریب ہوا اور مجھ سے مخالطت کی۔ میرے قریب ایک چھری رکھی تھی مَیں نے ہاتھ لمبا کر کے اُسے پکڑا اور اُس سے اُس کا کام تمام کر دیا اور اُٹھا کر بازار میں پھینک دیا۔ مگر مَیں اُس سے حاملہ ہو گئی اور یہ لڑکا پیدا ہوا۔ خداوند علیم واقف ہے کہ اصل واقعہ یہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا خدا تجھے برکت دے تو نے سچ کہا ہے۔ اور اُسکو نصیحت کرتے رہے اور تھوڑی دیر بیٹھکر چلے آئے۔ اُس قتل کے واقعہ کا پتہ نہ چلنے سے جو بوجھ اُن کے دل پر تھا ہلکا ہو گیا۔

غرض عدل و انصاف کے حامی اور سرپرست تھے اور انصاف کے سامنے کسی چیز کی پروا نہیں کرتے تھے۔ عاملوں اور حاکموں کی زیادتیوں اور ظلم کی رعایا اور محکومین کی شکایت پر اُن کو سزائیں دیتے تھے۔ لوگوں کے

عامل اکٹھے ہوتے تھے تو اُن کے احکام کی نسبت شکایت کرنے کی پوری آزادی دی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ جب مجمع عام میں حضرت عمرؓ نے پکار کر کہا کہ عاملوں کو مَیں نے تمہیر عدل و انصاف کرنے کے واسطے بھیجا ہے اگر کوئی عامل ظلم و زیادتی کرے تو اُسکی میرے پاس شکایت کرو۔ یہ سُن کر ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ یا امیر المومنین میرے عامل نے مجھے بے گناہ سَو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کیفیت سُنکر حکم دیا کہ اُسکو سَو کوڑے مار کر اپنا بدلا لے لے۔ عمرو بن العاص اسپر معترض ہوئے اور کہا کہ اس طرح پر آپ نے عاملوں کی شکایتیں سُننے کا دروازہ کھول دیا تو بہت واقعات اِس قسم کے ہونے لگینگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے نفس سے بدلہ لیتے تھے تو میں کیوں اس سے بدلہ نہ لُوں گا۔ عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ اس طرح سزا نہ دلوائیں۔ ہم اُسے راضی کر لینگے۔ یہ بات حضرت عمرؓ نے مان لی اور اُس مستغیث کو اسطرح راضی کیا گیا کہ فی کوڑا دو دینار یعنی کُل دو سَو دینار اُسکو دلوائے گئے[1]۔ اُن کا قول تھا کہ "جو عامل میرے عاملوں میں سے کسی پر ظلم کرے اور مجھ کو اُس کے ظلم کا حال معلوم ہو جائے۔ اگر مَیں اُسکی اصلاح نہ کروں گا تو وہ ظلم مَیں نے ہی کیا ہوگا[2]"

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے فیصلوں میں نرمی اور رحم بھی شامل ہوتا تھا مگر ایسی نرمی اور رحم جس سے انصاف کے پہلو میں کچھ خلل نہ واقع ہوتا ہو۔ مثلاً ایک دفعہ چند آدمیوں نے مزنیہ کے قبیلہ کے ایک شخص کی اونٹنی چُرا کر اُسے ذبح کر لیا۔ ہاتھ کاٹنا اِس جُرم کی سزا تھی۔ حضرت عمرؓ نے مزنی سے اونٹنی کی قیمت دریافت کی اُس نے چار سو درہم بتائے۔ مجرموں سے آٹھ سَو درہم تاوان دلوا کے چھوڑ دیا[3]۔

ایک قتل کے مقدمہ میں قاتل کو حضرت عمرؓ کے پاس لائے ثبوت جُرم پر قاتل کو سزائے موت کا حکم دیا اسی اثنا میں مقتول کے دعویدار عزیزوں میں سے بعض نے معافی دیدی۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود کے مشورے سے باقی ورثار کو دیت کے طور پر ایک رقم دلوا کر چھوڑ دیا[4]۔

ابو موسیٰ نے ایک دفعہ ایک شخص کو جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو گیا تھا مروا ڈالا۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ واقعہ سُنا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ اُسے بند رکھکر اُس سے توبہ کیوں نہ طلب کی[5]۔

ایک دفعہ عبداللہ بن عمرو حضرمی اپنے غلام کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے لایا اور کہنے لگا کہ اِس نے میری عورت کا آئینہ ساٹھ درھم کا چُرایا ہے۔ اِس کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے

---

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست
[2] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک
[3] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافت و القضا
[4] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک

کہا کہ یہ تمہارا نوکر ہے اس پر قطع کا حکم نہیں ہے[۵۱]"

اس قسم کے بہت واقعات ہیں اور اُن کے زمانہ کے مقدمات اور اُن کے فیصلہ موجود ہیں جن سے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فقہ مرتب ہوئی ہے۔ لیکن ہمارا مطلب صرف اُن کے عدل و انصاف کی چند مثالیں بیان کرنے سے تھا۔ ورنہ درحقیقت حضرت عمرؓ کا منصفانہ برتاؤ اُن کے ہر ایک عمل اور کام سے ایسا ظاہر ہے کہ اُسپر کسی دلیل اور زیادہ بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور بعض اہل الرائے صحابہ کے اقوال ہم اس بارے میں بیان کر چکے ہیں۔ سر ولیم میور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طبیعت کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "اُن میں حضرت عمرؓ کی سی قوت اور قوت فیصلہ نہیں تھی اور نہ انصاف کی حس و ادراک کا مادہ ایسا تیز اور قوی تھا[۵۲]" اور دونوں خالدوں کا واقعہ اس کے ثبوت میں پیش کرتا ہے:

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طبیعت کے ذکر میں مؤرخ مذکور لکھتا ہے کہ "عدل و انصاف کا مادہ اُنکی طبیعت میں نہایت پختہ اور قوی تھا۔ خالد کے ساتھ جو سلوک کیا اُس سے قطع نظر کر کے اُن کے ظلم یا بے انصافی کا ایک واقعہ بھی نہیں مل سکتا اور خالد کے معاملہ میں بھی اُس سے دشمنی کرنے کی یہ وجہ تھی کہ وہ اپنے مغلوب دشمن کے ساتھ بے احتیاطی اور بے رحمی سے سلوک کرتا تھا۔ اُن کی سلطنت میں مختلف قومیں اور مختلف جماعتیں اور مختلف فرقے جن کے اغراض اور حالات ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد تھے۔ اُن کی قابلیت میں انتہا درجہ کا اعتبار و اعتماد کیے ہوئے تھے اور اُن کے مضبوط بازوؤں نے انتظام اور قانون اور عدل کی تعمیل کا سکہ بٹھایا ہوا تھا[۵۳]":

سر ولیم میور کے یہ الفاظ کسی ادنےٰ غور یا سرسری نگاہ سے دیکھکر نہیں کہے گئے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ گو خالد سے ناراضی کی وجہ کو اُس نے خود بیان کر دیا ہے مگر اُس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا اُسکو حضرت عمرؓ کے لیئے بے لوث اور پاک جامۂ انصاف پر ایک دھبہ دکھاتا ہے اور اُن کے عام اور سراسر انصاف سے اس واقعہ کو مستثنیٰ کرتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ سر ولیم میور کی رائے پر کیا منحصر ہے۔ خالد کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ بظاہر نظر شاید دوسروں کو بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہو۔ خالد کی بے نظیر بہادری اور شجاعت جو ہمدردی اُنکی نسبت اُس کے حالات پڑھنے والوں کے دلوں میں پیدا کر دیتی ہے وہ ہے جو اُس کے ساتھ اس قسم کے سلوک کو انوکھا دکھلاتی ہے۔ یہ مانا کہ خالدؓ "سیف اللہ" بہادر تھا اور دلیر ایسا تھا کہ چشم فلک نے اُس جیسے کم دیکھے ہیں۔ شجاع تھا اور بے خوف ایسا کہ دنیا کی تاریخ میں تلاش کرنے سے اُس جیسے نہیں پائے جائینگے کار آزمودہ سپہ سالار اور تجربہ کار جرنل فنون جنگ سے ایسا ماہر کہ دنیا کے سب سے بڑے سپہ سالار اُس کی شاگردی پر فخر کرتے

---

۵۱ ازالۃ الخفا باب خلافت عمر

۵۲ انلس اوف خلافت صفحہ ۱۲۳

۵۳ انلس اوف خلافت صفحہ ۲۸۴

اُس کی خونخوار تلوار اور اُس کی تیغ بیدریغ فتح اور نصرت کی دلیل اور ضمانت تھی۔ اُس کی ذات اور موجودگی بقول انگریزی مصنف کے قوت اور ہیبت کا ایک بُرج تھی۔ اُس کے نام سے کسریٰ اور قیصر کے شاہنشاہی دل کانپتے تھے۔ اسلامی فتوحات اُس کی شجاعانہ جاں بازی کی کچھ کم ممنون نہیں ہیں۔ شجاعت اور بہادری کے دفتر میں اُس کا نام سُنہری حرفوں میں سب سے اوّل لکھا ہوا ہے اور اُس کی یاد اب بھی مُسلمانوں کی رگوں میں عربی خون کو جوش میں لے آنے کا ایک طلسم ہے ؛

مگر بایں ہمہ جیسا کہ اُسکے اِس بے نظیر اور یگانہ اوصاف کے واسطے لازمی تھا اور جیسا کہ دنیا کے سب سے بڑے جرنیلوں کے حالات میں ہم پاتے ہیں اُسکی بداحتیاطی بیرحمی تک پہنچ جاتی تھی اور ناعاقبت اندیشی اور بے خوفی خوف خطر میں رکھتی تھی۔ اُس کے ذاتی افعال غیروں کی نظروں میں اسلامی خلافت کے نائب کے افعال تھے اور خود اسلام اُسکے برتاؤ اور کردار کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ ناواقف اُسکو مقاصد اسلامی کا ایک جزو سمجھتا تھا۔ بسا اوقات انصاف اور اسلامی تعلیم کے خلاف اُس سے ایسے امور سرزد ہوتے تھے جنکی تلافی بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خالد کی تندمزاجی اور بداحتیاطی پر افسوس کرنا پڑا تھا۔ بنی خذیمہ کا واقعہ تاریخ کے مضمون سے مٹ نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو شہ ہجری مقدس میں بنی خذیمہ کی طرف اسلام کی ہدایت کے واسطے بھیجا تھا مگر وہ پہلے سے مُسلمان ہو چکے تھے۔ اسلام کا اقرار کرتے وقت اُن کے مونھ سے "اسلمنا" کی جگہ غلطی سے "صبانا" نکل گیا جس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہمنے اپنا پہلا دین چھوڑ دیا ہے۔ خالد نے نہ سمجھا اور اُن کو قید کرلیا اور صبح کے وقت اُن کے قتل کرنے کا حُکم دیا۔ مہاجرین اور انصار کے پاس جس قدر قیدی تھے وہ اُنھوں نے نہ مارے اور چھوڑ دیئے۔ مگر بنی سلیم نے بہت سے قیدیوں کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ کو نہایت سخت صدمہ گزرا اور خالد کے کام سے ناراض ہوئے۔ اور فرمایا کہ اے خدایا جو کچھ خالد نے کیا ہے مَیں اُس سے بری ہوں[1] ؛

اسی طرح ایک دفعہ خالد نے عمار بن یاسر پر سختی کی اور سخت و سُست کہا جس سے وہ ناراض ہوگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو شکایت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو فرمایا کہ عمار سے تیرا کیا کام تھا وہ تو ایک جنتی آدمی ہے جو بدر میں حاضر ہوا ہے۔ عمار کو بھی سمجھایا اور خالد نے معافی مانگی ؛

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں خالد سے جو زیادتیاں ہوئیں وہ کسی طرح ناقابل توجہ نہ تھیں۔ مالک بن نویرہ کے مسلمان ہونے اور بے گناہ قتل کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ثابت تھا۔ اگر خالد کا حکم سمجھنے ہی میں غلطی ہوئی ہوتی تو کم سے کم اُسکی حسین عورت سے اُسی وقت نکاح کرنا جبکہ اُس کے مقتول شوہر کا خون زمین پر خشک بھی نہیں ہوا تھا نہایت سرد مہر اور بے ضبط طبیعت کا کام تھا

---

[1] مغازی واقدی صفحہ ۳۳۶ و تفسیر القرآن از سر سید احمد خاں صاحب جلد چہارم صفحہ ۱۰۰ ؛

جس کو اسلامی تعلیم روا نہیں رکھ سکتی تھی۔ خالد کا عراق میں بے ذریعہ و بلا امتیاز قتل کا حکم دینا بھی حضرت عمرؓ کی انصاف پسند طبیعت پر ایک بار تھا۔ یمن کی لڑائی میں قتل عام کا حکم دینا اور اسی طرح خون کا دریا بہانے کی قسم کھا لینا کوئی معمولی قابل چشم پوشی امور نہ تھے۔ خالد کی تمام زیادتیوں اور بے احتیاطیوں کو شمار کرنا ایک طویل اور غیر ضروری کام ہے۔ وہ خود ہی لوگوں میں انعام و اکرام بھی تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ سے لکھوایا کہ بغیر ہماری اجازت کے کسی کو کچھ نہ دے جس کے جواب میں اُس نے لکھا کہ مجھکو میرے کام پر چھوڑ دیجیئے جو چاہوں کروں اور جس کو چاہوں دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایسے جواب کو کب سُننے والے تھے۔ فوج کو بے سردار چھوڑ کر بے اطلاع اور بلا اجازت مکہ کو حج کرنے چلا آنا بھی کچھ معمولی بے احتیاطی نہ تھی۔ حضرت عُمر کے انصاف اور دُور اندیشی اور احتیاط کے نزدیک اس قسم کی تمام زیادتیاں اور بے احتیاطیں ناقابل معافی تھیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کا درگزر کرنا اور خالد کو تنبیہہ کر کے چھوڑ دینا بھی ایک ایسا فیصلہ تھا جس کے خلاف یا انحراف کرنا حضرت عمرؓ اُس تعظیم اور ادب کے لحاظ سے جو وہ اپنے زمانۂ خلافت میں بھی حضرت ابوبکرؓ کا کرتے تھے روا نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس سب سے پہلے جو منصفانہ تدبیر اور دُور اندیشی کی تجویز کی وہ یہ کی کہ خالد کو سپہ سالاری عراق سے روک کر حضرت ابوعبیدہ کے ماتحت شام میں مقرر کیا۔ خالد کی جزوی بے احتیاطیوں کی شکایت رہتی تھی مگر معاف کر دیجاتی تھی۔ شام کے فتح ہو جانے پر خالد قنسرین کا امیر اور عامل مقرر ہو گیا۔ مگر اُسکی طبیعت نہیں بدل سکتی تھی۔ زمانہ اور تجربہ اور عمر نے اُسپر بہت کم اثر کیا۔ حضرت عمرؓ کا قول کہ مَیں آلِ مغیرہ کو آتشین طبیعت کا سمجھتا ہوں غلط نہیں تھا۔ شام کی بغاوت کے زمانہ میں خالد کا ابوعبیدہ کو حصار سے باہر نکلکر جنگ کرنے کی رائے دینا حضرت عمرؓ کی نظروں میں سخت بے احتیاطی اور ناعاقبت اندیشی اور اپنی قوت پر غرور کا اظہار تھا اس سے ناراض ہوئے ہی تھے کہ دو اور اہم شکایتیں اُسکی نسبت پہونچیں اوّل یہ کہ حمام میں جا کر خالد شراب ملی ہوئی خوشبو استعمال کرتا ہے اور دوسرے اشعث بن قیس الکندی ایک شاعر کو اپنی تعریف میں ایک قصیدہ کے صلہ میں ایک ہزار دینار[1] خالد نے انعام دیا ہے۔ پہلے الزام سے تو خالد نے قسم کھائی اور بری ہو گیا۔ دوسری شکایت بلحاظ واقعہ کے صحیح تھی۔ ہزار دینار بہت بڑی رقم تھی اور حضرت عمرؓ نے اُس کی تحقیقات کرنی چاہی۔ ابوعبیدہ کے نام حکم بھیجا کہ خالد کو حمص میں بُلا کر مُسلمانوں کی جماعت کے سامنے اُسکے ہاتھ باندھکر اُس سے دریافت کرے کہ یہ روپیہ بیت المال سے صرف کیا ہے یا اپنی گرہ سے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ خالد نے کہا کہ مَیں نے اپنی گرہ سے خرچ کیا ہے۔ اُسی وقت ہاتھ کھول دیئے گئے اور اُسکی وہی تعظیم و تکریم کی گئی[2]۔

---

[1] سر ولیم میور ایک ہزار دینار اور طبری دس ہزار درم لکھتا ہے۔ انلس آف خلافت صفحہ ۲۲۰ اور طبری صفحہ ۲۸۹

[2] انلس آف خلافت صفحہ

خالد کا اپنی گرہ سے بھی اتنی بڑی رقم ایک شاعر کو انعام دینا حضرت عمرؓ کے نزدیک فضول خرچی کا ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ اُس کو قنسرین کی حکومت سے مدینہ بُلالیا۔ مگر اطراف میں سب جگہ لکھا کہ خالد کی معزولی بسبب خیانت کے نہیں ہوئی بلکہ اِس سبب سے کہ اُنہی کے دل میں خیال تھا کہ یہ سب فتوحات اُسکی مدد سے حاصل ہوئی ہیں حالانکہ یہ سب خدا سے منسوب کرنا چاہیئے[1] ہو سکتا ہے کہ اصل مطلب حضرت عمرؓ کا اُسکی نسبت اِس قسم کی شکایات کے سلسلہ کو منقطع کرنے کا ہو۔ خالد آخر حمص میں جا رہا اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے آٹھویں سال میں اُن کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؛

غرض یہ واقعہ ہے خالد اور اُس کے ساتھ سلوک کیئے جانے کا۔ اور تعجب ہے کہ کوئی شخص اسکو حضرت عمرؓ کی بے انصافی پر محمول کرے جو خدا اور اپنے پاک مذہب کے روبرو خلق اللہ کے ساتھ انصاف اور عدل اور رحم اور فیاضی سے برتاؤ کرنے کے اپنے آپ کو جوابدہ سمجھتے تھے اور کسی کی کارآمد بہادری اور شجاعت کو انصاف کے روبرو ہیچ جانتے تھے۔ اس واقعہ کے سوا اَور بہتیرے واقعات اِسی قسم کے ہیں جو غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں ؛

حضرت عمرؓ جیسے کہ انصاف اور سچائی کے حامی اور پشت و پناہ تھے ایسے ہی اس صفت والوں اور حق کے پہچاننے والوں کے عاشق تھے۔ مثلاً ایک رات کو آپ اپنے غلام اسلم کے ساتھ مدینہ میں گشت کر رہے تھے کہ دم لینے کے واسطے ایک مکان کی دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ ایک بُڑھیا کی آواز سُنی کہ وہ اپنی لڑکی کو کہہ رہی ہے کہ اُٹھ پانی دُودھ میں ملا دے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ تو نے نہیں سُنا کہ حضرت عمرؓ نے ڈھنڈورا پٹوایا ہے کہ دُودھ میں پانی مت ملاؤ۔ اُسکی بُڑھیا ماں نے جوابدیا کہ اِس وقت نہ امیر المومنینؓ دیکھ رہا ہے نہ اُس کا ڈھنڈورچی۔ لڑکی نے جواب دیا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ ظاہرا اطاعت کریں اور درپردہ گناہ کریں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسکو سُن کر بے انتہا خوش ہوئے اور اپنے غلام کو اُس مکان کا نشان یاد رکھنے کو کہہ کر چلے آئے اور اگلے دن اُس لڑکی کو بُلوایا اور اپنے بیٹے عاصم سے نکاح کروا دیا[2] کہا کرتے تھے اگر مجھ کو عورت کی ضرورت ہوتی تو میرے سوا اِس کے ساتھ کوئی نکاح نہ کرتا۔ اِس لڑکی کی نسل سے حضرت عمر بن عبد العزیز وہ عادل اور خدا ترس خلیفہ تھے جن کو خلفاء راشدین میں پانچواں خلیفہ شمار کرتے ہیں ؛

غرض حضرت عمرؓ کا عدل اور انصاف دنیا میں یادگار رہا اور ہمیشہ یادگار رہیگا۔ مظلوم اُن کے نام سے فریاد کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ خلیفہ مامون الرشید کے وقت میں ایک دن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بیگار پکڑا۔ وہ دردناک آواز سے چلایا "واعمراہ" یعنی ہائے عمرؓ تم کہاں ہو۔ مامون کو اطلاع ہوئی۔ اُس

---

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست

[2] ازالۃ الخفا باب گشت

شخص کو طلب کیا اور کہا کہ حضرت عمرؓ کا عدل تجھ کو یاد آیا۔ اُس نے کہا ہاں۔ مامون نے کہا خدا کی قسم اگر میری رعیت حضرت عمرؓ کی سی رعیت ہوتی تو میں اُن سے بھی زیادہ عادل ہوتا۔ خیر یہ تو ایک کہنے کی بات تھی دراصل حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی رعایا بھی اس سبب سے ایسی تھی کہ حضرت عمرؓ نے اُسکو ایسا بنایا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نام سے جو فریادیں کیجاتی تھیں وہ سُنی بھی جاتی تھیں کیونکہ مامون نے اُس کو انعام دلوایا اور سپاہی کو موقوف کردیا[1]۔

عمال اور امیروں اور حاکموں اور ہر ایک قسم کے عہدہ داروں کا مُقرّر کرنا ایک نیا اور مشکل کام تھا اور اُس کے واسطے نہایت واقفیت اور مردم شناسی درکار تھی۔ حضرت عمرؓ کے عُمدہ انتخاب اُن کی کامیابی سے ظاہر ہوں گے ؛

عہدہ داروں کے تقرّر کے وقت عموماً اِس قسم کی ہدایتیں اُن کو کرتے تھے۔

دروازے پر چوبدار اور حاجب نہ رکھیں مستغیث کو آنے کی کوئی روک نہ پیدا کریں گویا ہر وقت عدالت کا دروازہ کھلا رہنے کا حکم تھا ؛

جب کوئی استغاثہ کرے اُس کو سُننا اور مدعی سے گواہ عادل اور مُنکر سے قسم لیکر اُسکو فیصلہ کریں عادل وہ سمجھا جائے جسپر حد شرعی جاری نہ ہوئی ہو یا جھوٹی شہادت میں مشہور نہ ہو۔ اُسپر محبت اور وراثت کی تہمت نہ ہو اگر گواہوں کی حاضری کے واسطے مہلت مانگی جائے تو مہلت دیں ؛

فیصلہ کتاب اور سُنّت کے رُو سے کریں۔ اور جن اُمور کی نسبت کتاب اور سُنّت میں حکم نہ ہو اپنی فہم اور رائے سے فیصلہ کریں ؛

مقدمات کا فیصلہ جلد کریں تاکہ مدعی دیر کے سبب اپنا دعویٰ چھوڑ دینے کو مجبور نہ ہو ؛

باہم مصالحہ اور رضامندی کو بشرطیکہ اُس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال نہ ہو منظور کرلیں ؛

جو فیصلہ ایک دن کیا گیا ہو اُسپر نظر ثانی کرنی جائز ہے اور اگر نظر ثانی میں پہلا فیصلہ غلط معلوم ہو تو اُسکو باطل ٹھہرادے ؛

متخاصمین پر سختی اور درشتی اور غُصّہ نہ کریں ؛

رعب قایم رکھیں۔ مگر نہ اتنا کہ وہ منجر بہ جبر ہو۔ اور اخلاق و نرمی کریں۔ مگر نہ اتنی کہ حکومت میں سُستی اور بے رُعبی ہو ؛

ہمیشہ عدل اور انصاف اور حق کو قایم رکھیں[2] ؛

جس مقدمہ کا فیصلہ نہ ہو سکے اور وقت واقعہ ہو اُسکو میرے پاس بھیجدیں ؛

---

[1] المامون حصہ دوم صفحہ ۲۹ [2] ازالۃ الخفا باب احکام الخلافت والقضا و تہذیب الاخلاق جلد اوّل صفحہ ۳۱ ؛

غرض اسی قسم کی ہدایات کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً ضروری ہدایات کے متعلق تحریری احکام جاری کرتے تھے ؛

عمیر بن ثابت سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جس وقت کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تو اُس سے انصار و اصحاب کے روبرو چار اقرار لیتے۔ اوّل یہ کہ گھوڑے پر سوار نہو۔ دوسرے باریک کپڑے کو نہ پہنے اور لذیذ و نفیس کھانے نہ کھائے۔ تیسرے حاجتمند لوگوں پر دروازہ بند نہ رکھے۔ چوتھے حاجب اور دربان نہ مقرر کرے[1] ؛

اہل فوج کے واسطے یہ نہایت ضروری ہدایات تھیں کہ "جاڑوں میں دھوپ کھانا نہ چھوڑیں۔ گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں اور موٹے کپڑے استعمال کریں" ؛

جیسا کہ آپ کثرت ضروری اور مفید ہدایات تحریری جاری کرتے تھے ایسے ہی خطبوں میں پند و موعظت عاملوں کے واسطے فرماتے تھے ؛

ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ "اے خدا میں تجھ کو شہروں کے امیروں پر شاہد کرتا ہوں۔ میں نے اُن کو اسواسطے بھیجا ہے کہ وہ لوگوں کو اُن کا دین سکھلاویں۔ نبیؐ کی سُنّت سے آگاہ کریں۔ غنیمت کو تقسیم کریں۔ اُن میں عدل پھیلائیں۔ اور کسی امر میں اگر دقت واقعہ ہو تو اُسکو میری طرف بھیجدیں" ؛[2]

پھر فرمایا کہ "اے لوگو۔ خدا کی قسم ہے۔ میں نے اپنے عاملوں کو تمہاری طرف اس لیئے نہیں بھیجا کہ تمہاری کھال اُتاریں یا تمہارے مال چھینیں بلکہ اس واسطے بھیجا ہے کہ تمکو تمہارا دین اور سُنّت سکھلائیں پس جس شخص کے ساتھ اس کے خلاف سلوک ہو وہ میرے پاس مرافعہ کرے۔ خدا کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اُس سے بدلہ لوں گا" ؛[3]

عمرو بن العاص نے ایک دن اسی پر اعتراض کیا اور کہا تھا کہ اگر کوئی عامل اپنی رعیت کو ادب سکھلانے کے واسطے کچھ کہیگا تو آپ اُس سے بھی باز پُرس کرینگے آپ نے جواب دیا کہ بیشک کروں گا اور بدلہ لوں گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس سے بدلہ لیتے دیکھا ہے۔ میں ان سے کیوں نہ لوں گا ؛

عاملوں کو اس امر کی تاکید کیا کرتے کہ مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے واسطے نہ ماریں۔ اُن کو حدود پر گھر آنے سے روکے نہ رکھیں کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاوینگے۔ اُن کے حقوق اُن سے نہ روکیں کہ وہ باغی ہو جاوینگے[4] ایسی ہی پند و موعظت اور ہدایت اُن کے اکثر خطبوں میں موجود ہے۔ تحریری احکام اور ہدایت میں بڑے امیروں کو خصوصاً اور تمام عہدہ داروں اور اہلکاروں کو عموماً نیکی اور خداترسی اور خداپرستی اور بھلائی کرنے اور سادگی عادات کو

---

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست
[2] ازالۃ الخفا باب سیاست
[3] " " "
[4] " " "

نہ چھوڑنے کی ہدایت اور تاکید کرتے تھے اور نہایت سختی سے ان رسوم کی ممانعت کرتے تھے
دہقانوں کا برعکس ہوگا۔ زیادہ ستانی اور جبر سے منع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ عاملوں کو صدقہ کے بارے میں لکھا کہ جب زکوٰۃ وصول کرو تو لوگوں کو بند نہ کیے رکھو۔ جن کا کام پہلے ہو جاتے اُن کو جانے دو کیونکہ اُن کے مویشی بند رہنے سے ہلاک ہوں گے۔ جب مال مویشی میں سے صدقہ لو تو نہ بہت عمدہ منتخب کر کے لو اور نہ بہت کم درجہ کا بلکہ اوسط قسم سے صدقہ لینا چاہیئے۔ اگر کسی کو ایک سال کا جانور دینا ہو اور وہ اُس کے مویشیوں میں نہ ہو تو اُسی حیثیت کا مال یا قیمت لے لینی چاہیئے۔ شیر دار اور حاملہ جانور نہ لینے چاہئیں۔ اس سے اُن کا بہت نقصان ہوتا ہے[1]۔

غرض تمام امور میں اور ہر ایک قسم کی ضروریات کے متعلق جزئیات تک ہدایتیں فرماتے تھے جو انصاف اور عدل پر مبنی ہوتی تھیں۔ عمال کے واسطے پہلا ضابطہ اور دستور العمل اور قانون کتاب اور سُنّت تھے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایات اور قواعد تھے جو وہ مقرر کر کے اُن کو اطلاع دیتے تھے اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور طریق کے نظائر تھے جن سے وہ آگاہ ہوتے رہتے تھے اور اس کے بعد ضرورتاً وہ اپنے فہم اور رائے اور قیاس کو کام میں لاتے تھے جس پر نظر ثانی اور مرافعہ کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ گویہ دستورات اپنی سادہ اور ابتدائی حالت میں تھے مگر عدل اور انصاف اور امن اور آسائش کے واسطے جو اُن کی غرض تھی پوری ضمانت تھے۔

امیروں اور عاملوں کے تقرر اور اُن کو ہدایتیں کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کا کام اُن کی نگرانی اور خبر گیری کرنے کا تھا جو وہ عجیب و غریب طریقہ میں ہر ایک ممکن وسیلہ سے کرتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ "جو عامل میرے عاملوں سے کسی پر ظلم کرے اور مجھکو اُسکے ظلم کا حال معلوم ہو جائے اگر اُس کی اصلاح نہ کروں گا تو وہ ظلم میں نے ہی کیا ہوگا۔" پس وہ نگرانی اور خبر گیری میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ نگرانی کے مختلف طریقوں میں سے ایک عمدہ تدبیر حضرت عمرؓ کی یہ تھی کہ حج کے وقت تمام صوبوں کے امیر حج کرنے کے واسطے مکہ آتے تھے اور عام مسلمین بھی جمع ہوتے تھے۔ سب کو اپنے حالات عرض کرنے کی اجازت دیجاتی تھی۔ مدینہ کے راستہ واپس ہوتے ہوئے اُن امیروں کو اپنے صوبہ کے حالات اور ضروریات بیان کرنے اور حضرت عمرؓ کو ہدایات جاری کرنے کا مزید موقع ملتا تھا۔ بقول سر ولیم کے "درحقیقت یہ موقع لوکل گورنمنٹ کی زبانی سالانہ رپورٹ سنا دینے کا بہت ہی عمدہ کام دیتا تھا[2]۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن برکتوں سے جو خداوند تعالیٰ نے حج کے پُر حکمت فرض میں رکھی تھیں اس اعلیٰ صورت میں ایسا قیمتی فائدہ اُٹھانے کی ایک عمدہ تدبیر نکالی تھی۔

اس کے سوا نگرانی کی غرض کے واسطے اپنے اور صوبوں کے عہدہ داروں کے درمیان ایلچی اور کارندہ

---

[1] ازالۃ الخفا باب کلمات حضرت عمر [2] ٹرنس اوف خلافت صفحہ ۲۶۳

اور جاسوس اور ان کے حال کی نگرانی کرنیکے واسطے خاص لوگ مقرر کیے تھے جو عموماً اُن کو خبریں دیتے رہتے تھے۔ اِس کے علاوہ جو موقعہ اُن کے دریافت حال کا ملتا اُس سے بھی فائدہ اُٹھاتے تھے۔ جو مسلمان مختلف صوبوں سے مدینہ کو آتے تھے اُن سے صوبہ کے امیر کا حال اپنے طور پر دریافت کر لیتے تھے۔ اگرچہ ہر ایک شخص کے واسطے اپنی سادگی اور سادہ اطوار اور خورش اور پوشش میں اعتدال رکھنے کا عام طور پر تاکیدی حکم تھا مگر عاملوں اور امیروں کو چونکہ ایسے عادات اور اطوار کو چھوڑ دینے اور تعیش اور آرام طلبی میں پڑ جانے کا زیادہ موقعہ تھا اس لیئے اُن کی اس امر میں خاص نگرانی کرتے تھے اور خصوصیت سے اقرار بھی لے لیتے تھے ؛

ایک دن کسی شخص نے شکایت کی کہ عیاض بن غنم تیری شرطوں کو پورا نہیں کرتا ہے باریک کپڑے پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو جو عاملوں پر اُن کی طرف سے قاصد مقرر تھا بلایا اور حکم دیا کہ عیاض کو جس حالت میں تو پائے میرے پاس لے آ۔ چنانچہ قاصد نے جا کر دیکھا تو واقعی دروازے پر حاجب تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنے ہوا تھا۔ قاصد کے پیغام سے مطلع ہو کر اُس نے کچھ فرصت چاہی مگر نہ دی گئی اور اُسی حال میں حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے باریک کپڑے اُتروا کر اُون کا کُرتا اُس کو پہنایا۔ ہاتھ میں ایک عصا پکڑا دیا اور ایک بکریوں کا ریوڑ چرانے کے واسطے اُسکے سپرد کر دیا۔ گرمی کا موسم تھا تنگ ہوا اور چلا اُٹھا کہ "الموت خیر من ھذا" حضرت عمرؓ نے کہا کہ تیرے باپ کا نام تو غانم (گڈریا) تھا اور بکریاں چراتا تھا۔ تو اُس کو اور میری ہدایات اور اپنے اقرار کو بھول گیا۔ غرض اُس کو حکومت سے معزول کر دیا[1] ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عمال کو بعض وقت اتنے قصور پر بھی معزول کر دیتے تھے کہ مریضوں کی عیادت یا خبر گیری نہ کرتا ہو اور مفلس لوگ اُس کے پاس دخل نہ پا سکتے ہوں[2] ؛

کسی عامل کا اپنے واسطے جاگیر وغیرہ پیدا کرنا جس کی عام ممانعت تھی ایسا ہی قصور تھا۔ یعلی بن اُمیہ کی نسبت جو یمن کے بعض شہروں پر امیر تھا اسی قسم کی شکایت گزری تو اُسکو حکم بھیجا کہ مدینہ تک پاؤں چلتا آوے۔ پانچ چھ دن کا راستہ وہ پاؤں چلا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے وفات پانے کی خبر پا کر وہ سوار ہو لیا[3] ؛

اپنے عمال کی نسبت وہ بداخلاقی کے شُبہ کو بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ نعمان بن عدی کو اُنہوں نے میسان کا امیر مقرر کیا۔ اُس نے اپنی عورت کو میسان کی طرف ساتھ لیجانا چاہا مگر اُس نے انکار کیا۔ نعمان نے وہاں پہنچکر ایک خط میں کچھ اشعار اپنی عورت کو ترغیب دینے کے واسطے لکھے جن کا مضمون اس قسم کا تھا کہ تیرا خاوند چینی اور کانچ کے پیالوں میں پانی پیتا ہے۔ گانوں کے دہقان اور حسین عورتیں اُس کو گانا سناتی ہیں وغیرہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حال معلوم ہو گیا اور اُس کو معزول کر کے واپس بُلا لیا۔ اُس نے مدینہ آ کر عذر کیا کہ میں کسی

---

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست
[2] ازالۃ الخفا باب سیاست
[3] ازالۃ الخفا باب سیاست

ایسے فعل کا مرتکب نہیں ہوا۔ صرف اشعار میں یہ بیان کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہی سچ ہوگا۔ مگر مجھ کو ہمیشہ سے عامل رہنا ضروری نہیں ہے[1]۔

بعض بیرونی مصلحتوں کے خیال کا اظہار اُن کو اپنے خیالات سے روک بھی دیتا ہو۔ مگر یہ شاذ واقعہ ہے جو ہر ایک سے نہیں ہو سکتا تھا۔ یزید بن ابی سفیان جب فوت ہو گیا تو اُس کی جگہ اُس کے بھائی معاویہ کو شام میں امیر مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ شام کے سفر میں جب وہاں پہنچے اور معاویہ بڑے لشکر کے ساتھ اُن کو آکر ملا حضرت عمرؓ کی نظروں میں یہ بات کھٹکی۔ اُس کی نسبت یہ بھی سُنا تھا کہ وہ دروازے پر حاجب رکھتا ہے اُس سے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ معاویہ نے جواب دیا کہ شام کا ملک جہاں میں رہتا ہوں اِس قسم کا ہے کہ دشمن کے جاسوس وغیرہ بہت آتے ہیں۔ میں اِس امر کو پسند کرتا ہوں کہ سلطان کی عزت کو اِس طرح ظاہر کروں جس سے لوگ ڈریں۔ اگر آپ حکم دیں گے تو میں ایسا کروں گا ورنہ چھوڑ دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تیری باتیں ایسی ہی مدلل ہوتی ہیں۔ جو کچھ تو نے کہا ہے اگر یہ سچ ہے تو ایک معقول رائے ہے۔ اگر جھوٹ ہے تو دانا کی فریب دہی ہے[2]۔

اپنی گشت میں بھی لوگوں سے اُن کے امیروں کا حال پوچھتے رہتے تھے۔ ایک دن اہل حمص سے اُن کے امیر کا حال پوچھا۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ یا امیر المومنین وہ امیر اچھا ہے مگر اتنی بات اُس نے کی ہے کہ اپنے رہنے کے واسطے بالاخانہ بنایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو مدینہ بُلا لانے کے واسطے خط دیکر قاصد بھیجا اور کہا کہ اُسکے بالاخانہ کے دروازے کو جلا دینا۔ قاصد نے جب وہاں پہونچکر دروازہ جلانے کے واسطے لکڑیاں اکٹھی کیں تو لوگوں نے امیر کو خبر کی۔ وہ قاصد سے ملا اور خط اُس کے ہاتھ سے لے لیا اور اُسی طرح گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کو روانہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے تنبیہاً اُس کو یہ سزا دی کہ تین دن دھوپ میں کھڑا رکھا اور چوتھے دن اُسے ساتھ لیکر صدقہ کے جانوروں کے مکان کی طرف گئے اور اُسے کہا کہ اِن اونٹوں کو پانی پلا اور جب تک وہ تھک نہ گیا اُسے نہ چھوڑا۔ پھر پوچھا کہ اے ابن فرط۔ اِس کام کو تو نے کتنی مدت تک کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین بہت مدت تک۔ کہنے لگے کہ اِس لیئے تو نے بالاخانہ بنایا ہے کہ مسلمانوں اور یتیموں اور رانڈوں پر اپنی بڑائی ظاہر کرے۔ خبردار پھر ایسا عمل نہ کیجیو۔ اُسے اپنی حکومت پر واپس بھیجدیا[3]۔

اگرچہ حضرت عمرؓ سادگی اور قدیم سادہ اطوار و عادات کے قائم رکھنے کی تاکید کرتے تھے مگر اُسکو ایسے درجہ پر پہنچا ہوا دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے جو لوگوں کی نظروں میں ذلیل اور خوار دکھائی دے۔ یمن کا ایک عامل جب ایک دفعہ اُن کے پاس آیا تو ایک قیمتی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ بالوں میں تیل لگاتے ہوئے اور

---

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست صفحہ ۲۰۷ [2] ازالۃ الخفا باب سیاست

[3] ازالۃ الخفا باب سیاست

کنگھی پھیرے ہوئے تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُس کو اُون کے کپڑے پہنا دیئے جائیں۔ اُن کی حکومت کا جب حال دریافت کیا تو بہت عمدہ معلوم ہوا اور اُسکو واپس بھیجدیا۔ دوسری فوج جب وہ آیا تو اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر گرد و غبار پڑا ہوا تھا۔ کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہمارے عاملوں کو ایسے حال میں بھی نہیں رہنا چاہیئے کہ کپڑے میلے اور پھٹے ہوں اور بال بکھرے ہوئے ہوں۔ کھاؤ اور پیو اور تیل لگاؤ۔ تم جانتے ہو میں کونسی بات کو بُرا جانتا ہوں[۵۱]۔

امیر اور مختلف کاموں کے عامل اپنے اپنے کام کے ذمہ دار اور خود مختار تھے۔ معاذ مذہب کسی کی تابعداری سے آزاد اور خود مختار تھے۔ ایک دفعہ معاویہ اور عبادہ بن صامت کے درمیان کسی امر میں اختلاف اور تکرار ہوگیا۔ معاویہ نے اُس کو سخت سُست کہا۔ عبادہ ناراض ہوئے اور شام سے چلے آئے کہ معاویہ کے ساتھ ایک جگہ کبھی نہ رہیں گے۔ جب مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے اُن کے چلے آنے کی وجہ دریافت کی۔ اُنہوں نے تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو کہا کہ اپنے کام پر واپس چلے جائیں کہ مُلک کو اُن کی ضرورت سب سے زیادہ ہے۔ اور معاویہ کو لکھا کہ عبادہ پر تیری کسی قسم کی حکومت نہیں ہے[۵۲]۔

عاملوں کے صحیح الحواس اور تندرست ہونے کا بھی خیال رکھتے تھے مگر ساتھ ہی اُن کے اوصاف کی قدر کرتے تھے۔ سعید بن عامر جمحی کو شام میں عہدہ دیکر بھیجا۔ کچھ عرصہ بعد سُنا کہ اُسکو مرگی آتی ہے اُسکو واپس بُلا بھیجا جب وہ آیا تو اپنی پُوری سادہ حالت میں تھا۔ ایک پیالہ اور ایک توشدان اُس کا کُل اسباب تھا۔ اُس سے دریافت کیا کہ تیرے بیہوش ہوجانے کی خبر کہاں تک صحیح ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ جب خبیب سُولی پر چڑھایا گیا تھا تو میں حاضر تھا۔ اُس نے قریش کے حق میں بددعا کی جن میں میں بھی تھا۔ جب وہ واقعہ یاد آتا ہے تو ناطاقتی سے بے ہوش ہوجاتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر اُسکو اپنے عہدے پر واپس جانے کو کہا مگر اُس نے اصرار سے انکار کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاف کردیا۔ اور بعض روایات میں اُسکو حمص کا امیر بنا کر بھیجا[۵۳]۔

حضرت عمرؓ کے اچھے عاملوں کا نمونہ جیسے کہ ان کے اکثر عامل تھے عمیر بن سعد انصاری کے حالات سے دیکھا جاسکتا ہے۔ عمیر کو اُنہوں نے حمص کا امیر بنا کر بھیجا جہاں وہ ایک سال تک رہا مگر اس عرصہ میں کوئی خبر نہ آئی تو حضرت عمرؓ نے خط بھیجکر اُسے بُلا بھیجا۔ وہ اپنا توشدان اور پیالہ اور لوٹا اور عصا لیئے ہوئے پاؤں چلتا ہوا مدینہ پہنچا۔ سفر میں چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ مونہہ پر گرد و غبار جما ہوا تھا اور بال بڑھے ہوئے تھے۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے سامنے پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کا حال پوچھا۔ اُس نے کہا کہ یہی حال

---

۵۱ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

۵۲ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

۵۳ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

ہے جس میں آپ دیکھتے ہیں۔ اُس سے پُوچھا کہ تو پیادہ کیوں آیا ہے۔ اگر تیرے پاس اپنی سواری نہ تھی تو کسی سے مانگ لی ہوتی۔ اور مُسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ وہ تجھے سواری دیتے۔ اُس نے جواب دیا کہ نہ مَیں نے کسی سے مانگی اور نہ کسی نے دی۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ بُرے مسلمان ہیں۔ عمیر نے جواب دیا آپ بُرا کیوں کہتے ہیں۔ وہ نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تو نے اپنی حکومت میں کیسے عمل کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ آپکے بتائے ہوئے پر عمل کیا۔ جو کچھ آپ نے لکھا اُسپر بھی عمل کیا۔ شہر میں صالحین لوگوں کو مال جمع کرنے پر مقرر کیا اور محل مناسب پر خرچ کیا۔ اگر اُس میں سے کچھ بچتا تو آپ کے پاس لے آتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تُو تو کچھ نہیں لایا۔ اُس نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُسے پھر امیر بنا کر بھیجنا چاہا مگر اُس نے عذر کیا اور کہا کہ مَیں اس کام کو نہیں کروں گا۔ نہ اَب اور نہ پھر کبھی۔ مَیں نے ایک دن ایک ذمّی نصرانی کو کہا تھا کہ "اللہ تجھے خوار کرے" اور آج تک پچھتاتا ہوں کہ مَیں نے کیوں کہا۔ اگر تو مجھے امیر نہ مقرر کرتا تو مَیں کیوں ایسا لفظ کسی کو کہتا۔ وہ دن بُرا تھا جس روز مَیں تیرے پاس آیا تھا۔ عمیر اجازت لیکر اپنے گھر کوجو قبا میں تھا چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے کچھ دنوں کے بعد حارث کو سَو دینار دیکر عمیر کی طرف بھیجا اور اُسکو کہا کہ یہ دینار لیکر عمیر کے پاس جا۔ اگر تو اُس کو آسودہ پائے تو دینار واپس لے آئیو اور اگر تنگ حال میں پائے تو اُسکو دیدیجو۔ حارث جب عمیر کے گھر پہنچا وہ دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوا اپنے کپڑے صاف کر رہا تھا۔ حارث اُس سے مِلا اور بیٹھکر باتیں کرنے لگا اور بتایا کہ مَیں مدینہ سے آیا ہوں۔ عمیر نے پوچھا کہ تو نے امیر المومنین کو کس حال میں چھوڑا۔ اُس نے جواب دیا اچھے حال میں۔ پھر پوچھا مُسلمانوں کا کیسا حال ہے۔ کہا اچھا ہے۔ غرض حارث وہاں تین دن تک رہا اور دیکھا کہ جَو کی روٹی اُسیقدر اُن کو میسّر آتی ہے جتنی وہ اُس کو کھلا دیتے ہیں اور خود بھوکے رہتے ہیں اور اب تنگ آگئے ہیں۔ حارث نے وہ دینار نکالے۔ اور کہا کہ یہ امیر المومنین نے تمہارے پاس بھیجے ہیں ان کو اپنے کام میں لاؤ اور اپنی گزر کرو۔ عمیر چلّا کر کہنے لگا کہ ان کو لیجا۔ مجھے اِن کی حاجت نہیں ہے۔ مگر اُس کی عورت کے کہنے سے اُس نے لے لیئے اور معاً باہر جاکر مسکین لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ حارث حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس لوٹ آیا اور سب کیفیت بیان کی۔ کچھ عرصہ کے بعد عمیر فوت ہوگیا تو حضرت عمرؓ کو بہت رنج ہوا اور اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو ساتھ لیکر بقیع غرقد کی طرف پاؤں چلتے گئے۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ لوگوں کو مختلف خواہشیں ہونگی۔ مگر مجھ کو یہی خواہش ہے کہ عمیر جیسا شخص مُجھ کو ملتا کہ مسلمانوں کے کام میں اُس سے مدد لیتا۔ اِس قسم کے تھے حضرت عمرؓ کے عامل اور اِس طرح سلوک کرتے تھے اُن سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اُن عاملوں سے بہت خوش ہوتے تھے جو اپنے صوبہ سے مال کم جمع کرکے لاتے تھے کیونکہ جو زیادہ لاتے تھے اُن پر زیادہ ستانی کا شُبہ ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک دفعہ ابوہریرہ جنکو بحرین پر

لہ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

عامل بنا کر بھیجا تھا پانچہزار کی ایک تھیلی لائے تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اتنا مال اور کوئی جمع کر کے نہیں لایا ہے یہ یتیموں اور بیواؤں اور مظلوموں کا مال ہوگا۔ ابوہریرہ نے رنجیدہ ہو کر کہا کہ یہ نہیں ہے۔ آپ تحقیق کر لیں اور خرچ میں دوں گا۔ اسی قسم کے حالات اور واقعات اُن کی نگرانی۔ خبر گیری عمال کے ہیں ؎

کوفہ اور بصرہ کے نو آباد شہروں میں مختلف اقوام و قبائل کے لوگ جمع تھے۔ اُن کا زیادہ وقت بیکاری میں گزرتا تھا اور بیکاری کے مشاغل انتظامی امور میں خلل انداز ہوتے تھے۔ اسی سبب سے حضرت عمرؓ کو کوفہ اور بصرہ کے انتظام اور امیروں اور عہدہ داروں کے تقرر کی طرف خاص توجہ کرنی پڑتی تھی اور بعض خاص واقعات نے بھی ان کے انتظام کو خاص توجہ کے لائق بنا دیا تھا۔ عتبہ کی وفات پر حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو بصرہ کا امیر مقرر کیا تھا۔ ابوبکرہ ایک شخص بصرہ میں مغیرہ کے مکان سے ملے ہوئے مکان میں رہتا تھا۔ مغیرہ کی نسبت اُسکو معلوم ہوا کہ بنی ہلال میں سے ایک بیوہ عورت کو جس کا نام خلہ تھا بغیر نکاح کے اپنے پاس بلاتا ہے۔ ایکدن اُس عورت کو آتی دیکھکر اپنے چند دوستوں کو اپنے گھر بلا لیا اور ایک روزن سے جو مغیرہ کے مکان اور اُسکے گھر کی درمیانی دیوار میں تھا اُن کو مغیرہ کو ایک غیر منکوحہ عورت سے زنا کرتے ہوئے دکھا دیا۔ نماز کے وقت جب مغیرہ امامت کے واسطے کھڑا ہونے لگا تو ابوبکرہ نے کھینچکر پرے کر دیا اور کہا کہ فاسق اور زانی کیواسطے امامت نہیں ہے۔ مغیرہ چُپ رہ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اطلاع ہوئی۔ اُنہوں نے مغیرہ کو مدینہ طلب کیا اور ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ کا امیر مقرر کیا۔ جن الفاظ میں یہ حکم لکھا گیا وہ مختصر تحریروں کا نمونہ ہے کہ "بلغنی امر عظیم وولیت ابوموسیٰ الاشعری عملک وسلم الیہ واقبل الی والسلام" مغیرہ اور ابوبکرہ مع گواہوں کے مدینہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے گواہوں سے پوچھا کہ تمنے مغیرہ کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمنے ایک جامہ میں ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ زنا ثابت نہ ہوا اور تہمت لگانے کی سزا دینی پڑی۔ مغیرہ معزول ہو کر مدینہ میں رہا۔ ابوموسیٰ کی لیاقت سے انتظام میں اور ایسے ہی فتوحات جدید میں بہت کچھ کامیابی ہوئی مگر اعراب کے سازشی عنصر کو بصرہ میں بہت پاکر ابوموسیٰ نے اپنا ہاتھ مضبوط کرنے کے واسطے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند بزرگوں کے وہاں بھیجنے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انس بن مالک اور عمران بن الحصین وغیرہ اصحاب کو وہاں بھیجدیا۔ اسپر بھی ابوموسیٰ الزاموں سے بچ نہ سکے اور حضرت عمرؓ کے سامنے جواب دہی کے واسطے حاضر ہونا پڑا۔ مگر الزام معمولی تھے اور بری ہو کر اپنے کام پر چلے گئے۔ جہاں وہ سوائے ایک سال کے جب وہ کوفہ کی گورنری پر تبدیل کر کے بھیجے گئے تھے حضرت عمرؓ کی خلافت کے وقت تک نہایت کامیابی سے کام کرتے رہے[2] ؎

کوفہ کی حکومت کئی سال تک اُس کے بانی اور عراق عرب اور مدائن کے فاتح سعد کے ماتحت رہی

---

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست [2] اٹلس آف خلافت صفحہ ۲۶۸

لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت کے نویں سال میں اُس کے خلاف بھی شکایتیں پیدا ہونے لگیں۔ غنیمت کے غیر مساوی تقسیم۔ دلیر نہ ہونے اور جنگ میں عاجز ہونے کے اُسپر الزام لگائے گئے۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ سے بھی جو امیروں کے حالات تحقیق کرنے پر متعین تھا کوفہ میں اِن شکایات کی اصلیت کی تحقیق کرائی۔ مگر بے اصل ثابت ہوئیں۔ اِس الزام کا تو سعد پر کوئی اثر نہ ہوا لیکن ایک دوسری شکایت اُس کی نسبت نمازوں میں سستی کرنے کی ایسی پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ اُسکو کبھی معاف کرنیوالے نہ تھے اور سعد کو معزول کر دیا۔ لیکن اُسکی نسبت جو بددیانتی اور عاجزی کا شُبہ تھا اُس کے دُور کرنے کے واسطے سب جگہ لکھ بھیجا کہ اِس قسم کا کوئی الزام اُسکے ذمہ نہیں ہے بلکہ دفع اختلاف کے واسطے اُسکو بُلا لیا گیا ہے[1]۔

سعد کی جگہ عمار بن یاسر کو مقرر کیا لیکن یہ انتخاب بھی کوفہ والوں کو رضامند نکر سکا اور حضرت عمرؓ نے ابوموسےٰ اشعری کو بصرہ سے کوفہ تبدیل کیا۔ لیکن جب اُن کی نسبت بھی شکایتیں پیدا ہوتی دیکھیں تو ایک سال کے بعد بصرہ کو واپس بھیجدیا۔ کوفہ کی گورنری ایک بہت تکلیفدہ مسئلہ ہو گئی اور جابر بن مطعم کو بھیجنے کا ارادہ کر چکے تھے کہ مغیرہ اِس کام کے واسطے زیادہ موزوں معلوم ہوا۔ مغیرہ اپنے اخلاق کے مشتبہ ہونے سے معزولی کی سزا بھی پا چکا تھا۔ اُسکی لیاقت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باقی دہ سالہ خلافت میں کوفہ سے کوئی شکایت انتظامی نہ پیدا ہوئی۔

غرض حضرت عمرؓ عمال اور امیروں کی نگرانی اور خبر گیری کو اپنے ذاتی فرائض کا ایک نہایت اہم حصہ سمجھتے تھے اور نہایت فکر اور توجہ سے اُن کی نگرانی کرتے تھے۔ اُن کے اخلاق کا چونکہ رعایا پر اثر پڑتا تھا اور اُن کے واسطے عوام النّاس کے درمیان ایک عُمدہ نظیر اور نمونہ ہونا ضروری تھا۔ پس اِس قسم کے ادنےٰ اشتباہ پر بھی اُنکو معزول کر دیتے تھے اور اخلاقی قصور میں کسی قسم کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ اُن کے تقرر میں بہت بڑی واقفیت اور مردم شناسی سے کام لیتے تھے۔ عمرو بن العاص مصر میں اور مشرقی صوبوں کے امیر اپنے فرائض امارت کے ساتھ فتوحات کو بھی وسیع کرتے جاتے تھے۔ شرجیل شام کے مشرقی اضلاع پر حاکم تھا اور تمام مُلک میں امن اور آسائش اور عدل و انصاف کا دَور دَورہ تھا۔ سر ولیم میور کا قول ہے کہ "اُن کے کپتانوں اور گورنروں کا تقرر کسی ذاتی تعلق یا لحاظ و اُلفت سے بالکل پاک ہوتا تھا اور مغیرہ اور عمار کے سوائے اُن کے تمام انتخابوں میں اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہوئی۔ کوفہ اور بصرہ کے سازشی شہروں کے امیروں کی تبدیلی میں ایک قسم کی کمزوری خیال کیجاتی ہے گو ایسا بھی ہو لیکن اِس سے قریش اور اعراب کے رقیبانہ اور مخالفانہ دعوے پُورے ضبط اور انسداد میں رکھے گئے اور اُنکی وفات تک کسی نے اسلام میں خلل پیدا کرنے کی جرأت نہ کی"۔

حضرت عمرؓ اگرچہ باقاعدہ وعظ و نصیحت اور پند و موعظت سے اُس ہادیٔ اعظم کا خلیفہ ہونے کا حق ادا

---

[1] ازالۃ الخفا مقصد ثانی

کرتے تھے مگر عملاً اور فعلاً بھی اُن کو مُسلمانوں کی درستی اخلاق کی طرف نہایت توجُّہ رہتی تھی۔ اور کسی جزوی بد اخلاقی کے امر کو بھی روا نہیں رکھتے تھے اور فوراً انسداد اور انتظام کرتے تھے۔ مثلاً ایک رات حضرت عمرؓ مدینہ کے بازاروں میں پھر رہے تھے کہ ناگاہ ایک عورت کی آواز آئی جو یہ شعر پڑھ رہی تھی :-

الا سبیل الی خمر فاشربھا	ام لا سبیل الی نظر بن حجاج
کاش شراب کے مِل جانے کی کوئی صورت ہوتی ۔ یا نظر بن حجاج کے ملنے کی کوئی سبیل ہوتی ؟	

جب صُبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ نظر بن حجاج کون ہے۔ معلوم ہوا بنی سلیم کا ایک خوبصورت جوان شخص ہے۔ اُسکو بُلایا۔ اُس کے بال خوبصورت تھے۔ نائی کو حکم دیا کہ اُنہیں مُونڈ دے مگر دیکھا کہ اُسکی خوبصورتی ویسی ہی ہے۔ تو کچھ خرچ دیکر مدینہ سے باہر بھیجدیا۔ یہ شخص آخر خیانت سے متہم ہوا[1]

جہینا کے ایک شخص کا دستور تھا کہ حاجیوں کے آنے کے زمانہ میں پیشدستی کر کے کجاوے خرید لیتا تھا اور پھر گراں بیچتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا جب اُس نے مفلسی کا اظہار کیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکے قرضخواہوں کو بُلا کر اُس کا مال قرضہ کی نسبت اُن میں تقسیم کر دیا اور اُس کی اس دین فروشی کی نہایت مذمت کی اور ہدایت کی کہ کوئی اس طرح پر دین فروشی اور برگشتگی کا کام نہ کرے[2]

گالیاں دینے اور فحش زبان میں گفتگو کرنے پر بھی سزا دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو طنزاً کہا کہ میرا باپ اور میری ماں زانی نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو بھی کوڑے مارے کہ اس کے سوا الفاظ میں وہ اپنے ماں باپ کی تعریف کر سکتا تھا[3]

بغوی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے روبرو ایک شخص نے دوسرے کو گالی دی تو اُنہوں نے اُسے کچھ نہ کہا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے روبرو ایسا ہوا تو اُنہوں نے سزا دی[4]

زانیوں اور شراب خواروں کے تو سخت دشمن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے تو شراب پینے کی سزا میں چالیس دُرّے لگائے۔ حضرت عمرؓ اسّی دُرّے لگایا کرتے تھے اور کسی کو کسی طرح معاف نہیں کرتے تھے۔ اپنے بیٹے کو اسی جُرم میں سو دُرّے مارے اپنے ایک مُعزّز رشتہ دار کو دُرّے مارے۔ بحرین کے امیر ہدامہ کو دُرّے مارے۔ آزاد ہو یا غلام۔ کوئی سزا سے نہیں بچتا تھا۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "اس جُرم (شراب خواری) میں گورنروں کے معزول ہونے کی بھی کچھ کم مثالیں موجود نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ سزاؤں کے دینے میں

---

[1] ازالۃ الخفا باب گشت صفحہ ۷۸ — [2] ازالۃ الخفا احکام الخلافت والقضا
[3] ازالۃ الخفا حدود — [4] ازالۃ الخفا حدود

نہایت سخت تھے۔ اُنہوں نے بیٹے اور نہایت دلی رفیق کو شرابخواری کے جرم میں دُرّے لگانے کا حکم دینے میں تامل نہیں کیا۔ دمشق میں ایک دفعہ ایسی بداخلاقی ظہور میں آئی کہ ابو عبیدہ کو انصار کی ایک جماعت اور ضرار اور ابو جندل جیسے معروف شخصوں کو طلب کرنا پڑا۔ ابو عبیدہ کو ایسے واقعہ میں قانون کی تعمیل کرنے اور سزا دینے میں تامل ہوا۔ حضرت عمرؓ سے واقعہ عرض کیا اور لکھا کہ چونکہ سب نے اپنے گناہ سے توبہ کی ہے اُن کو معاف کر دیا جائے حضرت عمرؓ نے بڑی ناراضی سے اس کا جواب لکھا اور حکم دیا کہ ایک جماعت مسلمانوں کی اکٹھی کر کے اُن کے سامنے سب کو بلایا جائے اور پھر اُن سے پوچھا جائے کہ آیا شراب کا پینا حرام ہے یا حلال۔ اگر وہ حرام کہیں تو اسّی اسّی دُرّے مارے جاویں اور اگر وہ حلال کہیں تو اُن کے سر اُڑا دیئے جاویں۔ غرض ابو عبیدہ نے اسی طرح کیا۔ اور اسّی اسّی دُرّے سب کو مارے"[1]۔

اِسی خیال سے وہ اُن شاعروں کے جو اشعار میں ہجو یا جھوٹی خوشامد یا عشقیہ مضامین باندھتے تھے ہمیشہ نہایت مخالف رہتے تھے۔

ایک شاعر نے اپنے شعر میں زبرقان کی ہجو کی۔ حضرت عمرؓ کے پاس اُسکی شکایت گزری۔ ثابت ہوا کہ شعر میں ہجو کی گئی ہے۔ شاعر کو قید کر دیا۔ آخر عبدالرحمٰن بن عوف نے اُس کی سفارش کی تو اُس کو اُس سے عہد لیکر چھوڑ دیا کہ آئندہ کسی کی ہجو نہ کرے گا[2]۔

حطیہ شاعر کو قید سے چھوڑا تو اُسے ہدایت کی کہ شعر کہنا چھوڑ دے۔ اُس نے کہا یا امیرالمومنینؓ۔ یہ میرے کُنبہ کا گزارہ ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتا اور سوائے اِس کے میری زبان پر چیونٹیاں چلتی ہیں۔ تو آپ نے کہا کہ اپنے کُنبہ کی پرورش کر مگر مدح مجحفہ سے بچتے رہنا۔ اُس نے کہا کہ مجحفہ کیا ہوتی ہے۔ تو فرمانے لگے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا اور کہنا کہ فلاں شخص فلاں سے اچھا ہے میں اُس کی مدح کرتا ہوں۔ شاعر نے جواب دیا کہ یا امیرالمومنینؓ خدا کی قسم تو مجھ سے اشعر (زیادہ شاعر) ہے[3]۔ ایک شاعر نے ایک دن سوال کیا تو اُسے کچھ دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ خوف خدا سے دیتا ہوں شعر کے واسطے نہیں دیتا[4]۔

اسی طرح عام واقعات میں لوگوں کو بھلی باتوں کی نصیحت کرنے کا حق ادا کرنے سے نہیں چُوکتے تھے کفایت شعاری کو بھی ایسا ہی ضروری سمجھکر لوگوں کو اُس کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک دن عبداللہ بن عمیر حضرت کے پاس آیا اُس کا مطلب وظیفہ لینے کا ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں عبداللہ بن عمیر ہوں اُسکا باپ حنین کے دن شہید ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے غلام یرفہ کو حکم دیا کہ اُسے چھ سو دینار دیئے جاویں عمیر نے چھ سو دینار لینے میں عذر کیا تو ایک چادر اُسپر بڑھا دینے کا حکم دیا۔ عمیر نے دینار اور چادر لیکر اس نئی چادر کو

---

[1] انالس اوف خلافت صفحہ ۲۷۳ — [2] ازالۃ الخفا باب سیاست صفحہ ۲۷۳ و صفحہ ۲۰۸

[3] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمر صفحہ ۱۹۴ — [4] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمر صفحہ ۱۹۶

اوڑھ لیا اور اپنی پُرانی چادر اُتار کر پھینک دی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے کہا کہ یہ غلطی کی بات ہے۔ اپنی اس چادر کو بھی پاس رکھ۔ گھر کے کاروبار میں یہ کام آوے گی اور زینت کے موقعوں پر نئی چادر سے کام لینا۔[1] عوام کے اخلاق کو بھی جزئیات تک نگاہ رکھتے تھے اور ٹوکتے تھے۔ ایک دن ایک سائل رات کے کھانے کا سوال کرتا ہوا آیا۔ حضرت عمرؓ نے غلام سے کہکر اُسے رات کا کھانا دلوادیا۔ اس کے بعد عشا کے پیچھے صدقہ کے اونٹوں کی طرف گئے تو اُس سائل کو وُہی رات کے کھانے کا سوال کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا اِسکو کھانا نہیں دیا گیا۔ غلام نے کہا کہ دیدیا تھا۔ اُس سائل کو پاس بُلا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُس کے پاس روٹیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلہ ہے۔ آپ نے کہا کہ سائل نہیں ہے تاجر ہے اور روٹیاں اُس کی اونٹوں کو کھلادیں۔ گویا اُسکی سوال کرنے کی بدعادت کو کھونا چاہا۔[2]

اسی طرح دین میں ایک نہایت قیمتی نصیحت ایک دفعہ اصلاحِ اخلاق کی کی۔ مغیرہ بن سوید بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ حج میں ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ گئے۔ فجر کی نماز سے فارغ ہوکر اُنہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک مسجد کی طرف دوڑے جارہے ہیں۔ پوچھا کہ اسکا کیا سبب ہے۔ معلوم ہوا کہ ادھر ایک مسجد ہے۔ جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ لوگ اُدھر جارہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پکار کر آواز دی اور کہا اسی طرح تمہارے سے پہلے اہل کتاب ہلاک ہوئے۔ اُنہوں نے اپنے انبیا کے آثار کو معبد بنالیا۔ جس شخص کو جس مسجد میں نماز پیش آئے وہاں پڑھے ورنہ اپنا راستہ لے۔[3]

اعتقادی اُمور میں بعض وقت وہ نہایت حکمت سے کام لیتے تھے۔ مصر میں آبپاشی کا مدار دریائے نیل کی طغیانی پر تھا۔ اور لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک ایک کنواری لڑکی کی بھینٹ دریا کو نہ دیجائے دریا نہیں چڑھتا۔ پس ایک لڑکی کو دُلہن بناکر اور آراستہ کرکے دریا کی بھینٹ دیتے تھے۔ مصر کو جب مسلمانوں نے فتح کرلیا تو قبطیوں نے اپنی پُرانی رسم ادا کرنی چاہی۔ عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ اس معاملے میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے اسکے جواب میں دریائے نیل کے نام ایک خط لکھکر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر تیرا چڑھاؤ تیرے اختیار میں ہے تو ٹھہرا رہ۔ اور اگر خدا قادرِ مطلق کا اختیار ہے تو ہم اُس سے دُعا کرتے ہیں کہ تیرے پانی چڑھیں اور پھیلیں۔ اور لکھا کہ اس خط کو دریا میں پھینک دیا جائے اور بھینٹ دینے سے روکا جائے دریا حسبِ معمول طغیانی پر آگیا اور وہ بداعتقاد لوگوں کا جاتا رہا۔ اور درحقیقت ایسے موقع پر ایسی ہی حکمت عملی سے کام چلتا ہے۔ مسٹر لین مصر کی اس رسم کا ذکر کرتا ہے مگر اُس کا بیان ہے کہ "ایک کنواری لڑکی مورت بناکر اور اُس کو دُلہن کے مانند سجاکر دریا میں پھینکتے تھے۔ بہرحال اسلام کسی ایسے مشرکانہ خیال کی چونکہ اجازت نہیں دیتا

---

[1] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ
[2] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ
[3] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

حضرت عمرؓ نے عمدہ تدبیر سے کام لیا۔ سر ولیم میور بھی مانتے ہیں کہ اس واقعہ سے مسلمانوں کا وہ اعلیٰ وصف ظاہر ہوتا ہے جو ہر امر میں خدا کی قدرت کے یقین کا اُن میں ہے[1]"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کثرت ازدواج اور لونڈی غلام رکھنے کے خیال کی مخالفت کو اسی ضمن میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک جماعت اُن کے پاس آئی اور کنبہ کی کثرت اور مفلسی کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم نے خود ہی اپنے لیئے یہ پیدا کیا ہے۔ تم نے گھروں میں جوروئیں جمع کیں اور اللہ کے مال سے نوکر رکھنے لگے۔ گویا ان مفلس کرنے والے اسباب کو وہ خوب جانتے تھے اور اس کے مخالف تھے۔

حضرت عمرؓ کی ایک عجیب و غریب عادت اور دستور یہ تھا کہ جب لوگوں کو کسی امر کی ممانعت کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو پہلے اپنے اہل و عیال کو جمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں فلاں امر سے لوگوں کو منع کرنا چاہتا ہوں۔ لوگ تمہاری طرف اس طرح سے دیکھیں گے جیسے جانور گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ واللہ تم میں سے کسی کو یہ کام کرتے ہوئے نہ دیکھوں ورنہ سخت عذاب دوں گا۔ غرض گھر سے اصلاح شروع کرتے تھے اور تب عوام کو منع کرتے تھے[2]۔

غرض حضرت عمرؓ کی درستیٔ اخلاق و اطوار کی طرف توجہ صرف انہیں واقعات سے نہیں ظاہر ہوتی بلکہ اور بے شمار واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اپنے اس فرض کو وہ کس قدر سعی اور توجہ سے ادا کرتے تھے۔

خاص و عام واقعات پر بھی نیکی اور نیک روی کی ترغیب دیتے تھے۔ ۱۹ھ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ایک خاص واقعہ ہوا کہ مدینہ کے نزدیک ایک پہاڑی سے جس کا نام لیلا تھا آگ اور دھواں نکلنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے غربا اور مساکین کے درمیان خیرات تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عمرؓ کے سفروں کو بھی ہم اُن کے فرائض کے ضمن میں بیان کر سکتے ہیں۔ اُن کا پہلا سفر ۱۵ھ ہجری میں یروشلیم کی طرف تھا جس کے مسلمانوں کے حوالہ کرنے کے واسطے خود حضرت عمرؓ کے وہاں تشریف لانے کی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ مانع اعتراضوں پر عمل نہ کر کے بلا خوف و تردد فوراً شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جابیا میں پہنچنے پر ابو عبیدہ یزید اور خالد اُن کی آمد کی خبر پا کر استقبال کے واسطے آئے۔ بڑے تزک و احتشام سے خوش نما لباس پہنے ہوئے اور آراستہ کیئے ہوئے گھوڑوں پر سوار یہ سردار اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ اس شان و شوکت کے سامان کو دیکھ کر غصہ سے بھڑک اُٹھے اور جھک کر سنگریزوں کی ایک مٹھی بھر کر اُن کے منہ پر ڈالی اور کہا کہ تم ایسے لباسوں میں مجھ سے ملنے کے واسطے آئے ہو

---

[1] انلس اوف خلافت صفحہ ۲۴۶ [2] ازالۃ الخفا

کیا دو ہی سالوں میں تم اسقدر بدل گئے ہو۔ بخدا اگر دو سو برس کے بعد بھی تم ایسا کرتے تو تم ذلیل کیئے جانے کے لائق ہوتے۔ اُنہوں نے جواب دیا یا امیر المومنینؓ۔ یہ جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ اوپر ہی اوپر ہے۔ اُنہوں نے کپڑوں کو اُتار ڈالا اور دکھایا کہ نیچے اپنا فوجی لباس پہنے ہوئے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کی ناراضی اس عذر سے بھی رفع نہ ہوئی اور فرمایا کہ بس جاؤ اور وہ جابیہ میں اُتر پڑے۔ بطریق یوروشلیم کی سفارت نے جب شرائط صلح طے کرلیں اور عہدنامہ لکھا گیا تو عمرو بن العاص اور شرجیل بھی حصول ملازمت کے واسطے حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ آگے بڑھکر اُن سے جا کر ملے۔ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کی رکاب کو بوسہ دیا اور حضرت عمرؓ نے اُتر کر اُن کو گلے سے لگایا۔ اور سرداروں کو تو حضرت عمرؓ نے اپنے اپنے کام پر رخصت کر دیا اور عمرو بن العاص اور شرجیل کو ساتھ لیکر یوروشلیم کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ سے اُن کے اُن سرداروں نے گھوڑے پر سوار ہونے اور شاید اپنے کپڑوں کو تبدیل کرنے کی درخواست کی۔ اُنہوں نے اس کو منظور کیا اور اُن کے واسطے ایک گھوڑا لایا گیا اور اُن کے اُون کے کپڑے اُتروا کر جس میں چودہ پندرہ پیوند لگے ہوئے تھے اُن کو سفید پوشاک پہنائی گئی۔ شام کا گھوڑا تھا اور وہیں کا سکھلایا ہوا تھا۔ وہ خراماں خراماں چلنے لگا۔ اور اُس کے گھنگروں کی آواز آنے لگی۔ حضرت عمرؓ کو یہ حرکت جس سے سوار کے تکبر کا وسوسہ ہوتا تھا بُری معلوم ہوئی اور کہنے لگے کہ اس جانور کو کیا تکلیف ہے اور کس نے اسکو یہ عجیب حرکت سکھلائی ہے۔ پس اُس گھوڑے سے اُتر پڑے اور پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے۔ یوروشلیم میں پہنچکر بطریق اور عیسائیوں کے ساتھ جو سلوک کیا اُس کا ذکر آیندہ ہوگا۔ جس کام کے واسطے اُنہوں نے یہ سفر اختیار کیا تھا اُس کو بخوبی سرانجام کر کے وہ مدینہ کو لوٹ آئے۔ دوسری دفعہ وہ شام کی بغاوت کے واقعہ سے متردد ہو کر پھر شام کی طرف روانہ ہوئے تھے مگر جابیا میں پہنچکر اُن کو بغاوت کے فرو ہونے کی خبریں ملیں اور وہیں سے مدینہ کو واپس آئے ؛

تیسری دفعہ وہ شام کی وبا کے خوفناک زمانہ میں شام کی طرف روانہ ہوئے تھے مگر اس دفعہ بھی راستہ سے لوٹ آئے ؛

چوتھی دفعہ وہ وبا کے دور ہونے پر مدینہ سے ۱۸ھ ہجری میں اس ارادہ سے روانہ ہوئے کہ تمام ممالک مفتوحہ میں سفر کریں اور رعایا اور عمال کے حال کو بچشم خود دیکھیں۔ شام میں چونکہ اُس بے رحم وبا کے ہاتھوں سے بے اندازہ نقصان ہو گیا تھا اور متوفی مسلمانوں کے ترکوں کی تقسیم اور انتظام کی ایک بڑی دقت درپیش تھی۔ وہ اپنے دردبھرے دل سے پہلے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ قیصر اور کسریٰ کے ملکوں کے مالک ایک اُونٹ پر سوار تھے اور غلام بھی اُسی سواری میں اُن کا شریک اور حصہ دار تھا کہ باری باری سے اُس پر سوار ہوتے تھے۔ ایلیا میں جو عیسائیوں کا ایک شہر راستہ میں تھا پہنچے تو شہر کے لوگ امیر المومنین اور اُس کی آمد کے سامان کو دیکھنے کے واسطے غول کے غول

---

۱ اٹلس اوف خلافت صفحہ ۲۱۸ ۲ ازالۃ الخفا تصوف وسلوک ۱۲

شہر سے نکلے اور حضرت عمرؓ ہی سے جو آگے آگے جا رہے تھے پوچھا کہ حضرت عمرؓ کہاں ہیں۔ انہوں نے جواب دیا "ھو امامکم" کہ وہ تمہارے آگے ہے۔ لوگوں نے سمجھا کہ خلیفہ اعظم سے کہیں پیچھے آ رہے ہیں وہ اور آگے بھاگے ہوئے چلے گئے اور حضرت عمرؓ اکیلے بڑھے ہوئے اسقف ترسا کے گھر میں دوپہر بھر آرام کرنے کے واسطے جا اترے اور پھر وہاں سے روانہ ہو کر جابیا ہو کر شام میں پہنچے۔ تمام شہروں کو جن میں مسلمان اور عامل تھے دورہ کر کے دیکھا انتظام میں جو تغیر و تبدل ضروری معلوم ہوا کیا اور امیروں اور عہدہ داروں کو نصیحتیں اور ہدایتیں کیں۔ جن لوگوں کے ترکوں اور مال و اسباب کی تقسیم کی نسبت تنازعات اور دعوے تھے اُن کو فیصل کیا۔ چونکہ یزید بن ابی سفیان والئی دمشق اور ابو عبیدہؓ "امین الامت" والئی حمص دونوں وفات پا گئے تھے۔ معاویہ کو شام کا امیر مقرر کیا۔ غرض مختلف اُمور کے انتظام اور تمام شہروں کے اندر دورہ کرنے میں چار ماہ تک شام میں رہنا پڑا جس کے بعد وہ مدینہ کی طرف لوٹے اور سرحد شام پر آ کر شام سے جو لوگ اُن کے ہمراہ تھے اُن کو واپس کر دیا۔ اور اُن کی اس اطمینان بخش تصدیق سے کہ جس قدر کام آپ کے کرنے کے تھے آپ سب کر چکے ہیں حضرت عمرؓ مدینہ کو واپس آئے۔ ممالک مشرقی میں ابتک وبا کے پھیلے ہونے اور سفر میں اکثر شب بیداری کرنے سے آپ عراق وغیرہ ممالک میں سفر کرنے کے ارادہ کو پورا نہ کر سکے [1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے جماعت کے ساتھ سفر کرنے کے طریقہ کی کیفیت بھی کچھ کم دلچسپ نہیں ہے۔ اُس میں بھی خاص فرائض اپنے ذمہ لیتے تھے اور اُن کو ادا کرتے تھے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر کوچ کرتے اور کوچ کرنے کے وقت لوگوں کو آواز دیتے کہ اے لوگو! کوچ کا وقت آگیا ہے۔ جو لوگ اُن کے قریب ہوتے اور اُن کی آواز کو سنتے وہ پکار کر دوسرے لوگوں میں کہہ دیتے کہ امیر المومنین آواز دیتے ہیں۔ اُٹھ کھڑے ہو۔ کجاوے باندھو اور کھانے پینے کا سامان درست کر لو۔ پھر دوسری دفعہ حضرت عمرؓ آواز دیتے تو لوگ پکارتے کہ سوار ہو جاؤ امیر المومنینؓ نے دوسری آواز دی ہے۔ جب لوگ اسباب باندھ لیتے تو حضرت عمرؓ اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے اونٹ پر اپنا اسباب لادتے۔ اسباب اُن کا سفر میں دو شلیتے ہوتے تھے جن میں سے ایک میں ستو اور دوسرے میں خشک کھجوریں بھری ہوئی ہوتی تھیں اور سامنے کی طرف ایک پانی کا مشکیزہ اور ایک بڑا پیالہ بندھا ہوا ہوتا تھا جب کہیں اُترتے تو اُسی پیالہ میں ستو گھول کر اپنا چمڑے کا دسترخوان بچھا کر جو شخص اُن کے پاس بیٹھا ہوتا اُسکو شریک کر کے کھاتے تھے۔ جب لوگ کوچ کر جاتے تو اُس پڑاؤ کے مقام پر جہاں لوگ ٹھہرے ہوتے تھے جاتے اور پھر کر دیکھتے کہ اگر کسی کا کچھ اسباب رہ گیا تو اُسے سنبھال لیں۔ اور راستہ میں اسی خیال سے باقی جماعت کے پیچھے پیچھے چلتے تھے کہ اگر کسی کا کچھ اسباب گر جاوے تو اُسے اُٹھا کر لیتے آویں۔ کسی شخص کی سواری کا اونٹ اگر لنگڑا ہو جاتا یا تھکن سے مر جاتا تو اُس کی مدد کرتے اور اُسکو ساتھ لیے ہوئے آہستہ آہستہ

پہونچتے۔ جب اگلے دن کی شام کو آپ منزل پر پہنچتے تو اونٹ کے چاروں طرف لوگوں کی چیزیں لٹکی ہوئی ہوتیں اور جس کسی کا اسباب گم ہوا ہوتا وہ اُن کے پاس دوڑا آتا۔ کوئی کہہ رہا ہے امیر المومنینؓ میرا لوٹا تھا۔ کوئی کہہ رہا ہے میری کمان تھی۔ کوئی اپنے رسّے کی شناخت کر رہا ہے اور کوئی کسی چیز کو پہچان رہا ہے۔ حضرت عمرؓ ہر ایک چیز اُس کو دیدیتے مگر ساتھ ہی نصیحت بھی کرتے کہ کوئی عقلمند آدمی اپنی ضرورت کی چیز کو ایسی غفلت سے کھو نہیں دیتا مَیں کب تک رات کو جاگوں گا اور تمہاری چیزیں دیکھتا رہوں گا۔ آیندہ ہوشیار رہنا۔ غرض سفر میں بھی وہ مسلمانوں کی خدمت کرتے تھے اور اپنے وقت کے کسی لمحہ میں اپنے فرائض کے ادا کرنے سے غافل نہیں رہتے تھے۔

سفر میں لوگوں کے حالات کی بھی تفتیش اور تفحص کرتے تھے اور اُن کے متعلق اپنے انتظامی اور عدالتی فرائض ادا کرتے تھے۔ مثلاً اُن کے سفروں میں اِس قسم کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ ایک دفعہ جب آپ ایک چشمہ پر سے گزرے جو قوم جذام کے قبضہ میں تھا تو وہاں لوگوں نے ذکر کیا کہ ایک شخص کی دو عورتیں ہیں اور وہ دونوں حقیقی بہنیں ایک ماں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس شخص کو بلایا اور کہا کہ ایک ناجائز کام کو تم مسلمان ہو کر کیوں کرتے ہو۔ اُس نے جواب دیا مَیں اسکی ممانعت سے آگاہ نہیں تھا اور چونکہ وہ دونوں اُس کو بہت پیاری تھیں اُن میں سے ایک کو اب علٰحدہ کرنے میں بھی پس و پیش کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے تنبیہ کی اور ایک کو اُس سے علٰحدہ کرا دیا[1]۔ اسیطرح ایک اَور شخص کا حال معلوم ہوا کہ اُس نے ایک اَور شخص کو اپنے ساتھ حصہ دار بنایا ہوا ہے کہ اُس کی عورت ایک دن اُس کے پاس رہے اور دوسرے دن اُس کے حصہ دار کے پاس۔ آپ نے اُس کو بھی بُلایا اور پُوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ مَیں اور ضعیف آدمی ہوں ایک جوان شخص نے مجھ کو کہا تھا کہ تیرے اُونٹ چرا لایا کروں گا اور اُن کی ہر طرح کی نگہبانی کروں گا۔ اپنی عورت میں مجھے اپنے ساتھ حصہ دار بنا لے چنانچہ مَیں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تجھے معلوم نہیں کہ مسلمان کے واسطے ایسا فعل حرام اور قبیح ہے۔ اُس نے کہا مجھے نہیں معلوم تھا اور آیندہ کے لیئے اس سے توبہ کرتا ہوں[2]۔ ایسی ہی عیسائیوں اور غیر اقوام کے ساتھ سلوک اور مروّت کرنے کی روایتیں ہیں جو دوسری جگہ بیان ہوں گی۔

اِس کے بعد بھی حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا کہ تمام ممالک میں ایک بڑا دورہ کریں۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ "اگر مَیں زندہ رہا تو ایک سال تک رعیّت میں پھروں گا کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں میرے سوائے منقطع ہوتی ہیں۔ اُن کے عامل اُن کو میرے پاس نہیں بھیجتے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ مجھ تک پہنچ نہیں سکتے۔ دو مہینہ تک شام میں رہوں گا۔ خدا کی قسم یہ سال بہت اچھا ہوگا[3]۔ مگر اُن کو اپنی خلافت کے تھوڑے

---

[1] فتوح شام واقدی صفحہ ۲۸۴ [2] فتوح شام واقدی صفحہ ۲۸۸
[3]

دنوں میں جو باقی تھے اپنے اِس ارادے کو پورا کرنے کا موقع نہیں ملا ؛

غرض اُن کی اس طرح پر اپنی رعایا اور مسلمانوں کی خبر گیری اور نگرانی کرنے اور اپنے بے شمار فرائض کو ادا کرنے کے حالات کہاں تک بیان کیے جائیں۔ اگر سچ پوچھو تو اُنہوں نے اپنے اِس قول کو جو ایک خطبہ میں فرمایا تھا سچ کر کے دکھا دیا تھا کہ "قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر کوئی اُونٹ فرات کے کناروں پر ضائع ہو جاوے تو مَیں ڈرتا ہوں کہ خدا آلِ خطاب (اپنے سے مراد ہے) سے اُس کا سوال کرے[1]"

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات اور اولاد کی خبر گیری اور خدمت کو جو اُن کا جزو ایمان تھا اپنے ضروری فرائض سے مقدم جانتے تھے۔ بنی ہاشم کی فضیلت کو ہر امر میں ثابت اور قایم رکھتے تھے۔ بنی ہاشم کے ہر ایک شخص کا نکاح اپنے اہتمام اور توجہ سے کرا دیتے تھے اور جن کے پاس نوکر نہ ہوتے اُن کو خدمتگار دیتے[2] اور ازواج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جن کے بڑے وظائف اُن کو کسی شئے کا محتاج نہیں چھوڑتے تھے باقی امور اور ضروریات میں خدمت اور خبر گیری کرتے تھے۔ جب اُنہوں نے حج کرنے کے واسطے جانا چاہا تو حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمان بن عوف کو اُن کے ساتھ خبر گیری اور خدمت کے واسطے روانہ کیا اور تمام قسم کی ضروری ہدایات رستہ اور مقام کرنے کی اُن کو کر دیں[3]۔ ام سلمہ نے ایک دن ایک شخص کی کہ اُن کو تنگ کرتا تھا شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے اُس کو سزا اور تنبیہ کی۔ غرض اپنے اِس فرض کو بھی وہ ایسا ہی ادا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق "صادقؓ" اور "سعادتمند" کہلانے کے مستحق تھے ؛

حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے جس درجہ کی محبت اور پیار کرتے غالباً یہی اُن کی محبت کی حد تھی۔ اُن کی فضیلت اور استحقاق اعلےٰ کو کسی طرح کم نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک دفعہ یمن سے چادریں آئیں اور حضرت عمر نے مہاجرین اور انصار کے درمیان تقسیم کر دیں۔ چادریں بڑی تھیں اور اُن میں سے کوئی حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے لائق نہ تھی تو حضرت عمرؓ نے والئے یمن کی طرف لکھا کہ اُن کے اندازہ کے موافق چادریں بنوا کر بھیجے۔ چنانچہ وہ چادریں آئیں اور امام حسن اور امام حسین علیہم السلام نے پہنیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چادریں اُن پر دیکھکر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ جب تک یہ چادریں ان پر نہ دیکھیں طبیعت کو خوشی نہ ہوئی[4]

امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کو اکثر اپنے پاس آنے کے واسطے کہا کرتے تھے کسی روز نہ دیکھتے تو پوچھتے کہ آج تم کیوں نہیں دکھائی دیئے[5] ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو وہ کہنے لگے

---

[1] ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ [2] ازالۃ الخفا باب گشت
[3] [4] [5]

سے میرے پاس آنے کی اجازت حاصل کرنے کے تم زیادہ مستحق تھے۔ ہماری بزرگی تو خدا کے بعد تمہیں سے ہے۔ اسی طرح ایک دن امام حسنؓ یا امام حسینؓ گئے اور دیکھا کہ عبداللہ اپنے بیٹے کو اُسوقت اندر نہیں بُلایا تو وہ بھی لَوٹ گئے۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا تو آدمی بھیجکر اُن کو بُلایا اور کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے تم کیوں لَوٹ گئے کیا میرے سر کے بال تمہارے ہی اُگائے ہوئے نہیں ہیں[1]؟

ایک دن مال غنیمت تقسیم کرنے لگے تو امام حسنؓ سے شروع کیا اور اُن کو ہزار درہم دیئے۔ پھر امام حسینؓ کو بھی ہزار درہم دیئے۔ جب اُن کے بیٹے عبداللہ کی باری آئی تو پانچسو درہم اُن کو دینے کو کہا۔ اُنہوں نے کہا یا امیرالمومنینؓ میں قوی آدمی ہوں جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار ماری ہے۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ دو لڑکے ہیں جو مدینہ کی گلیوں میں کھیلتے پھرتے تھے اُن کو ہزار ہزار درہم دیا گیا اور مجھ کو پانچسو۔ یہ میرے حق سے کم ہیں۔ حضرت عمرؓ جوش میں آئے اور فرمانے لگے کہ "جا تو بھی اُن کے باپ جیسا باپ۔ اُن کی ماں جیسی ماں اور اُن کے نانا جیسے نانا اور اُن کی نانی جیسی نانی۔ اُن کے چچا جیسے چچا اور اُن کے ماموں جیسا ماموں اور اُن کی خالہ جیسی خالہ لے آ جس کو تُو نہیں لاسکیگا۔ تجھے معلوم نہیں اُن کا باپ علی مرتضیٰؓ۔ اُن کی ماں فاطمۃ الزہراؓ۔ اُن کے نانا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اُن کی نانی خدیجۃ الکبریٰؓ۔ اُن کا چچا جعفرؓ بن ابی طالب طیار۔ اُن کا ماموں ابراہیمؓ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اُن کی خالہ ام کلثوم اور رقیہ رسول اللہ صلعم کی بیٹیاں ہیں[2]۔" عبداللہ یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت عمرؓ اپنی ذات کے ساتھ تو جو سلوک کرتے تھے سو کرتے تھے مگر یہ بھی اُن کا اپنی خلافت کا ایک ممتاز اور مستحکم اصول تھا کہ اپنے متعلقین اور خصوصاً اپنی اولاد کو نہ کسی پر فضیلت دیتے تھے اور نہ امور خلافت اور امارت میں اُن کو دخل دیتے تھے۔

ایک دن اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں چادریں تقسیم کر رہے تھے۔ ایک چادر بچ رہی تو کہنے لگے کہ کوئی ایسا آدمی بتاؤ جس نے خود اور اُس کے باپ نے ہجرت کی ہو۔ یہ چادر اُسکو دوں گا۔ لوگوں نے کہا عبداللہ ابن عمرؓ۔ آپ کہنے لگے کہ نہیں سلیط ابن سلیط ایسا ہے اور وہ چادر اُسکو دیدی۔

عبداللہ ابن عمرؓ وہ شخص تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدائیانہ عشق رکھنے میں مشہور اور اپنے کمال اور علم اور فضل میں معروف اور سربرآوردہ تھے اور قابلیتوں میں کسی سے دوسرے درجہ پر نہ تھے مگر حضرت عمرؓ نے کبھی کوئی کام اُن کے سپرد نہ کیا اور نہ کسی کام میں دخل دینے دیا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ ایک جماعت میں

---

[1] ازالۃ الخفا باب گشت کے ضمن میں
[2] ازالۃ الخفا باب گشت کے ضمن میں
[3] ازالۃ الخفا باب گشت کے ضمن میں ۱۲

عامل مقرر کرتا ہوں تو اُس کو ضعیف سمجھتے ہیں اور اگر سخت آدمی کو بھیجتا ہوں تو اُس کی شکایت کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی شخص جو قوی اور امین ہو اُس کو اُن پر عامل مقرر کردوں۔ ایک شخص نے اُن میں سے کہا کہ میں ایسا قوی بتاتا ہوں جو قوی اور امین ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کون ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ عبد اللہ ابن عمرؓ۔ حضرت عمرؓ یہ سُن کر غُصّہ سے بھڑک اُٹھے اور کہا کہ خدا تجھے ہلاک کرے۔ تُو نے کوئی بھلی بات نہیں کہی۔ میں اُس کو اُن پر اور کہیں بھی عامل نہ مقرر کروں گا۔ تو نادان ہے اِس بات کو نہیں جانتا۔ میرے سامنے سے اُٹھ جا۔ غرض نہایت ناراض ہوئے اور وہ شخص سامنے سے چلا گیا[1]۔

اسی طرح پر جب اپنی وفات سے پہلے اُنہوں نے اپنا جانشین مقرر کرنے کے واسطے مشورہ کیا تو مختلف آدمیوں کا ذکر ہوا تھا۔ ایک شخص کے مونہہ سے عبد اللہ بن عمرؓ کا نام نکل گیا۔ حضرت عمرؓ چلا اُٹھے اور کہا "اُسکت قاتلک اللہ" خدا کی قسم تُو نے یہ بات نہ خدا کے لیئے کہی ہے اور نہ مُسلمانوں کی بھلائی کی کہی ہے[2]"۔

سر ولیم میور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طبیعت کی نسبت ایک آخری اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "سادگی اور فرض کا ادا کرنا اُن کے دوراہ نما اصول تھے اپنے بڑے عُہدے کے فرائض ادا کرنے میں انصاف اور بے غرضی اور بے طرفداری اور کمال مصروفیت کے سبب سے وہ ممتاز تھے اور ذمہ واری اور جواب دہی کا اُن کی طبیعت پر اتنا بوجھ تھا کہ وہ بعض اوقات کہہ اُٹھتے تھے کہ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور کاش میں ایک گھاس کا تنکا ہوتا"۔

اِن حالات پر جو بیان ہوئے ہیں اور اِس قسم کے تمام واقعات پر غور کرنے سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کی بے نظیر کامیابی جس قدر کہ وہ اُن کے اصول خلافت اور حکومت کی شایستگی سے حاصل ہوتی اُسیقدر اُن کے ذاتی فرائض کے ادا کرنے کے عدیم المثال طریقوں میں مخفی تھی۔ فرائض ادا کرنے کا اُن کا عجیب و غریب طریقہ سلطنت کے شایستہ ترین اُصول مُسلمانوں کی یکجہتی اور اتفاق۔ حق شناسی اور اُن کے حقوق کی مساوی تقسیم۔ اُن کے ساتھ بینظیر عدل و انصاف کا برتاؤ۔ رائے اور مشورہ دینے میں اُن کو آزادی۔ اُن کی بے مثل انتظامی لیاقتیں مضبوط ماتحت۔ قوم اور افراد قوم کے حالات کی عام واقفیت غرض اِس قسم کے اُمور تھے جن سے اُن کو اپنی خلافت میں ایسی کامیابی ہوئی جس کی کہ نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وہ قول جو اُنہوں نے زمامِ خلافت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے دن منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا کہ "قومِ عرب چھدے ہوئے ناک والے اُونٹوں کی قطار کے مانند ہے جن کی نکیل میرے

---

[1] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک [2] طبری صفحہ ۵۱۵

ہاتھ میں دی ہے۔ میں اُن کو سیدھے راستہ پر چلانے والا ہوں اور اسپر خدا سے مدد مانگتا ہوں[۵۱]" اور وفات کے وقت فرمایا کہ "تمہارے درمیان میں اُونٹوں کی قطار کی روش چھوڑ چلا ہوں کہ خبردار کوئی قوم ٹیڑھی نہ ہو جائے ورنہ وہ روش ٹیڑھی ہو جاویگی[۵۲]" ایسا قول تھا کہ عرب پر حکومت کرنے کے واسطے اس سے زیادہ سچی ہدایت مشکل سے کسی قول میں مل سکتی تھی۔ اور عرب کے ہر ایک بادشاہ کے واسطے یہ پُر معنی قول اور اُس کے قائل کے اصولِ عمل کیساں راہنما ہو سکتے تھے۔ اُنہوں نے جو اصول اپنے اس خیال کے مطابق اختیار کیئے تھے وہ اُنکی غایت درجہ کی احتیاط اور ہوشیاری ظاہر کرتے تھے۔ مثلاً اسی خیال کے مطابق وہ شام میں جہاں قریش اور اصحاب رسول اللہ بہت زیادہ تھے عموماً قریش اور شرفا میں سے عامل اور امیر مقرر کرتے تھے۔ اور مشرقی صوبوں میں چونکہ اعراب قبائل اعراب کثرت سے تھے اُنہیں میں سے لائق سردار اور عہدہ دار مقرر کرتے تھے کسی شخص کی نسبت اختلاف یا شکایات ہونے پر اُسکو احتیاطاً واپس بُلا لیتے تھے اور بایں ہمہ جیسا کہ سر ولیم میور نے لکھا ہے قبائل عرب میں جابجا اُن کے جاسوس پھرتے تھے اور اُن کے حالات اور خیالات سے حضرت عمرؓ کو مطلع کرتے رہتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ قلعہ صفین میں جو جزیرہ میں واقع تھا بنی تمر اور بنی تغلب محصور تھے اور بنی بکر نے مسلمانوں کی طرف سے محاصرہ کر رکھا تھا۔ بنی بکر کے حملہ سے محصورین قلعہ سے بھاگ نکلے اور راستہ نہ پاکر دریا میں کُود کر غرق ہونے تک پہنچ گئے اور چلّائے کہ "ہائے ہم ڈوبے۔ بنی بکر نے جواب دیا کہ "ہاں جلانے کے بدلہ میں ڈوبتے ہو" یہ اشارہ جاہلیت کے ایک واقعہ کی طرف تھا جس میں بنی تغلب کے کچھ آدمی زندہ جلا دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے جاسوسوں نے اُن کو خبر کی اور اُنہوں نے بنی بکر سے اس قصور کا جواب طلب کیا کہ مسلمان ہو کر جاہلیت کے حالات اور واقعات کو کیوں زندہ کرتے ہیں۔ مگر وہ اس قول کو دین اسلام کے مقاصد کے موافق بیان کر کے بچ گئے[۵۳]

کُوفہ کے عامل کو آپ لکھا کرتے تھے کہ اگر قبائل اعراب جھگڑا اور فساد کریں تو اُن کو تلوار سے مارنا چاہیئے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں کیونکہ یہ شیطان کی شرارت ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ مضبوط و قوی اصول اور قول اگر اُن کے جانشینوں کو یاد رہا ہوتا تو وہ مصیبتیں بہت کم پیدا ہوتیں جو آخر پیدا ہو گئیں۔

افراد قوم اور قبائل سے اُن کی عام واقفیت بھی ضرب المثل تھی۔ مثلاً ایک دن عدی بن حاتم حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا ہوں کہ آپ مجھے پہچانتے ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں تجھے کیونکر نہ پہچانوں کہ سب سے پہلا صدقہ جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تھے وہ تمہارے قبیلہ کا تھا میں تجھے خوب پہچانتا ہوں۔ جب اَوروں نے کُفر کیا تھا تو تُو صادق الایمان رہا تھا۔ جب اَور رُوگردان ہو گئے تھے تو تم نے مونہہ نہیں پھیرا تھا۔ جب اَوروں نے غدر کی تھی تو تمنے وفا کی تھی[۵۴]

---

۵۱ ازالۃ الخفا باب سیاست و کلمات ۵۲ انلس آف خلافت حاشیہ صفحہ ۱۲۹

۵۳ ازالۃ الخفا کلمات حضرت عمرؓ

کی کامیابی کے تھے۔ اُن سب کا شمار کرنا مشکل ہے کیونکہ درحقیقت ایک واقعہ ایک خاص وسیلہ اور اُصول کی مثال ہے۔ لیکن اس باب کے خاتمہ پر ہم ایک عالم کے اقوال سے جو اُس نے ابتدائی خلافت کی نسبت تحریر کیے ہیں وہ حصہ لکھینگے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے متعلق ہے اور جس میں اُن کی خلافت کی کامیابی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "لیکن حضرت عمرؓ کی حکومت کے ساتھ جو ایک حقیقی بزرگ شخص (گریٹ مین) تھے محکوم اور مفتوح رعایا کی وہ بیخوابانہ خبرگیری اور نگرانی شروع ہوئی جس کے سبب سے اسلامی ابتدائی گورنمنٹ ممتاز اور مخصوص ہے۔ ابتدائی خلفاء کے ماتحت مسلمانوں کی جو پولیٹکل حالت تھی اُسپر غور کرنے سے ایک ایسی جمہوری سلطنت دکھائی دیتی ہے جسپر ایک انتخابی سردار محدود اختیارات کے ساتھ حکومت کر رہا ہے۔ امیر وقت کے اعلیٰ اختیارات انتظامی امور مثلاً پولیس کی ترتیب۔ لشکر کے اہتمام۔ امور خارجہ کی انجام دہی اور مال و اموال کی تقسیم اور خرچ وغیرہ تک محدود تھے۔ لیکن وہ قانون مسلمہ کے خلاف کسی صورت میں عمل نہیں کر سکتا تھا....."

"حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک واقعہ ہوا جس سے اسلام میں تمام آدمیوں کی کامل آزادی کی کیفیت ٹھیک طور پر معلوم ہوتی ہے (اس مقام پر جبالہ کا واقعہ مفصل بیان کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ اور اسکا فیصلہ ابو عبیدہ بن جراح کو لکھا گیا) ابو عبیدہ نے وہ نامہ اپنے لشکر کے روبرو پڑھا۔ اس قسم کی تحریریں اور اعلان ابتدائی خلافت کے زمانہ میں عام معلوم ہوتی ہیں۔ کوئی شخص شہر میں یا لشکر میں امور ملک سے ناواقف نہیں رہتا تھا۔ ہر ایک جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد امیر المومنین جماعت کے روبرو اہم تقررات اور ہفتہ بھر کے واقعات بیان کر دیتے تھے۔ عمال اپنے صوبوں میں اُن نظیروں اور مثالوں کی پیروی کرتے تھے۔ کوئی شخص عوام الناس کی اِن جماعتوں سے خارج نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں جمہوری سلطنت کی بہترین صورت رائج تھی۔ امیر المومنینؓ کے گرد کوئی الوہیت اور ربانیت کی باڑ نہیں لگی ہوئی تھی وہ ملک کے انتظام کی نسبت اپنی رعایا کے سامنے ذمہ دار اور جوابدہ تھا۔ ابتدائی خلفاء کی اپنی رعیت کی خیر خواہی اور خبر گیری میں کامل اور شدید مصروفیت اور اُن کی زندگیوں کی انتہا درجہ کی اور سخت سادگی اپنے آقا کی مثال کی کامل درجہ کی پیروی سے تھی۔ وہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح مسجد میں نماز گزارتے اور وعظ کرتے تھے۔ اُن کے گھروں میں غریب اور مظلوم بلا روک ٹوک داخل ہوتے تھے اور کم سے کم درجہ کے آدمی بھی اُن سے اپنے حالات بیان کرنے سے محروم نہیں ہوتے تھے۔ بغیر پہرہ اور دربانوں کے۔ بغیر شان اور جلو کے وہ اپنی خصائل اور خصوصیات کی قوت سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب فتح یوروشلیم کے وقت شام کو سفر کیا تو صرف ایک غلام اُن کی ہمراہی میں تھا..... قدرتی طور پر ایک نئی سلطنت کو جو بزور شمشیر حاصل کی گئی ہو دفعتاً مفتوحہ رعایا کے دلوں میں گھر کر لینا مشکل ہے لیکن ابتدائی مسلمانوں نے مفتوحہ اقوام کو اپنی نسبت انتہا درجہ کا اعتبار اور اعتماد اور باہمی تعلق اور اُلفت پیدا کرنے کے اسباب مہیا کر دیئے تھے۔ ابو عبیدہ جیسے نرم دل اور معتدل طبیعت کے شخصوں کی سرداری میں جو خالد جیسے سپاہیوں کی تندی اور شدت کو روکے رکھتے تھے اُنہوں نے اپنی رعایا کو پورے درجے کے ملکی حقوق دیئے اور اُنکی حفاظت کی

اُنہوں نے تمام اقوام مفتوحہ کو پوری مذہبی آزادی بخشی۔ اُن کے اطوار اور برتاؤ اس زمانہ کی مہذب گورنمنٹوں کے واسطے ملکی اور مذہبی آزادی کے امور میں قابل تقلید نظیریں اور امثال ہو سکتے ہیں ..... وہ کسی خیر ملکی آئین یا رفاہ عام کے کام میں جو ممالک مفتوحہ میں موجود تھے اور جن سے اُن کے مذہب میں کوئی خلل نہیں پیدا ہوتا تھا دخل دینے سے باز رہنے کی عقل اور دانشمندی رکھتے تھے"۔

"حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے جو رعایا کی زراعتی سرسبزی اور دولت کی ترقی کی تدبیریں کیں اُن سے اُن کا اپنی رعایا کی بہتری اور بہبودی کا ہر وقت کا فکر اور اندیشہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ محصول اراضی ایک مساوی اور یکساں رہنے والے اور معتدل اُصولوں پر مقرر کیا گیا تھا سلطنت کے ہر ایک حصہ میں نہریں اور ندیاں بنانے کا حکم دیا گیا۔ جاگیرداری اور زمینداری کی خدمت لینے کے جس بار نے کاشتکاران اراضی کو برباد کر دیا تھا اُٹھا دیئے گئے تھے اور کسان اور کاشتکار صدیوں کی غلامی کی قید سے آزاد کر دیئے گئے تھے۔

ایک قاتل کے ہاتھوں سے اِن نامور شخص کی موت گورنمنٹ کے واسطے
بلاشبہ ایک سخت صدمہ تھا۔ اُن کی طبیعت سخت مگر
منصف۔ اُن کے علمی عام فہم اور آدمیوں کی
واقفیت اور علم نے نہایت اعلےٰ درجہ پر
اُن کو بنی اُمیہ کے حریصانہ ارادوں
کو روکے رکھنے اور دبا دینے
کے لائق بنا دیا
تھا"۔

ساتواں باب

قرآن - حدیث - فقہ

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نہایت صحیح ہے کہ "آج جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احسان اُسکی گردن پر ہے" دراصل جامع قرآن ہونے اور قرآن مجید کے جمع کرنے کا سبب ہونے کا فخر حضرت عمرؓ ہی کو حاصل ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں آیات قرآن جو نازل ہوتی تھیں وہ اسی طرح جُدا جُدا چمڑوں یا اُونٹ کی ہڈیوں یا کھجور کی چھال پر لکھ لیجاتی تھیں۔ اور وہ لکھی ہوئی آیتیں نہایت حفاظت کے ساتھ صحابہ کے پاس محفوظ رہتی تھیں۔ اور آیتوں کی ترتیب سورتوں میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوجاتی تھی اور تمام ترتیب پائی ہوئی سُورتیں صحابہ کے پاس رہتی تھیں اور صحابہؓ اُن کو یاد کر لیتے تھے اور تلاوت قرآن مجید کرتے تھے اور بہت سے صحابہ حافظِ قرآن مجید تھے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور قرآن مجید اُسی طرح جُدا جُدا آیتوں اور سُورتوں میں لکھا ہوا اور حفاظ قرآن کی سپردگی میں رہ گیا ؛

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ میں یمامہ کی لڑائی میں بہت سے اصحابِ رسول اللہ شہید ہوئے جن میں حافظان قرآن میں سے ستّر سے کم نہ تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس واقعہ سے قرآن مجید کی نسبت خوف ہوا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اُنہوں نے قرآن مجید کو یکجا جمع کرنے کی رائے دی۔ پُورا واقعہ اسکا ایک معتبر حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ زید بن ثابت (کاتب الوحی) بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو حضرت ابوبکرؓ نے قتل یمامہ کے زمانہ میں بُلا بھیجا عمرؓ بن خطاب بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ عمرؓ مجھ سے کہتے ہیں کہ یمامہ کے دن قرآن کے قاری کثرت سے قتل ہوگئے ہیں اور مَیں ڈرتا ہوں کہ اگر اَور موقعوں میں بھی قاری کثرت سے مقتول ہوں تو قرآن بہت سا جاتا رہیگا اور میری یہ رائے ہے کہ تم قرآن کے جمع کرنے کا حکم دو۔ مَیں نے عمرؓ سے کہا کہ تم وہ کام کیونکر کروگے جسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے کہا خدا کی قسم یہ عمدہ بات ہے۔ عمرؓ اسی طرح مجھ سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ اس کے لئے کھول دیا [illegible]

زید کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے کہا کہ تم جوان عاقل آدمی ہو۔ تمہیں ہم بدگمانی نہیں کر سکتے اور تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ پس قرآن کی جستجو کر کے اُسکو جمع کرو۔ سو خدا کی قسم اگر کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کو کہتے تو مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا کہ قرآن کے جمع کرنے کا حکم گراں معلوم ہوا۔ الخ (بخاری) ؛

غرض زید بن ثابت نے انتہا درجہ کی سعی اور کوشش سے تحریری آیتوں اور حافظوں سے قرآن مجید کو جمع کیا اور اس بات کی کمال درجہ تک تحقیق ہو گئی کہ قرآن مجید میں سے کچھ نہیں رہا جو جمع نہ کیا گیا ہو۔ خود خدائے پاک ہی نے اُس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ یہ جمع ہُوا ہُوا قرآن حضرت ابوبکرؓ کے پاس اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔ اس بات کا بیان کرنا کہ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کی تدبیر سے کس درجہ کی دانشمندی اور احسان کا کام کیا ہے کسی مُسلمان کی قدرت سے خارج ہے ؛

اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ حفاظِ قرآن سے قرآن مجید سُنتے تھے اور اُن کے درست پڑھنے کی طرف سے اپنا اطمینان کرتے تھے اور لوگوں کو کہتے تھے کہ سوائے کسی عُمدہ حافظ اور قاری کے کسی سے قرآن اخذ نہ کریں اور نماز فجر میں خود بہت لمبی قرأت پڑھتے تھے کہ لوگ قرآن سے واقف ہوں قرآن کی تفسیر میں بھی اُن کو پُوری مہارت تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے تفسیر فرماتے تھے۔ جو لوگ قرآن مجید کے احکام کی تاویلیں کرتے تھے یا اور کسی قسم کی نالائق حرکت کرتے تھے اُن کو ایسی سزا دیتے تھے کہ دوسری دفعہ اُن کو ویسی حرکت نہیں کرنے دیتی تھی۔ اِس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن کو ہم بیان نہ کریں گے ؛

احادیث کی نسبت حضرت عمرؓ کا ایک ممتاز اصول جو دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ حدیثوں کی کثرتِ روایت کو روکتے تھے۔ خود اُن سے پچاس سے زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں ہے۔ جبکہ دوسرے صحابہؓ مثلاً ابوہریرہؓ سے ۵۳۴۶ حدیثیں۔ انس سے ۲۲۸۶۔ عبداللہ بن عباس سے ۲۶۶۰۔ جابر سے ۲۵۴۰۔ اور عبداللہ بن عمرؓ سے ۲۶۳۰۔ اور دوسرے صحابہ سے بھی ایسی ہی کثرت سے حدیثیں مروی ہیں۔ اور حضرت عمرؓ سے ایسی قلیل۔ تو اس کی وجہ یہ تو نہیں ہو سکتی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کم واقف تھے کیونکہ اُن سے بڑھکر آں حضرتؐ کے اقوال و افعال کو کوئی کم جانتا تھا بلکہ اس کی وجہ صاف یہ ہے کہ احادیث کی کثرت روایت کے وہ مخالف تھے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اِس خیال کی حکمت سے ناواقف نہیں تھے کیونکہ اُن سے صرف سترہ حدیثیں مروی ہیں اور وہ بھی نہیں معلوم کس ضرورت سے روایت پا گئیں۔ حضرت عمرؓ کی روایت حدیث کی مخالفت صرف اُن کی قلت رائے ہی سے ظاہر نہیں ہوتی بلکہ وہ علانیہ طور پر اس کی ممانعت کرتے تھے۔ اور دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے تھے۔ صحابہؓ کو ہمیشہ

حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں۔[1] اسی طرح ایک دفعہ انصار کے ایک گروہ کو لوگوں کو بھیجا۔ فرط بیان کرتے ہیں کہ میں بھی اُن کے ساتھ تھا۔ چاہ ضرار تک جو مکہ کے راستہ میں ہے ساتھ آئے۔ وہاں اپنے پاؤں کا غبار جھاڑنے لگے اور کہنے لگے تم کوفہ جاؤ گے جہاں ایسے لوگوں سے ملو گے جو بڑے شوق سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ وہ تمہاری آمد سُن کر مشتاق ہوں گے کہ رسُول اللہ کے اصحاب آئے۔ لیکن جب تم سے حدیثیں سُننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا۔[2]

اسی طرح عراق کو صحابہ جانیلگے تو حضرت عمرؓ نے خود اُن کی مشایعت کی اور اُن سے پوچھا کہ جانتے ہو مَیں کیوں تمہارے ساتھ آرہا ہوں۔ لوگوں نے کہا "تکرمۃً علینا" یعنی ہماری عزت افزائی کے لیئے۔ فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے۔ وہ یہ کہ جہاں جارہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ اُن کو حدیثوں میں نہ پھنسالینا اور رسُول اللہ سے کم روایت کرنا۔ چنانچہ جب یہ لوگ قرظ پہنچے تو لوگ یہ سُن کر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی۔ اِن لوگوں نے اِس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے۔[3] حضرت ابوہریرہؓ سے ابوسلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ بولے کہ نہیں۔ ورنہ عمرؓ دُرّہ مارتے۔[4]

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت تک تو احادیث کی اشاعت کا یہی حال رہا۔ مگر اُن کے بعد یہ پُر مصلحت قید اُٹھ گئی اور احادیث کے ساتھ جو سلوک ہُوا سو ہُوا۔ بے شمار و بے حساب حدیثیں وضع کی گئیں اور مفسد اور فتنہ پرداز لوگوں اور اہل بدعت کو احادیث کی آڑ میں شکار کھیلنے کا موقع مِل گیا۔ خلافت اور سلطنت کے جھگڑوں میں وضع احادیث کی گنجائش اُن کو ایک ایسا معاون ملا کہ آدھی فکر وہ فوج اور لشکر کے تیار کرنے کے واسطے کرتے تھے اور آدھی وضعی احادیث کے شائع کرنے میں۔ غرض اِس قدر وضعی اور غلط اور جھوٹی حدیثیں پیدا ہوکر صحیح احادیث کے ساتھ شائع ہوگئیں کہ اگر کوئی صحیح احادیث کو وضعی اور غلط احادیث سے علٰحدہ کر لینے کی قدرت رکھتا اور علٰحدہ کر کے دیکھتا تو صحیح اور غلط میں وُہی نسبت معلوم کرتا جو ایک اور ننانوے میں ہے۔ کثرت احادیث نے مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور تفرقہ کے ایسے اسباب پیدا کر دیئے جو کسی دوسرے سبب سے کم پیدا ہوتے ہوں گے اور پھر ایسے کہ اُن کا اُٹھا دینا انسانی قدرت سے خارج ہے۔ اگر حضرت عمرؓ کے اُس خیال کی جو نہایت دُور اندیشی اور عاقبت اندیشی پر مبنی تھا پابندی کیجاتی اور صرف ایسی ضروری احادیث جو تشریعی احکام کی نسبت بیان کرنی ضروری ہوتیں بیان کیجاتیں اور بلا خیال ضرورت یا عدم ضرورت کے احادیث کی روایت کے دریا نہ بہادیئے جاتے اور اسلامی دنیا ایسے شرمناک وسائل کے استعمال کرنے کی بدنامی نہ لیتی جیسی کہ وضعی

---

[1] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۸ [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۱

[3] و [4] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۴۹

احادیث کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بنانے کی کی تو مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور تفرقہ کے بہت کم اسباب پیدا ہوئے ہوتے ؛

قرآن اور حدیث کے بعد حضرت عمرؓ کی فقہ کا ذکر آتا ہے اور بلاشبہ فقہ میں اُن کا رتبہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسی قول کا مصداق ہے کہ "علے الاطلاق اُمت سے وہ بہت افقہ ہیں" ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ صحابہ جو کچھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھتے تھے اُسی سے سیکھ لیتے تھے۔ نہ ارکان و آداب سے سوال کرتے تھے اور نہ فرض و واجب کی تفصیل و تدقیق کرتے تھے۔ کسی غیر ضروری اور غیر موجود شے سے سوال نہیں کرتے تھے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ "میں نے اصحاب رسول اللہ سے بہتر کسی قوم کو نہیں دیکھا کہ رسول اللہ کی تمام زندگی میں تیرہ ۱۳ مسئلے پوچھے اور وہ سب قرآن میں موجود ہیں"۔ ابن عمرؓ کا قول تھا کہ جو چیزیں نہ ہوں اُن کا سوال نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ عمرؓ بن خطاب کو میں نے اُس پر لعنت کرتے سُنا ہے جو ایسی چیز کو پوچھے جو موجود نہو[1]" لیکن اصل یہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کی ضروریات کم پیدا ہوئیں۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اس کثرت سے نئے واقعات اور معاملات پیش آئے کہ اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ اسی ضرورت نے صحابہ کو مجتہد اور فقیہہ بھی کہلایا۔ مجتہدین صحابہ میں چار بزرگ بہت بڑے پایہ کے تھے۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ عبداللہ بن مسعود۔ اور عبداللہ بن عباس[2]۔ عمرو بن میمون کا قول ہے کہ علم کے دو ثلث حضرت عمرؓ لے گئے۔ یہ قول ابراہیم نخعی نے سُنا تو کہنے لگے کہ عمرؓ تو دسویں لے گئے اُن کی فقہ کو باقی اصحاب کی فقہ سے وہ نسبت ہے جو اُن کے مصحف کو اَوروں کے مصحف سے ہے ؛

ابن مسعود کا قول تھا کہ اگر حضرت عمرؓ کا علم ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور زمین کے زندہ لوگوں کو ایک پلہ میں تو حضرت عمرؓ کے علم کا پلہ بھاری ہوگا۔ حذیفہ کا قول تھا۔ کہ گویا لوگوں کا علم کوٹ کوٹ کر حضرت عمرؓ کی گود میں بھر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا کہ میں نے کسی کو اللہ کے کام میں حضرت عمرؓ کے سوا لوگوں کی ملامت سے بے خوف نہ پایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہا کرتی تھیں کہ تیزیٔ فہم میں عمرؓ یکتا تھا۔ ابن مسعود کا قول ہے کہ جب صالحین کا ذکر ہو تو حضرت عمرؓ کا ضرور ذکر کرنا چاہیئے کیونکہ وہ کتاب اللہ کو ہم سے اچھا جانتے تھے اور خدا کے دین کو اچھی طرح سمجھتے تھے[3]۔ شعبی کا قول ہے کہ قضا اصحاب رسول اللہ صلعم میں سے چھ آدمیوں میں تھی تین مدینہ میں اور تین کوفہ میں۔ مدینہ میں عمرؓ اور اُبی بن کعب اور زید بن ثابت۔ اور کوفہ میں علیؓ

---

[1] انصاف فی بیان سبب الاختلاف مؤلفہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

[2] سیرۃ النعمان صفحہ ۱۹۰ [3] سیوطی

علی بن ابی طالب - عبداللہ بن مسعود - اُبَی بن کعب - معاذ بن جبل - زید بن ثابت - ابو موسیٰ اشعری[1] ؓ

غرض حضرت عمرؓ مسائل فقہی کے اجتہاد اور استنباط میں باوجود احتیاط کے بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اُنکے مسائل اور اجتہاد کو عبداللہ بن عباس اور زید کے ساتھ جو ایک دوسرے سے اقتباس کرتے تھے مدینہ میں ہونے کے سبب سے زیادہ شہرت اور اشاعت حاصل ہوئی - حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعود اور ابو موسیٰ کے اجتہاد کی کوفہ میں رہنے کے سبب سے جہاں علما سے سپاہی زیادہ تھے اس قدر اشاعت نہیں ہوئی - عبداللہ بن مسعود مسائل اور احکام میں حضرت عمرؓ سے موافقت رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر اَور لوگ ایک طرف جاویں اور عمرؓ دوسری طرف تو میں اُن کی طرف جاؤں گا - زید بن ثابت بھی حضرت عمرؓ کے متبع تھے[2] ؓ

فقہ کی دونوں حیثیتوں میں مسائل شریعت اور احکام تشریعی کی تخریج اور احکام قانونی کے واسطے حضرت عمرؓ کا علم اور قابلیت نہایت ہی شایان اور اعلیٰ درجہ کا تھا - حضرت عمرؓ نے مسائل تشریعی اور غیر تشریعی کے کے لحاظ سے بعض مسائل میں خاص اجتہاد کیا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کے منشاء کو سب سے بہتر جاننے کے باعث بعض اوقات کوئی ضروری تغیر کیا - متعۃ الحج اور متعۃ النکاح کو منع اور حرام کیا - امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد ہو چکی ہو اُن کے بیچنے کا رواج بالکل روک دیا - یہ احکام درحقیقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منشاء مبارک کے مطابق تھے ؓ

اسی طرح بعض مسائل میں خاص ضرورتوں اور فوائد کے لحاظ سے اجتہاد کیا - نماز تراویح کو جماعت میں پڑھنے کا حکم دیا - اور حکم دیا کہ تین طلاق طلاق بائن سمجھی جائینگی - مے نوشی کی سزا اسّی درّہ مارنے تک بڑھا دی - جزیہ کی شرحیں مختلف مقرر کیں - یہ مسائل تشریعی تھے - اور تشریعی اور غیر تشریعی کا فرق اُن سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا تھا - اِن چند مسائل کا جو ہمنے ذکر کیا ہے اُن کی ضروریات اور فوائد متحقق تھے اور کوئی نقص اُن کے رواج دینے سے عائد نہیں ہوتا تھا - ہم بحث اور ثبوت کی طرف ہرگز متوجہ ہونا نہیں چاہتے اور نہ اس سے زیادہ مسائل مذہبی میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں - حضرت عمرؓ کی فقہ اور اجتہاد مختلف مسائل اور احکام کی نسبت کتابوں میں منضبط موجود ہیں اور اُن کی نسبت بحثیں بھی موجود ہیں - اہل ضرورت اُن کی طرف توجہ کر سکتا ہے - ہم تو صرف اسقدر دکھانا چاہتے تھے کہ جو ضروریات حضرت عمرؓ کو خلیفۃ الرسول اللہ ہونے کی صورت میں پیش آئیں اُن کے پورا کرنے کے واسطے وہ ہر ایک پہلو سے کس درجہ قابلیت رکھتے تھے ؓ

---

[1] و [2] ازالۃ الخفا

آٹھواں باب

اقوام اور مذہب غیر کے ساتھ سلوک۔ جزیہ اور کُتب خانۂ سکندریہ

جیسے کہ اسلام بنی نوع انسان کے واسطے رحمت تھا اسی طرح خلافت اسلامی کے اصول دنیا کیواسطے رحمت تھے۔ اِس قول کو ہم اِس باب میں ثابت کرینگے ؛

یوں تو ہر ایک سلطنت کی رعایا کو سلطنت موجودہ کے ساتھ جبریہ یا رضامندانہ ایک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے اور کسی غیر قوم کے ساتھ وہ صرف اُس کے غیر قوم ہونے کی وحشت اور نفرت کے سبب سے مقابلہ کرتی ہے اور اُسکی مدافعت کی کوشش کرتی ہے۔ اسیطرح کسریٰ اور قیصر کی رعایا نے اپنے بادشاہوں کے حکم سے اور اپنی جان و مال کے خوف سے عربوں کی جہالت اور وحشیانہ خصائل کے خیال سے جو اُن کے درمیان مشہور تھیں کم و بیش جنگ کی اور اُن کو اپنے مُلک میں دخل دینے کے مزاحم ہوئے۔ گو وہ نہ جانتے تھے کہ درحقیقت وہ اُس خدا کی رحمت کا مقابلہ کر رہے ہیں جو اُن کو ظلم و تعدّی سے نجات دینے کے واسطے خود خدا ہی نے بھیجی ہے۔ اپنے قدیم مذہبوں کو چھوڑ کر وہ اسلام کو نہیں قبول کرتے تھے اور جب تک اُن کو اپنی اپنی سلطنت کی قوّت اور طاقت پر بھروسا تھا وہ جزیہ نہیں قبول کرتے تھے اور تیسری شرط یعنی تلوار اُٹھانے کو اپنی بہادری اور شجاعت کے بھروسہ پر ترجیح دیتے تھے۔ مگر جب وہ اپنی سلطنتوں کی طرف سے مایوس ہوئے تو جزیہ پر وہ مُسلمانوں کی اطاعت قبول کرتے گئے۔ اگر ایک حصّہ فتوحات اسلامی کا بزور شمشیر حاصل ہوا ہے تو تین حصّے صُلح اور جزیہ کے ساتھ حاصل ہوئے ہیں ؛

ایرانیوں اور اہل روما کی سلطنت میں محکوم اور مفتوح اور اُن کی مطیع اور زیر فرمان رعایا پر جو جبر اور ظلم و تعدّی اور لُوٹ اور غارت گری ہوتی تھی اُس کا حال ناگفتہ بہ ہے۔ کوئی ملکی یا پولیٹیکل حقوق اُن کو حاصل نہ تھے دولتمندوں اور طاقتوروں اور مقتدر الاسم جماعتوں کے ہاتھ میں وہ بے زبان نوع کی طرح تھے جو اُن کے جان و مال کے خود مختار

مالک تھے۔ کمزور اور طاقتور۔ دولتمند اور غریب۔ اعلیٰ اور ادنےٰ کے واسطے ایک ہی قانون نہیں تھا۔ ایرانیوں کی سلطنت میں مالک زمیندار اور جاگیردار یعنی دہقان اور مذہبی پیشوا تمام قوت اور رعب اور اثر اور ملک کی دولت کے مالک تھے۔ کاشتکار اور غریب رعایا اُس ناجائز اور بے ضبط اور بے ضابطہ اور غیر محدود خود مختاری کے تحت میں پوند زمین ہو گئے تھے۔ اہل روما کی سلطنت کا حال اس سے بھی بدتر ہوگا عیسائی مذہب کے مقدس راہ نما اور پیشوا حکام اعلےٰ اور درباری اور قیصر کی بُرائیوں کے بے شمار فرماں بردار عمال اور مشیر کار دولت اور قوت و رُعب اور اثر کے خوش نصیب مالک تھے۔ رعایا انتہا درجہ کی بدبختی اور مصیبت میں گرفتار تھی۔ درحقیقت وحشیانہ سلطنتوں میں جہاں حقوق جاگیرداری اور مالکانہ خدمت لینے کا دستور قائم ہوا ہے رعایا کا بہت بڑا حصہ غلام بن گیا ہے ؛

غلامی کاشتکاروں کی عام حالت تھی۔ پہلے پہل مزارعانہ اور خانگی غلامی میں کچھ فرق نہیں تھا۔ دونوں قسم کے غلام مع اپنے کُنبوں اور اسباب اور مال و متاع کے زمیندار اور جاگیردار کا مال تھے جو اُن سے اپنی بے روک مرضی اور خوشی کے موافق جیسے چاہے سلوک کر سکتا تھا۔ اُس کے بعد اتنا تغیّر ہوا کہ مزارعانہ غلام اُس زمینداری اور جاگیر سے جس میں وہ رہتے تھے متعلق سمجھے جاتے تھے اور اُسی زمین کے ساتھ فروخت ہوتے تھے یا جاگیردار کی ذات خاص سے متعلق کر دیئے جاتے تھے۔ اور ایک مالک سے دوسرے مالک کے پاس بیچے جا سکتے تھے وہ اپنے مالک کو بغیر اُس کی اجازت کے نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اگر وہ بھاگ جاتے یا اُن کو کوئی چوراکر یا بہکا کر لیجاتا تو اُن کی نسبت اسی طرح دعویٰ کیا جاتا تھا جیسے کہ مویشی یا مال اسباب کی نسبت کیا جاتا ہے۔ اور واپس دلائے جاتے تھے۔ البتہ گزارہ کے واسطے اُن کو چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی تردّد کرنے کے لیئے ملے ہوئے تھے مگر مالک کا اختیار ہوتا تھا کہ جب چاہے اراضی وغیرہ سے اُن کو بے دخل کر دے۔ ایک مزارعانہ غلام کوئی جائداد نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ خرید لیتا تھا تو مالک کو اختیار ہوتا تھا کہ اُسکو بے دخل کر کے خود اُس پر قبضہ کر لے ؛

مزارعانہ اور خانگی غلامی کا نشان گلے میں ایک لوہے کا حلقہ ڈالے رکھنا تھا۔ ان غلاموں کے گروہوں کے گروہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہانک کر لیجاتے تھے۔ ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوتے تھے اور ایک بڑی زنجیر اُن کے گلے کے پٹوں میں سے نکال کر یکجا باندھ دیئے جاتے تھے۔ انسانی گوشت کے تجار یعنی اُن کا مالک ہاتھ میں ایک گانٹھ دار بھاری کوڑا لیئے ہوئے اُن کے پیچھے سوار ہو کر چلتا تھا اور اُس کوڑے سے اُن ماندہ مفلوک الحال لوگوں کی خبر لیتا تھا۔ کوڑا جہاں پڑتا تھا گوشت سے چمڑا اُدھیڑ دیتا تھا۔ مرد اور عورتیں اور بچے اس طرح پر پھٹے ہوئے چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے ٹخنوں میں ناسور اور زخم پڑے ہوئے ننگے اور زخمی پاؤں کے ساتھ ملک میں پھرائے جاتے تھے۔ اگر اُن میں سے کوئی درماندگی سے عاجز ہو کر رہجاتا تھا یا گر پڑتا تھا تو اُس کو زمین پر لٹا کے اس قدر کوڑے مارے جاتے تھے کہ چمڑے کے اُکھڑ جانے سے وہ مُردہ ہو جاتا تھا ؛

جو کاشتکار نام نہاد آزاد کہلاتے تھے ان کا حال بھی مزارعانہ غلاموں سے کچھ اچھا نہ تھا۔ اگر وہ اپنی زمینوں سے علیحدہ ہونا چاہتے تھے تو ایک بھاری رقم بطور جرمانہ کے جاگیردار کو دینی پڑتی تھی۔ اگر کوئی خرید کرنا چاہتے تھے تب بھی ایسا ہی جرمانہ دینا پڑتا تھا۔ بطور وراثت اُن کو کوئی جائداد نہیں مل سکتی تھی جب تک ایک بھاری محصول نہ ادا کریں۔ اپنے مالک کو حصّہ دیئے بغیر نہ وہ غلّہ پیس سکتے تھے اور نہ روٹی بنا سکتے تھے جب تک کہ دسواں حصّہ گرجا کو بیسواں پادشاہ کو اور اَور چھوٹے حصّہ درباریوں کو نہ دیدیں وہ فصل کاٹنے نہیں پاتے تھے۔ وہ مالک کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جا سکتے تھے اور ہر وقت بلا معاوضہ خدمت کرنے کے واسطے مجبور تھے۔ اگر مالک کے لڑکے یا لڑکی کا بیاہ ہوتا تھا تو اُن کو ضروری طور پر خوشی سے معقول رقمیں پیش کرنی ہوتی تھیں ؛

لیکن جب مزارع کی لڑکی کی شادی ہوتی تو پہلے اُس کو جاگیردار کی بدکاری کی اطاعت کرنی پڑتی تھی یہاں تک کہ اگر کوئی پادری حضرت مسیح ؑ کا نائب جاگیردار ہوتا تھا تو وہ بھی بدکاری کے اس وحشیانہ حق کو حاصل کرنے سے دریغ نہیں کرتا تھا۔ بدبخت لوگ ایسے عظیم ظلموں اور بدکاریوں کا شکار تھے لیکن جاگیردار اپنے محلسرائے میں اور پادری اپنے محل میں اور خدام مذہب اپنے مسکنوں میں عوام النّاس کی مصیبتوں کی بہت کم پروا کرتے تھے۔ زبردست کی مرضی ہی قانون اور انصاف تھا۔ مظلوم لوگ جو پیوندِ خاک ہو گئے تھے گرجا بھی اُن کی مدد نہیں کرتا تھا بلکہ اُس کی تعلیم اِن وحشیانہ ظلموں سے اُن عاجزوں کو بچانے کے خلاف تھی کیونکہ پہلے پادریوں نے عمال کی خلاف ورزی کرنے کو ایک بہت بڑا گناہ قرار دیا تھا۔ غرض حضرت مسیح علیہ السّلام کے خادموں نے بھی اِن ظالموں اور زبردستوں اور دولتمندوں کے ساتھ جن کو حضرت مسیح نے رد کیا تھا شراکت اور واحد معاملگی کر لی تھی۔ اِنہوں نے خود جاگیرداری اور مالکانہ خدمت لینے کے طریق اختیار کیئے تھے اور جاگیرداروں اور امیروں اور شاہزادوں کی طرح تمام حقوق رکھتے تھے اور اُن کی مانند بسر کرتے تھے ؛

غیر عیسائیوں۔ یہودیوں یا بُت پرستوں کا حال تو عیسائیوں کے ماتحت ناگفتہ بہ ہے۔ اُن کا قتل اور خوں ریزی اور غلامی کوئی قابل خیال بات نہ تھی۔ اُن کے حقوق کا کیا ذکر یہی اُن پر بڑا احسان تھا کہ اُن کو زندہ رہنے دیئے جاتا تھا اگر کوئی عیسائی اُن سے رشتہ کر لیتا تو وہ زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ یہودی نہ تو عیسائیوں کے برابر بیٹھ سکتے تھے نہ کھا پی سکتے تھے اور نہ اُن کی مانند لباس پہن سکتے تھے۔ اُن کے بچّہ اُن سے چھین لینا اور مال و اسباب لُوٹ لینا جاگیردار اور لوگوں کے نزدیک جائز تھا[1] ؛

غرض یہ تاریکی اور اندھیر اور ظلم اور تباہی دُنیا پر چھائی ہوئی تھی جبکہ دنیا کے اُس سب سے بڑے نجات دہندہ نے نجات کی کرنا پھونکی اور نوع انسان کی عملی مساوات کو دنیا میں مشتہر کیا۔ ذات اور رُتبہ کے ناجائز حقوق کو باطل کر دیا اور ظلم اور غلامی کی زنجیریں ٹُوٹ کر گر پڑیں۔ اسلام نے جس برادری اور مساوات کی تعلیم کی ہے اور اقوام غیر اور غیر المذاہب

کے ساتھ رحم اور نیکی برتنے اور اُن کو ہر حال میں مذہبی اور آزادی بخشنے کی ہدایت کی ہے وہ ایک منصف نگاہ سے دیکھنے والے کو اسلام کی تعلیم کے اصول کے مانند دکھائی دیگی۔ ہمارے زمانہ کے علماء کی عمدہ تصانیف اِسمضمون پر موجود ہیں۔ اس لیئے ہم اُس کے بیان کرنے کے لیئے نہیں ٹھہریں گے ؛

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے محاربات کی نسبت آفتاب سے بھی زیادہ روشن طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ وہ تمام محاربات حفاظت خود اختیاری اور حفاظت دین اور دفع شر اور ضرر کے واسطے تھے (دیکھو تفسیر القرآن جلد چہارم تصنیف سر سید احمد خاں صاحب) خلافت ابتدائی یعنی زمانۂ حضرت ابوبکرؓ کی لڑائیاں تو اُس آتشین بغاوت اور فساد کے رفع کرنے کی غرض سے تھیں جو عرب میں پھیل گئے تھے اور اُنہیں کا سلسلہ مشرق میں مغرب کی مانند دعوت اسلام کے مقاصد کے ساتھ فوج کشی اور مُلک گیری تک پہنچ گیا ؛

مُلک گیری کی غرض سے فوج کشی کرنا اسلام کی کسی تعلیم یا ہدایت یا حکم کا نتیجہ نہ تھا۔ عرب کی اقوام کی باہمی لڑائیوں اور دشمنوں کا اسلام نے خاتمہ کر دیا تھا اور ایک ربانی کرشمہ نے اُن کو ایک برادری اور اُخوت کے رشتہ میں باندھکر ایک ایسی روح اور تازہ جوش اُن میں پیدا کر دیا تھا جو اُن کو نچلا اور خاموش نہیں بیٹھنے دینے والا تھا۔ اسلام کو دنیا میں شائع کرنے کی خواہش نے اُن کو اُبھارا اور اپنی حدود سے اُنہوں نے قدم باہر نکالے اور غیر اقوام کے ساتھ ایسے تعلقات میں پھنس گئے کہ پھر اپنے قدموں اور ارادوں کو پھیر لینے پر گویا وہ قادر ہی نہیں رہے تھے اور اس کا نتیجہ اُن کی وہ عظیم الشان فتوحات تھیں ؛

مُلک گیری اور فوج کشی گو اسلام کی اغراض اور مقاصد سے جُدا تھی اور اسلام نے کوئی تعلیم اُسکی نسبت نہیں کی تھی مگر تمام گزشتہ اور موجودہ دنیا کے واقعات سے وہ فطرت انسانی سے خارج کوئی امر نہیں معلوم ہوتا اور ہمکو کوئی حصہ دنیا میں ایسا نہیں دکھائی دیتا جو اس کی مخالفت میں کھلا ہو۔ حضرت مسیحؑ کی تعلیم کو مستثنےٰ کرنے کی ضرورت اُس وقت ہوتی اگر اُنیس صدیوں کے عیسائی اپنے عملوں سے اُسے خلاف فطرت انسانی ثابت نہ کر دیتے۔ تہذیب اور شایستگی نے ملک گیری اور فوج کشی کے واسطے جو بہانے تجویز کیئے ہیں اُس سے بہتر وجوہات مُسلمانوں کے پاس جو دنیا کو کفر اور ظلم کی ناپاکی سے پاک کرنا اور مظلوموں اور مصیبت زدگان کو نجات دینا اور خدا کی مخلوق کو عیسائیوں اور بادشاہوں کے خون آلود پائوں سے اُٹھا کر کھڑا کرنا چاہتے تھے موجود تھیں۔ اُن کا سلوک اور برتاؤ جو اُنہوں نے اقوام غیر اور غیر المذاہب کے ساتھ کیا اور جس ذلت اور تباہی اور غلامی کی حالت سے اُٹھا کر اُن کو آرام اور امن اور آزادی اور آسودگی اور فراغت کی حالت تک پہنچا دیا وہ بیان کرنے کے لائق ہے ؛

مُسلمان اگرچہ اپنے گھر سے نکلکر اقوام غیر کے قریب پہنچے اور ایک نئے قسم کے تعلقات کا سلسلہ اُن سے چھیڑا مگر جنگ اور خوں ریزی سے بچنے کے واسطے وہ اسلام یا جزیہ قبول کرنے کی ایسی دو شرائط پیش کرتے تھے جو اپنے ساتھ مساوی المرتبہ اور تمام حقوق [illegible]

امن و آسائش کی ذمہ واری کا عہد اور اقرار تھے۔ تیسری شرط لڑائی کی تھی جو دونوں طرفوں کے واسطے یکساں خطرناک اور ڈرانے والی تھی۔ مسلمانوں کے پاس اپنی جانوں کی کوئی ضمانت موجود نہیں تھی۔ وہ خطرے میں پڑتے تھے اور خطرے میں ڈالتے تھے۔ جیسا کہ ہمیشہ انسان نے کیا ہے۔ مگر ان لڑائیوں کا نتیجہ بھی اُن نادان مفتوح اقوام کے واسطے ہی جو اپنے نجات دہندوں کے ساتھ جنگ کرنے کو آمادہ تھے اچھا ہوتا تھا۔ ان کے بدلہ میں اُن کو امن اور آزادی دیجاتی تھی۔ ایک عالم کا قول ہے کہ "قادسیہ کی لڑائی جس نے ایران کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا مظلوم رعایا ایران کی نجات کا ایک نشان تھا جیسا کہ یرموک اور اجنادین کی لڑائیاں اہل شام اور یونانیوں اور مصریوں کے واسطے تھیں۔ یہودی جو وقتاً فوقتاً زردشتیوں کے قتل اور خوں ریزی کا شکار رہتے تھے اور کہیں جا کر بھی اُن کا پیچھا نہیں چھٹتا تھا پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آزادی کی ہوا کھانے لگے جن کے دین کا بڑا سبق نوع انسان کی اُخوت اور برادری تھی۔ لوگ ہر جگہ مسلمانوں کو بطور اپنے نجات دہندوں اور آزاد کنندوں کے قبول کرتے تھے۔ جہاں کہیں اُن کا مقابلہ کیا گیا یہ مقدس پادریوں اور اُمرا کی جماعت نے کیا۔ عوام الناس اور پیشہ ور رعایا نے جو زردشتیوں کے ہاتھوں سے مصیبت اور تباہی میں تھے عموماً اپنے فاتحین سے رضامندی اور خوشی سے مطیع ہو گئے۔ اُس دائمی صداقت کا ایک سادہ اقرار اُن کو اپنے مسلمان نجات دہندوں کے ہم مرتبہ اور اُن کے برابر بنا دیتا تھا[1]" ؎

جنگ کی حالت میں بھی جو رعایت اور ہر طرح کی آزادی مخالفین کو دیجاتی تھی وہ ہمیشہ ضرب المثل ہو گی لشکر اور سرداران لشکر کو فوج کشی کے وقت رحم اور سلوک اور نرمی کے احکام دیئے جاتے تھے اور اس قسم کے احکام کی نسبت حضرت عمرؓ نہایت تاکید کرتے تھے۔ کہ

(۱) کوئی عورت اور لڑکا اور بڈھا اور ضعیف نہ مارا جائے۔ (۲) کسی کا ناک کان نہ کاٹا جائے (۳) عبادت کرنیوالے گوشہ نشین قتل نہ کیئے جاویں اور اُن کے عبادت خانہ کھود دیئے جاویں (۴) کوئی درخت پھل دار نہ کاٹا جائے کوئی کھیت نہ جلایا جائے۔ (۵) کوئی عمارت اور آبادی ویران نہ کیجائے (۶) کسی جانور بکری اُونٹ وغیرہ کی کونچیں نہ کاٹی جائیں (۷) صلاح و مشورہ کے بغیر اُن کے کسی امر کا فیصلہ نہ کیا جائے (۸) ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا طریقہ برتا جائے کسی پر ظلم اور جبر نہ ہو (۹) جو عہد و پیمان غیر مذہب والوں سے کیا جائے اُس میں بے وفائی نہ کیجائے اور وہ ٹھیک ٹھیک وفا کیا جائے (۱۰) جو لوگ اطاعت قبول کریں اور جزیہ دیں اُن کی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال کے برابر سمجھی جائے اور تمام معاملات میں اُن کے احکام مثل مسلمانوں کے مقرر کیئے جائیں (۱۱) جب تک اسلام کے قبول کرنے کی دعوت نہ کی گئی ہو دفعتاً لڑنا نہ چاہیئے[2]۔ غرض اس قسم کے احکام اور ہدایتیں جاری ہوتی تھیں اور حضرت عمرؓ اپنی تیز پُر انصاف نگاہوں اور معمولی سرگرمی سے اُن کی نگرانی کرتے تھے ؎

---

[1] سپرٹ اوف اسلام صفحہ ۴۱۰

[2] تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ ۳۰ ؎

حضرت عمرؓ خالد سے کیوں ناراض تھے۔ ایک بڑا سبب اس کا مغلوب مخالفت سے خالد کا سختی سے برتاؤ کرنا اور اس قسم کی ہدایات کی پوری تعمیل نہ کرنا تھا۔ کیا خالد کی بہادری مسلمانوں ہی کا کام نہیں کر رہی تھی۔ اور مسلمانوں کے واسطے ملک فتح نہیں کر رہی تھی مگر حضرت عمرؓ کسی بہادری اور نفع کی انصاف اور اپنے اسلامی صوبوں کے روبرو کچھ پردہ نہیں کرنیوالے تھے اور اسی سبب سے خالد سے ناراض رہے اور آخر واپس بلا لیا ؛

کسی زمانہ میں اس امر سے انکار نہیں ہو سکا کہ نئے مفتوحہ ممالک میں کسی قانون اور آئین کا دفعتاً فتوحات کے ساتھ ساتھ رائج کرنا اور تعمیل کرانا ناممکن ہے اور ان ابتدائی قوانین میں سختی اور سخت گیری کو جائز مانا گیا ہے۔ کم سے کم فاتحین نے اپنی قوم کے ساتھ رعایت ملحوظ رکھی ہے اور ان کی بے اعتدالیوں اور جبریہ کارروائیوں پر توجہ کرنے سے چشم پوشی کی ہے حتیٰ کہ امن اور اطاعت کے زمانہ میں بھی ہم مہذب حکمران اقوام کو اپنی قوم کے ساتھ رعایت کرتے دیکھتے ہیں جس سے نہایت درست طور پر ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ فاتحین اور مفتوحین کے واسطے ایک ہی قوانین نہیں ہیں۔ ہندوستان میں بعض اوقات رعایا میں ان کے بدقسمت مقتولین کی فہرستیں تیار کی گئی ہیں جو فاتحین کے مغرور اور بے تمیز ہاتھوں سے مارے گئے ہیں اور قاتلوں کو بری کر دینے کے واسطے ایک ادنیٰ سے عذر اور بہانہ کو کافی سمجھا گیا ہے گو کوئی خود غرضانہ دانشمندی کی مصلحت اسکی دلیل ہو مگر انصاف کے روبرو مصلحت ظلم کا ایک دوسرا نام ہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت اس بات کا فخر کر سکتی ہے کہ جو کچھ مہذب اقوام کے برتاؤ کے آئینہ میں بھی مشکل اور ناممکن معلوم ہوا ہے وہ ان کا معمولی اور روزمرہ تھا۔ ذمیوں یعنی مطیع جزیہ دینے والی اقوام کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ لفظوں میں نہیں بلکہ عمل میں یہ واقعہ اس قسم کی ایک ہی مثال نہیں ہے کہ شہر حیرہ میں ایک مسلمان نے ذمی کو قتل کر ڈالا تھا۔ اس کے بدلہ حضرت عمرؓ نے مسلمان کے قتل کا حکم دیا اور دوسروں کی عبرت کے واسطے اس حکم کی علانیہ تعمیل کرائی [1]۔ حضرت عمرؓ کا عام اشتہار تھا کہ رعایا میں سے جس شخص کو اپنے عامل اور حاکم کی نسبت کوئی شکایت ہو وہ پیش کرے اور اسپر انصاف کی پوری تعمیل کراتے تھے ؛

جنگ کے قیدیوں کی نسبت ان کو فدیہ لیکر چھوڑ دینے کا حضرت عمرؓ کا ایک دل پسند طریقہ تھا۔ لیکن جب ان کے پکڑنے میں اصول متینہ سے تجاوز کیا گیا ہو تو بغیر فدیہ لینے کے وہ چھوڑ دیتے تھے۔ چنانچہ جنوبی جزیرے سے مسلمانوں کے لشکر نے بہت سے لوگ قید کر لیئے تھے اور پکڑ کر ساتھ لائے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے حکم سے وہ امن و امان کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس بھیج دیئے گئے۔ ان کی تعداد دس ہزار سے کم نہیں بیان کی گئی " [2] ؛

---

[1] مضمون کتب خانہ سکندریہ مؤلفہ علامہ شبلی صفحہ ۳۹ ؛

[2] انلس آف دی خلافت مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۸۱ ؛

جنگ کے بعد یا بغیر جنگ کے جو معاہدات صلح کے مسلمانوں اور غیر اقوام کے درمیان باہم ہوتے تھے اُن میں ذمیوں کے مساویانہ حقوق میں اُن کی جان و مال۔ نقد اسباب۔ مویشی۔ مکانات۔ سب کی حفاظت کی ذمہ واری کی شرط مقدم ہوتی تھی۔ اُن کے دشمنوں سے لڑنے اور اُن کی حفاظت کرنے اور جس سے وہ صلح کریں اُس سے صلح اور اسی قسم کی شرائط کے مسلمان اپنے آپ کو پابند کرتے تھے۔ ذمیوں سے جو عہد مسلمان لیتے تھے اُن میں اکثر تو صرف جزیہ دینے کی شرط ہوتی تھی۔ بعض میں اس کے سوا دشمنوں سے سازش نہ کرنے۔ مجرم کو پناہ نہ دینے۔ اور راستے صاف نہ کرنے اور بعض میں مسلمان مسافر کی تین روز تک مہمانی کرنے کی شرط ہوتی تھی[1]۔ ان پانچ شرطوں سے زیادہ کسی قسم کا عہد نہیں لیا جاتا تھا۔ جزیہ کی بحث تو بعد میں ہوگی۔ باقی شرائط جو لی جاتی تھیں کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُن میں کوئی ناواجب امر ہو یا معاہد کے لیئے اُن کا پورا کرنا مشکل یا گراں ہو۔ اور اخلاق اور ملک کے امن کی ضرورت کے سوا کوئی اور غرض اُن سے مقصود ہو۔

سرداران لشکر اور اصحاب وغیرہ جو معاہدہ صلح کا کسی جماعت یا قوم سے کر لیتے تھے وہ سب کے نزدیک جائز اور قابل تسلیم ہوتا تھا۔ خواہ کسی درجہ اُن میں رعایت روا رکھی گئی ہو اُس کے بدلنے کا کسی کو اختیار نہ تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ ابو عبیدہ سردار لشکر عراق نے نہارک کی لڑائی میں جابان ایرانی فوج کے سپہ سالار کو گرفتار کر لیا مگر بلا شناخت دو آدمیوں کے بدلہ میں رہا کر دیا۔ مثنیٰ کو جب اُسکے رتبہ اور حال کی خبر ہوئی تو اُس نے اُسکو پکڑ لینا چاہا مگر ابو عبیدہ نے اس ارادہ کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ ایک مسلمان کی دی ہوئی صلح اور امن کو کوئی دوسرا توڑ نہیں سکتا اور اب اُسکو پکڑنا اور مارنا بیوفائی ہوگی۔ مثنیٰ نے بھی اس رائے سے اتفاق کر لیا اور جابان کو صحیح و سلامت جانے دیا[2]۔ لیکن اگر اُس میں کسی قسم کی سختی کی گئی ہو تو البتہ اُسکو مناسب شرائط سے بدل دیا جاتا تھا۔ سرداران لشکر بجائے خود رحم اور انصاف کے نائب تھے۔ دمشق اور مصر اگرچہ بزور شمشیر فتح کیا گیا لیکن کسی کو بعد جنگ کے قید و قتل نہیں کیا گیا۔ جزیہ لینے کی شرائط پر ذمی قرار دیکر چھوڑ دیا گیا۔ اور جو اقرار اُن کی رضامندی سے ہو گیا اُس کی پوری پابندی کی۔ کسی کے مذہب اور مذہبی آزادی سے ہرگز ہرگز تعرض نہیں کیا گیا۔ سر ولیم میور مقر ہیں کہ "عموماً لوگ اپنے مذہب پر رہے۔ اُن کے عبادت خانوں کی حفاظت اور عبادت کی تعظیم و عزت کی گئی[3]"۔

حضرت عمرؓ کے یروشلیم کے ساتھ شرائط صلح مقرر کرنے اور بیت المقدس پر قبضہ کرنے جانے کے واقعہ میں ایک عجیب و غریب عہدنامہ واقدی اور بلاذری کی پیروی کرنے والے انگریزی مورخوں نے نقل کیا ہے۔ اور بیت المقدس کے بعض مورخوں نے اُسکو بیان کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جو معاہدہ اپنی طرف سے لکھکر دیا تھا اُسکو انگریزی مورخ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُس کے الفاظ یہ تھے کہ "عمرؓ ابن الخطاب کی طرف سے باشندگان ایلیا کے ساتھ

---

[1] ازالۃ الخفا باب سیاست
[2] انس آف دی خلافت صفحہ ۱۲۹
[3] تاریخ مسلمانان مونٹگمری واٹ کلی صفحہ ۲۵۶

کہ اُن کی حفاظت کیجاوے گی اُن کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ واری ہے۔ اُن کے گرجے نہ گرائے جائینگے اور اُن کے بغیر کوئی اور اُن کو استعمال نہ کرے گا۔" لیکن جو عہدنامہ عیسائیوں کی طرف سے لکھا گیا ہے اُسکی عجیب و غریب شرائط بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ عیسائی کوئی اور گرجا نہ بنائینگے۔ مسلمانوں کو گھر میں داخل ہونے دینے سے انکار نہ کرینگے۔ اپنی اولاد کو قرآن نہ پڑھائیں گے اور مسلمانوں کے مذہب کی نسبت گفتگو نہ کریں گے اپنے مذہب کی ترغیب نہ دیں گے اور مسلمان ہونے سے منع نہ کریں گے۔ مسلمانوں کی تعظیم کرینگے اور اُن کی مانند لباس نہ پہننگے۔ گھوڑے پر نہ چڑھیں گے اور ہتھیار نہ باندھیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس عجیب و غریب عہدنامہ کو کوئی معتبر مورخ بیان اور تسلیم نہیں کرتا۔ انگریزی مورخوں میں سے گبن کی خاموشی روایت کے کذب کی دلیل ہے۔ اور سر ولیم میور تو علانیہ طور پر اُس سے انکار کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سفر بیت المقدس کے بیان میں مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "یروشلیم میں پہنچکر خلیفہ نے بطریق اور اہل شہر سے بڑی مہربانی اور حلم اور تواضع سے ملاقات کی۔ اُس نے اُن کو وہی حقوق عطا کیئے جو بہت سے خوش قسمت شہروں کو دیئے گئے تھے۔ باشندوں پر ایک نہایت خفیف خراج (جزیہ) مقرر کیا اور اُن کی تمام عبادت گاہوں اور گرجاؤں پر اُن کے قبضہ کو قبول اور تسلیم کیا۔ یروشلیم مسلمانوں کے نزدیک بے انتہا تعظیم اور تکریم کی جگہ تھی۔ نہ صرف اس سبب سے کہ دین موسوی اور عیسوی نے وہاں پرورش پائی تھی بلکہ بسبب اسلام کا پہلا قبلہ ہونے کے جدھر منہ کر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور نیز بسبب وہ مقام ہونے کے جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات کو ملاحظہ کیا تھا"[2]۔

اس کے بعد مورخ مذکور اُس آئین کی طرف اشارہ کر کے جو عیسائیوں کی نسبت حضرت عمرؓ سے منسوب کی جاتی ہے لکھتا ہے کہ اُس بردبار، متحمل اور آزادی بخش فرماں روائی کی طرف ان کا منسوب کرنا ایک قابل جواب ہی الزام ہوگا۔ غیر اقوام سے اس قسم کے شرائط لینے اور ایسے سلوک کی نسبت لکھتا ہے کہ "ابتدا میں فاتحین جو کچھ لیتے تھے وہ اس عام خراج (جزیہ) کے سوا سال میں کسی قدر روغن زیتون اور خوراک کی اور چیزیں تھیں اور مسلمان مسافر کو تین دن مہمان رکھنے کا عہد تھا"۔ اس کے بعد وہ لکھتا ہے "کہ گھوڑے کی سواری کی ممانعت وغیرہ اُس زمانہ کے حکم ہیں جب خلافت دمشق میں تبدیل ہوئی تھی"۔ سر ولیم میور بلاذری کی ایسی روایات کی بھی تردید کرتا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس قسم کی شرائط لینا منسوب کیا گیا ہے[3]۔

بنی اُمیہ اور عباسیہ کے زمانہ کے مورخوں کی اس قسم کی روایات کی اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یا تو اُنہوں نے غیر المذاہب اقوام سے اس قسم کی شرائط لیتے اور اُن سے اس قسم کا سلوک ہوتے دیکھکر اُسپر حضرت عمرؓ کے زمانہ کی

---

[1] انس آف دی خلافت صفحہ ۱۳۹ — [2] انس آف دی خلافت صفحہ ۲۰۸

[3] انس آف دی خلافت صفحہ ۲۱۳

شرائط کا خیال کرلیا ہے یا اس زمانہ کے خلفاء کے برتاؤ کو جائز قرار دینے کے واسطے اس قسم کی روایات خود پیدا کی ہیں۔ بہرحال حضرت عمرؓ کی خلافت کسی اس قسم کا معاہدہ لکھوانے کے الزام سے پاک ہے اور عیسائی واقف مؤرخ بھی اس کے مقر ہیں۔ صرف اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت عمرؓ قومی امتیازات کے قائم رہنے کے شائق تھے۔ عربوں کے واسطے وہ دھوپ کھانا اور موٹا کپڑا پہننا وغیرہ اُن کے اصلی عادات کے قائم رکھنے کی ہدایت کرتے تھے اسی طرح دوسرے ممالک کے باشندوں کی نسبت اُن کا یہ خیال تھا کہ وہ اپنے لباس اور وضع اور اطوار کو ممیز رکھیں اور مسلمانوں سے اُن کی تفریق ہو۔ اور یہ خیال ایسا ہی تھا جیسا ہمارے موجودہ زمانہ کی انگریزی شایستہ سلطنت کا ہے اور ایسی ہی ایک سرسری خواہش تھی ؛

حضرت عمرؓ کا غیر اور غیر المذہب ذمی اقوام سے عام طور پر جو سلوک تھا وہ نہایت انصاف اور رحم اور شایستہ ترین اصول پر مبنی تھا۔ اُن کی آزادی اور دوسرے عام حقوق مسلمانوں کے ساتھ مساوی درجہ کے تھے ؛

ایرانی اُمراء جب مسلمانوں کی فوج کے ساتھ شامل ہوکر کام کرنے پر راضی ہوئے تو اُن پر ویسا ہی اعتبار اور اعتماد کرلیا گیا اور خاص عزت اور رتبہ کے ساتھ اُن کے نام دیوان میں درج کرکے اُن کے وظائف مقرر کردیئے گئے ؛

حضرت عمرؓ کے منصفانہ برتاؤ کا ایک واقعہ اُن کے سفر بیت المقدس کا مشہور ہے جس کو ہم سر ولیم میور کے الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "عیسائی مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سوفرونیس (بطریق) کے شہر کے دیکھنے کے واسطے گئے۔ حج کے اکثر مقامات دیکھے اور نہایت مہربانی اور شفقت سے تاریخی حالات دریافت کیے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو بطریق نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ وہ اُسی مقام پر جہاں اُس وقت تھے نماز ادا کرلیں۔ اُس وقت وہ چرچ اوف دی سرکشن میں تھے مگر حضرت عمرؓ نے وہاں یا چرچ آف کانسٹنٹائن میں جہاں اُن کے واسطے ایک شطرنجی بچھادی گئی تھی نماز پڑھنے سے انکار کیا اور یہ وجہ بیان کی کہ اگر میں نے اس مقام پر نماز ادا کی تو مسلمان عیسائیوں کو اُن سے بے دخل کردیں گے اور اس دلیل سے کہ وہاں ایک دفعہ نماز پڑھی جاچکی ہے اُسپر قبضہ کرلینگے۔ بتھلم کو بھی حضرت عمرؓ نے دیکھا اور وہاں چرچ آف نیٹوٹی میں نماز گزاری لیکن بطریق کو جو اس مقدس مقام میں اُن کے ساتھ تھا ایک نوشت اس مضمون کی لکھکر دیدی کہ عیسائی ہمیشہ اُس عمارت کے مالک رہینگے مسلمانوں کو اُسمیں جانے کی اجازت ہوگی مگر ایک وقت میں ایک سے زیادہ مسلمان اُس میں داخل نہ ہوگا۔ لیکن اس نوشت کی بعد زمانہ میں پروا نکرکے وہاں اور چرچ آف کانسٹنٹائن کی ڈیوڑھی میں مسجدیں بنائی گئیں[1]" اس مشہور واقعہ کے جزئیات حالات میں اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ کوئی ایک جزو اس بیان کا صحیح نہ ہو مگر حضرت عمرؓ کی انصاف پسندی کی ایک بے نظیر مثال ہے دوسرے سفر شام میں حضرت عمرؓ کے عیسائیوں کے ساتھ محبت اور شفقت اور بے تکلفی سے پیش آنے کے سر ولیم مقر ہیں[2]۔ اس قسم کے اور واقعات کا جمع کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اُن کے عامل بھی اُن کے اِن

---

[1] انلس آف خلافت صفحہ ۲۲۶ [2] انلس آف خلافت صفحہ ۲۳۶

اُصولوں کی پیروی کرنے میں اُن سے پیچھے نہیں تھے۔ عمیر بن سعد انصاری حمص کی عمالی کو چھوڑ کر تمام عمر اس بات پر متاسف رہے کہ اُن کے مونھ سے ایک دن ایک ذمی کی نسبت نکل گیا تھا کہ "اللہ تجھے خوار کرے"۔ اس سے زیادہ حق شناسی کی دُنیا کس سے اُمید کر سکتی ہے؟

اِن غیر اقوام کی خبر گیری کرنے اور اُن کے محتاجوں اور مفلسوں کی مدد کرنے میں حضرت عمرؓ مسلمانوں کی نسبت کچھ کم توجہ نہیں کرتے تھے۔ قحط کے زمانہ میں اُن کی خبر گیری بھی ویسی ہی کرتے تھے اور صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کیجاتی تھی اُس میں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ خدا کے اس قول میں انما الصدقات للفقراء والمساکین (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لیئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں[1]۔ سفر بیت المقدس میں حضرت عمرؓ نے عیسائی جزامیوں کے واسطے جو جابیا کے قریب آباد تھے عشر میں سے ایک حصہ مقرر کر دیا اور یہ خالص خیراتی عطیہ تھا[2]۔ مذہبی فقرا اور مساکین غیر مذہب کو معافیات وغیرہ عطا کرنے کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہودی کا ایک اور مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دن راستہ میں جاتے ہوئے ایک بوڑھے نابینا شخص کو سوال کرتے ہوئے دیکھا کھڑے ہو کر اُس کا حال پوچھنے لگے۔ معلوم ہوا کہ محتاج یہودی ہے اور اُس کے سوال کرنے کا باعث جزیہ اور محتاجی اور بڑھاپا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے گھر لائے اور رفع حاجت کے واسطے اُس کو کچھ دیا اور پھر بیت المال کے داروغہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ "اِسکو اور اِس جیسے اور جتنے ہوں اُن کو دیکھکر جُدا کر۔ خدا کی قسم ہمنے انصاف نہیں کیا کہ اُس کی جوانی کی کمائی کھائی اور بڑھاپے میں اُسے تنگ کریں۔ اِس کو اور اِس جیسے اور جتنے ہوں سب کو جزیہ معاف کیا جائے"۔ غرض اِس قسم کے واقعات سے حضرت عمرؓ کے رحم اور انصاف کا جو وہ غیر مذہب لوگوں سے برتتے تھے قیاس کیا جا سکتا ہے؟

اقوام مفتوحہ کے مذہب اور مذہبی آزادی سے کبھی تعرض نہیں کیا گیا۔ بنی عیادہ کو گو شام سے بغاوت کے خوف سے جزیرہ میں واپس بھجوا دیا گیا اور خلیفہ کے ساتھ اُن کے تعلقات بدستور قائم ہو گئے مگر وہ اپنے مذہب عیسوی پر قایم رہے[3]۔ بنو تغلب کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قسم کے سلوک کی ایک عمدہ مثال ہے۔ ولید ابن عقبہ کے ہاتھوں پر انہوں نے طاعت قبول کی جس پر اس مشہور اور بزرگ قبیلہ کے اسلام اختیار کرنے کے خیال سے اُن سے سختی کا برتاؤ کرنا شروع کیا تاکہ اپنے پہلے دین کو ترک کر دیں۔ حضرت عمرؓ اِس حال کو سُن کر نہایت ناراض ہوئے اور ولید کو لکھا کہ اُن کو اپنے مذہب پر قائم رہنے دے اور مت چھیڑ۔ صرف جزیرہ نما عرب میں کوئی مشرک نہ رہنا چاہیئے۔ اسی قصور پر حضرت عمرؓ نے ولید کو معزول کر دیا اور صرف جزیہ لینے کا حکم دیا۔ بنو تغلب

---

[1] الجزیہ وازالۃ الخفا

[2] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۱۲

[3] انلس اوف دی خلافت صفحہ ۲۱۷

اسپر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ وہ جزیہ دینا اپنے واسطے ہتک سمجھتے ہیں اور اُن سے اُس محصول کے نام سے جو مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اگر ٹیکس لیا جائے تو بہت خوشی سے وہ ادا کرینگے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی آزادانہ طبیعت سے اسے بھی منظور کر لیا اور اُن سے عشر لینا قبول کیا[۵۱]۔ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کی نسبت جو ایک یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کے عہد میں نو سو کنیسا خراب ہوئے۔ اس سے یہ دھوکا کبھی نہ کھانا چاہیئے کہ جبراً کسی غیر مذہب کا کوئی معبد خراب کیا گیا یا گرایا گیا بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کے شائع ہونے اور غیر مذہب لوگوں کے مسلمان ہونے سے اتنے معبد بیکار ہو گئے ؛

زمین کی کاشت اور زراعت کی ترقی اور آبادی جو ملک کی ترقی اور دولتمندی اور رعایا کی آسودگی اور فراغت کا سب سے بڑا اور اصلی ذریعہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے واسطے کوشش کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا ہم بیان کر آئے ہیں کہ فتوحات اور فوج کشی کو روک روک کر ممالک مفتوحہ میں نہریں کھودنے اور زمینوں کے سیراب کرنے کے وسائل کو ترقی دینے کا حکم دیتے تھے۔ نہریں جال کی طرح ملک میں پھیلا دی گئیں۔ نیز حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ جو کاشتکار اپنی اپنی زمینیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اُن کو واپس بلایا جائے اُن کو ذمی قرار دیکر زمینیں اُن کے قبضہ میں دیجادیں اور ایک معتدل محصول لیا جائے[۵۲] اور ایک عام اشتہار دیا جو شخص بنجر زمین کو مزروعہ کرے اور اُس کو آباد کرے وہ اُسی کو دیدیجائیگی[۵۳]۔ غرض اس طرح کاشتکاروں کو امن اور آسائش اور اطمینان اور خود مختارانہ قبضہ نصیب ہونے سے ملک آباد ہو گیا اور کاشتکار غلامی کی مصیبتوں سے چھوٹ کر آسودہ اور فارغ البال ہو گئے ؛

مزارعین کو امن اور اطمینان حاصل ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے اہل عرب کو زمینداری اور کاشتکاری کا کام اختیار کرنے سے قطعی ممانعت کر دی تھی۔ مصر میں۔ شام میں۔ عراق میں مسلمانوں نے بہت چاہا کہ اُن کو زمینیں دیجائیں مگر حضرت عمرؓ نے نہ مانا اور نہ مانا اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے پر سزائیں دیں جس سے آیندہ کسی کو اس قسم کا ارادہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ اس قسم کی درخواستیں اور حضرت عمرؓ کا انکار کتب تاریخ میں اکثر مذکور ہیں۔ انگریزی مورخ لکھتا ہے کہ "سواد یا کالدیہ کا زرخیز میدانی ملک جو باستثنائے چند بزور شمشیر فتح کیا گیا تھا۔ عرب کی فوج نے بطور انعام جنگ اُس کا دعویٰ کیا۔ حضرت عمرؓ کا انصاف اور حق رسانی اس درخواست کے منظور نہ کرنے میں نہایت ممتاز ہے"۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ "دعویداروں کی ناراضی کے باوجود صرف اراضی ضبط شدہ ہی غیر منقسم نہیں رکھی گئی بلکہ صحرائے شام کے کناروں سے ایران کے سلسلۂ کوہ تک کسی ایک قطعۂ اراضی کی فروخت مطلق طور پر منع کر دی گئی۔ اس طرح پر مزارعین کے واسطے دوگونہ حفاظت کا انتظام ہو گیا جو کسی صورت اور کسی حال میں بھی اپنی زمینوں سے بے دخل نہیں کیئے جا سکتے تھے۔ نیز ملک نے اپنے اصلی مزارعین کے ہاتھ میں بکمال پرورش

---

۵۱ انلس آف خلافت صفحہ ۱۸

۵۲ انلس آف خلافت ۲۹۴

۵۲ تہذیب الاخلاق جلد اول صفحہ ۳۰ ؛

اور ترقی پائی۔ اور دولتمند اور خراج کا مستقل ذریعہ ہوگیا[1]"

مصر کے حالات میں مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "زبیر نے عمرو بن العاص سے اصرار کیا کہ مصر کے ساتھ بزور شمشیر فتح کیئے ہوئے ملک کی مانند سلوک کیا جائے اور زمین کو اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن عمرو بن العاص نے انکار کیا اور جیسا کہ امید کرنا چاہیئے تھا حضرت عمرؓ نے اُسکے فیصلہ کی تائید اور تصدیق کی اور یہ عاقلانہ جواب لکھا کہ "مصر کی زمین کو رعایا کے ہاتھ میں زراعت کی ترقی اور بارآوری کے واسطے رہنے دیا جائے جیسا کہ اور جگہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ عربوں کو ایک ایکڑ زمین کا بھی مالک بننے کی اجازت نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ عمرو بن العاص نے اپنے لیئے مکان بنانے کو زمین چاہی اور حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور لکھا کہ مدینہ میں جو اُس کا مکان ہے وہ اُسکے واسطے کافی ہے۔ اِسطرح پر مصر کی زمین اُس کے اصلی اور موروثی مالکوں اور قابضوں کے ہاتھ میں رہکر حجاج کے واسطے ایک قیمتی ذخیرہ گاہ بن گیا جیسے کہ اگلے وقتوں میں وہ اٹلی اور اہلِ روما کے واسطے ذخیرہ گاہ تھا[2]"

ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے کہ "ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا کہ وہاں کی زمین اُن کو بانٹ دیجائے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی فیاض دلی کسی طرح اُن کو فاتحین کی رائے پر مائل نہیں ہونے دیتی تھی۔ بالآخر ایک نصیبی سند پر یہی فیصلہ ہوا کہ پہلے قابضین بیدخل نہ کیئے جاویں۔ مصر میں بھی آپ نے تاکیدی فرمان بھیجا کہ اہل فوج قطعاً زمینداری اور کاشت نہ کرنے پائیں۔ اُس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھ زمین کاشت کی تو آپنے اُسکو پکڑ بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی لیکن اُس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور معاف کرالیا[3]۔"

غرض غیر اقوام کے ساتھ جس فیاضی اور انصاف کا برتاؤ حضرت عمرؓ نے کیا اور جو خاص حقوق مسلمانوں سے بھی زیادہ اور بڑھکر عطا کیئے وہ مہذب اقوام کی مدعیانہ اور نکتہ چین نگاہوں کو ہمیشہ نیچا رکھینگی۔ اِس کے بعد زمین اور زمینداری کے متعلق اسلامی خوش قسمت رعایا ہونے کی حالت میں عشر اور خراج کا دینا تھا جو یقیناً نہایت انصاف بلکہ رعایت کے اُصولوں پر مبنی تھا۔ ہمارے مورخ نے خراج کے متعلق چند قواعد جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا خلفاء کے عہد میں مروج تھے مختصر طور پر بیان کیئے ہیں جو ہمارے دعویٰ کو بخوبی ثابت کر دینگے کہ "جو زمین نہروں کے قدرتی پانی سے سیراب نہ ہوتی ہو یا جو زمین فوج کو تقسیم کر دی گئی ہو یا جو مقام کے باشندے فوج کشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہوں اُن تینوں حالتوں میں وہ زمین عشری ہوگی یعنی اُس کی پیداوار سے صرف دسواں حصہ لیا جائیگا اور یہی اُس کا خراج سمجھا جاویگا۔ اِن تینوں قسموں کے علاوہ جو زمین ہے وہ خراجی ہے عام اِس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ میں ہو یا غیر قوم کے۔ اگر کوئی شخص عشری زمین پڑتی ڈال دے تو اُس سے کچھ نہیں لیا جاوے گا۔ خراجی زمین میں ایسا نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پڑتی ڈال کر دوسرے سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج دینا ہوگا

---

[1] انس اوف دی خلافت صفحہ ۱۹۴ [2] انس اوف خلافت صفحہ ۲۴۴

[3] الماون حصہ دوم صفحہ ۱۸

جس زمین پر دکانیں بنائی جائیں وہ عموماً عشر و خراج سے معاف ہیں۔ اگر کھیتی کو کوئی آفت پہنچے تو خراج معاف ہو جاویگا۔ مذکورہ بالا قسموں میں سے دو پچھلی قسم کی عشری زمینیں بہت کم تھیں ؛

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور دوسرے مذہب والی رعایا سے جن کو اسلام کی حمایت میں آجانے سے ذمی کا لقب ملا ہے قریب قریب یکساں متعلق ہیں۔" خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا۔ عشری زمین بھی خواہ کسی کے قبضہ میں ہو اُس سے عشری لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے قوم نبط سے عشر بھی لیا تھا۔" خراج کی شرحیں جو باقاعدہ پیمائش کے لحاظ سے مقرر کیا گیا تھا ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ وہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہمارے دعویٰ کی دلیل میں پیش کیجا سکتی ہیں۔ عشر اور خراج میں تو مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں کوئی تمیز نہ تھی۔ لیکن اس کے سوا جزیہ ایک ایسا محصول تھا جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت رکھتا تھا۔ اس زمانہ کی غیر مذہب اقوام نے اس لفظ کو ایسا بھیانک اور ڈراونا بنا دیا کہ ان کے موہ سے سُن کر اُسکے مضمون سے کوئی خوش نہ ہوگا اور اسکو مسلمانوں اور غیر مذہب والوں کے درمیان ایک نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قائم کرنے کا ایک اصول بیان کرتے ہیں اور ایسا جبر بیان کرتے ہیں جس سے بچنے کے واسطے اسلام کا قبول کرنا بھی گوارا کیا جاتا تھا اور اس وجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنے کا ایک قوی ذریعہ تھا لیکن اس قسم کے خیالات درحقیقت تعصب یا غلط فہمی سے پیدا ہوئے ہیں۔ تحقیق کے نزدیک وہ تمام تر بے اصل اور بیہودہ ہیں۔ علامہ شبلی کے دقیق اور عالمانہ مضمون نے کسی بحث کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ انہوں نے بخوبی ثابت کر دیا کہ جزیہ کو مسلمانوں نے نہیں پیدا کیا۔ ایرانی زبان کے لفظ گزیہ کا معرب اور نوشیروان عادل کا ایجاد اور مقرر کیا ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایران و عرب میں خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو بادنیٰ تغیر اسلام میں رائج ہیں نوشیرواں کے عہد میں مرتب ہوئے۔ علامہ ابن الاثیر جوزی نے تاریخ الکامل کے پہلے حصہ میں ایک مضمون اس عنوان سے لکھا ہے **ذکر ما فعلہ کسریٰ فی امر الخراج والجند** جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نوشیروان نے زمین کی پیمائش کرائی اور مختلف شرحوں کی جمع مقرر کی اور تمام لوگوں پر باستثنائے اہل فوج و رؤسا و ارکان دولت جزیہ مقرر کیا جس کی تعداد بارہ درہم۔ آٹھ درہم۔ چھ درہم۔ چار درہم تک تھی (ابن اثیر نے اس موقعہ پر جزیہ ہی کا لفظ) استعمال کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی ایسی اصطلاح نہیں ہے جو مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ مخصوص ہو۔ نوشیروان اور اُس کی ایرانی رعایا کا ایک مذہب تھا تاہم جو ٹیکس اُن پر لگایا گیا تھا مسلمان اُس کو جزیہ ہی کہتے تھے) زر خراج کے ذکر کے بعد مورخ مذکور لکھتا ہے کہ "وھی الوضائع التی اقتدی بھا عمر بن الخطاب" یعنی حضرت عمرؓ نے انہیں قاعدوں کی تقلید کی۔ اور جزیہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے کو جزیہ سے معاف کیا۔ جس غرض سے نوشیروان نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا اسکی وجہ علامہ موصوف نے

نوشیروان نے انہی سے یہ مثل لی ہے کہ اہل فوج ملک کے محافظ ہیں اور ملک کے لیے اپنی جانیں خطرہ میں ڈالتے ہیں اس لیئے لوگوں کی آمدنی سے اُن کے لیئے ایک خاص رقم مقرر کی گئی کہ اُن کی محنتوں کا معاوضہ ہو اس کی تائید میں ہمارے مورخ فردوسی کے اشعار نقل کرنے کے بعد اسلام نے جو انتظام قایم کیا اس کی رُو سے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لیئے مجبور کیا جا سکتا تھا۔ یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا اور لوگ اگر ذرا بھی اُس سے بچنے کا حیلہ پاجاتے تھے تو اُس سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے چنانچہ ایک بار جب جزیرہ سسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے بری کر دیئے گئے تو سینکڑوں آدمیوں نے اور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کر لیا۔

اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری ہیں جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہل فوج کو اس ٹیکس (جزیہ) سے بری رکھا تھا لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جن کی حفاظت مسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی ان کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا نہ وہ لوگ ایسی پُرخطر خدمت کے لیئے راضی ہو سکتے تھے اس لیئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کے لیئے کوئی ٹیکس ادا کریں۔ اسی ٹیکس کا نام جزیہ تھا۔ جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں شریک ہونا یا شرکت کے لیئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کر دیئے گئے۔

جزیہ کا معاوضہ حفاظت ہونا مسلمانوں میں علمی و عملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور سچ یہ ہے کہ اسی خیال نے اکثر اہل لغت کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزاء سے نکلا ہے جس کے معنی بدلہ کے ہیں اور چونکہ یہ ٹیکس بھی ایک معاوضہ اور بدلہ ہے لہذا اس مناسبت سے اُس کا نام جزیہ رکھا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کے جو معاہدے تاریخوں میں منقول ہیں اُن سے عموماً پایا جاتا ہے کہ جزیہ اُن لوگوں کی محافظت کا معاوضہ تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے والئے ایلۃ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا اُس میں یہ الفاظ مندرج فرمائے "یحفظوا و یمنعوا" یعنی اُن لوگوں کی حفاظت کیجائے اور دشمنوں سے بچائے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں اور مسلمانوں کو اُن کی طرف سے اُن کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہیئے"۔ اس موقعہ پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں جن سے نہایت صاف اور مصرح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ حفاظت کا ایک ٹیکس تھا اور غیر مذہب والے جو مسلمانوں کی رعایا تھے یہی سمجھکر یہ ٹیکس ادا کرتے تھے۔

هذا کتاب من خالد بن الولید لصلوبا ابن نسطوتا و قومه انی عاهدتکم علی الجزیة والمنعته فلك الذمة والمنعته۔ ما منعناکم فلنا الجزیة والا ملا کتب سنة اثنی عشرة فی صفر۔

ترجمہ "یہ خالد بن الولید کی تحریر ہے صلوبا من نسطوتا اور اُس کی قوم کے لیئے۔ میں نے تم سے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر۔ پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہمپر ہے۔ جب تک ہم تمہاری محافظت کریں ہمکو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں۔ سنہ بارہ ہجری میں لکھا گیا"۔

عمالان اسلام نے عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندوں کو جو عہدنامے لکھے اور جن پر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے اُن کے ملتقط الفاظ یہ ہیں :-

براءۃ لمن کان من کذا و کذا من الجزیۃ التی صالحھم علیھا الامیر خالد بن الولید وقد قبضت الذی صالحھم علیہ خالد والمسلمون لکم بذٰلک علی من بدّل صلح خالد ما اقرّھم بالجزیۃ - وکنتم امانکم امانٌ وصلحکم صلحٌ ونحن لکم علی الوفاء ؛

ترجمہ "اُن لوگوں کے لیئے جنہوں نے اس اس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے اور جن پر خالد بن ولید نے اُن سے مصالحت کی ہے یہ برات نامہ ہے - خالد اور مسلمانوں نے جس تعداد پر صلح کی وہ ہمکو وصول ہوئی - جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے اُسکو تم لوگ مجبور کر سکتے ہو بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو - تمہاری امان امان ہے اور تمہاری صلح صلح" (یعنی جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کرینگے - اور جس کو تم امان دوگے ہم بھی امان دیں گے) ؛

اس کے مقابلہ میں عراق کی رعایا نے یہ تحریر لکھی :-

انا قد ادینا الجزیۃ التی عاھدنا علیھا خالد - علی ان یمنعونا و امیرھم لبغی من المسلمین وغیرھم .

ترجمہ "ہمنے وہ جزیہ ادا کر دیا جسپر خالد سے معاہدہ کیا تھا - اس شرط پر کہ مسلمان اور نیز اور تمام قومیں اگر ہمکو گزند پہنچانا چاہیں تو جماعت اسلام اور اُن کے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں" ؛

اِن تحریروں سے جو ہم نے اس موقع پر نقل کیں اور نیز اور تمام معاہدوں سے جو تاریخوں میں مذکور ہیں ہدایۃً یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اُسی اصول کی بنا پر تھا جو نوشیروان عادل نے قایم کیا تھا - لیکن اسپر بھی اگر کسی کو شبہ رہے تو ذیل کے واقعہ سے رہا سہا شک بھی رفع ہو جائے گا - ابو عبیدہ جراح نے جب متواتر شام میں فتوحات حاصل کیں تو ہرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیئے تیار کی - مسلمانوں کو اُس کے مقابلہ میں بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا اور اُن کی تمام قوت اور توجہ فوجوں کی تربیت میں مصروف ہوئی - اُس وقت حضرت ابو عبیدہ امین افسر فوج نے اپنے تمام عاملوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر مامور تھے لکھ بھیجا کہ جس قدر جزیہ و خراج جہاں جہاں وصول کیا گیا ہے سب اُن لوگوں کو واپس دیدو جن سے وصول ہوا تھا - اور اُن سے کہدو کہ ہم نے تم سے جو کچھ لیا تھا اس شرط پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کر سکیں لیکن اب اس واقعہ کے پیش آجانے کی وجہ سے ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے :- ابو عبیدہ کے خاص الفاظ جن میں عیسائیوں سے خطاب ہے

علینا ان نمتعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم۔ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور لاکھوں روپیہ بیت المال سے نکلکر اُن لوگوں کو پھیر دیئے گئے جو رقم وصول ہوئی تھی اُس کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف حمص سے قریباً آٹھ لاکھ پونڈ جزیہ وخراج میں ملے تھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل کھول کر دُعا دی اور کہا کہ خدا پھر تمکو ہمارے شہروں کی حکومت دے۔ رومی ہوتے تو اس موقع پر واپس کرنا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے۔ ان سب باتوں سے زیادہ یہ امر اس دعوے کے لیئے دلیل بیّن ہے کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضامندی ظاہر کی تو وہ اُسی طرح جزیہ سے بری رہے جس طرح خود مسلمان ؛

معاہدات میں یہ تصریح کہ جزیہ کے عوض ہم تمہاری اندرونی وبیرونی حفاظت کے ذمہ وار ہیں جب حفاظت پر قدرت نہ ہو تو جزیہ کا واپس کر دینا۔ جو قومیں فوجی خدمت پر آمادہ ہوں اُن کو جزیہ سے بری رکھنا۔ کیا ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد بھی شبہ رہ سکتا ہے کہ جزیہ کا مقصد وہی تھا جو ہمنے بحث کے آغاز میں بتایا ہے ؛

جزیہ کے مصارف یہ تھے۔ لشکر کی آراستگی۔ سرحد کی حفاظت۔ قلعوں کی تعمیر۔ ان سے بچا تو سڑکوں اور پُلوں کی تیاری۔ سررشتہ تعلیم۔ بے شُبہ اس خاص رقم سے مُسلمانوں کو بھی فائدہ پُہنچتا تھا اور پُہنچنا چاہیئے تھا۔ مُسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے۔ جانیں لڑاتے۔ مُلک کو تمام خطروں سے بچاتے۔ پس جس طرح اُن کے جسم وجان سے ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی اگر ذمیوں کے مال سے مُسلمانوں کو بھی فائدہ پُہنچتا تھا تو کیا بیجا تھا۔ اس کے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مُسلمانوں سے وصول کیجاتی تھی اُس میں ذمّی رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ "خدا کے اِس قول میں" انما الصدقات للفقراء والمساکین" (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لیئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں" ؛

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس۲۰ روپیہ سالانہ تھی کسی کے پاس لاکھوں روپے ہوں تو اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا۔ عام شرح چھ۶ روپیہ اور تین۳ روپیہ سالانہ تھی۔ بیس۲۰ برس سے کم اور پچاس۵۰ برس سے زیادہ عُمر والے اور عورتیں۔ مفلوج۔ معطل العضو۔ نابینا۔ مجنون۔ مفلس یعنی جس کے پاس دوسو۲۰۰ درہم سے کم ہوں۔ یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹیکس جس کی تعداد اِسقدر قلیل تھی جس کے ادا کرنے سے فوجی پُرخطر خدمت سے نجات مِل جاتی تھی۔ جس کی بُنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی۔ کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے جیسکہ اہل یورپ نے خیال کی ہے۔ کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اُس سے بچنے کے لیئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا۔ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہمکو اُس کے مذہب کے ضائع ہونیکا رنج بھی نہ کرنا چاہیئے۔ جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے اُن کو اسلام نے جس قدر حقوق دیئے کون حکومت اُس سے زیادہ دے سکتی ہے ؟

عیسائی مؤرخوں نے جزیہ کی بحث میں عجیب غلطیاں کی ہیں۔ بعض وقت اُنہوں نے فدیہ اور جزیہ میں تمیز نہیں کی اور فدیہ کو جزیہ سمجھ لیا ہے۔ جو جنگ کے قیدیوں کی رہائی کے بدلے میں ایک رقم لی جاتی تھی شاید ایسی ہی

غلطی کی بنا پر مسٹر لین نے اپنی کتاب مدالقاموس میں لکھا ہے کہ "جزیہ قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ تھا مگر یہ اُن کی نہایت غلطی ہے کیونکہ امن کا ہو جانا یعنی لڑائی کا موقوف ہونا صلح کا ہو جانا یا کسی قسم کا معاہدہ ہونا گو کہ امیر جزیہ کا دینا نہ قرار پایا ہو قتل سے محفوظی کا سبب ہوتا تھا نہ کہ جزیہ دینا"[1]

جزیہ کے مقابلے میں جو ٹیکس زکوٰۃ مسلمانوں سے لیا جاتا تھا وہ جزیہ سے بدرجہا زیادہ سخت تھا سونے چاندی۔ اُونٹ۔ گائے۔ بکری سب پر جداگانہ شرحیں۔ فرض کرو کہ ایک ذمی کے پاس چالیس ہزار روپیہ ہیں جسکی تجارت سے وہ فائدہ اُٹھا رہا ہے اور ایک مسلمان کے پاس بھی اُسیقدر رقم ہے۔ لیکن اُس کو کوئی آور آمدنی نہیں ہے۔ ذمی کو تو سال بھر میں صرف تین روپیہ چھ روپیہ یا زیادہ سے زیادہ بارہ روپیہ دینے پڑیں گے اور مسلمانوں کو پورا چالیسواں حصہ ایک ہزار روپیہ دینا پڑے گا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں بھی جزیہ کسی کو مسلمان ہونے پر رغبت دلا سکتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اگر ٹیکس کی کمی وبیشی پر دین یا مذہب کا مدار ہوتا تو مسلمانوں کا ٹیکس اُن کو جزیہ کے مقابلے میں اسلام چھوڑ کر ذمی ہو جانے کی رغبت دلاتا۔ ممالک مفتوحہ کی رعایا کے جان و مال جس حال میں مسلمانوں کے قبضہ و اختیار میں تھے اگر اُن کو اپنی رعایا کو لوٹنا اور مسلمان کرنا ہی مقصود ہوتا تو ایک خفیف سی رقم سالانہ اپنے ان اغراض کے حاصل کرنے کے واسطے بہانہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ہر ایک طرح سے لوگوں کو مسلمان کر سکتے تھے مگر ہمکو یقین ہے کہ مسلمانوں کی نسبت ہر ایک قسم کا الزام جھوٹا اور غلط ہوگا۔ سر ولیم میور اقرار کرتا ہے کہ "رعایا عام طور پر اپنے مذہب پر رہی اور اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اُن کے عبادت خانوں کی حفاظت اور عبادت کی عزت و تعظیم کی گئی"[2]

جزیہ کے وصول کرنے میں حضرت عمرؓ جو رحم اور رعایت کرتے تھے اُس کی بھی مثالیں ہیں۔ ایک دفعہ جب آپ سفر شام سے واپس آرہے تھے راستہ میں ایک جماعت کو دیکھا جو دھوپ میں کھڑی کر کے تکلیف دیجارہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ اُن لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے اور اس سبب سے اُن کو تکلیف دیجارہی ہے کہ تکلیف کے خوف سے ادا کردیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کیا عذر کرتے ہیں۔ بتایا گیا کہ وہ ناداری بیان کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ "اُن کو چھوڑ دو اور اُنہیں تکلیف مت دو۔ رسول اللہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں لوگوں کو عذاب نہ دو۔ جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیں گے قیامت کے دن خدا اُن کو عذاب دیگا"[3] پس آپ کے حکم سے وہ چھوڑ دیئے گئے۔

کسی اور عذر سے عذر اور پاس پر جزیہ بالکل معاف بھی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جرجومہ اور اُسکے قرب و جوار کے مضافات جزیہ بالکل معاف کر دیا تھا اور یا قیطیہ کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کر دیئے گئے تھے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ

---

[1] تفسیر القرآن از سر سید احمد خاں صاحب جلد چہارم صفحہ ۱۰۷

[2] دی خلافت صفحہ ۳۹

[3] ازالۃ الخفا باب سیاست للماسون صفحہ ۲۲

اُن عاملوں سے جو مال کم جمع کرتے تھے راضی اور خوش ہوتے تھے ورنہ زیادہ ستانی کا شبہ کرتے تھے یہاں تک کہ ابوہریرہ جیسے بزرگ صحابی سے اسی بنا پر بدگمان ہوئے تھے۔ لیکن تعجب ہے کہ بیہودہ سراؤں نے حضرت عمرؓ کی اس خاص طبیعت اور عادت کو بھی الزام سے پاک نہیں رہنے دیا۔ لیکن کوئی عقلمند آدمی اُس سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔ سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ "مجھ کو بیان کرنا چاہیئے کہ پچھلے زمانہ کے اور غیر معتبر راویوں نے ایک طویل خط و کتابت بیان کی ہے جو حضرت عمرؓ اور عمرو بن العاص کے درمیان ہوئی ہے جس میں کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص کو مصر سے ایسا بڑا خراج نہ بھیجنے پر جیسا کہ اُس کے قدیم فراعنہ اُس سے وصول کرتے تھے ملامت کی۔ عمرو بن العاصؓ نے اِس اتہام کو بُرا مانا۔ حضرت عمرؓ نے اسپر اپنے ایلچی محمد بن مسلمہ کو تحقیقات کے واسطے بھیجا اور نیز عمرو بن العاص کو معزول کر کے عبداللہ ابن ابوسارہ کو عامل مصر مقرر کیا۔ اس خط و کتابت کو گو ویل نے قبول کر لیا ہے لیکن میرے نزدیک (سر ولیم میور لکھتے ہیں) غیر معتبر اور غلط ہے۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت کے یہ امر خلاف تھا کہ ایسے سخت یا نامناسب الفاظ میں خطوط لکھیں یا اپنے عمال پر اُس صوبہ سے زیادہ ستانی کر کے جس کے وہ حاکم تھے خراج بھیجنے کے واسطے دباؤ ڈالیں۔ اُن کو کسی زاید خراج کی جیسا کہ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کوئی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ دُنیا کے خزانے اِس وقت مدینہ میں لدے چلے آ رہے تھے اور ابن ابوسارہ کی نسبت تو یہ ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک عمرو بن العاص کی جگہ نہیں مقرر ہوا۔[1]

غرض یہ جزیہ اور جزیہ کی حقیقت ہے جس کو اہل یورپ نے ایک ایسا ناگوار لفظ بنا دیا ہے کہ اُس کے مونھ سے نکلتے ہی مسلمانوں کی نسبت عجیب و غریب خیالات اُن کے دل میں جوش مارتے ہیں۔ لیکن مہذب دنیا کے ٹیکسوں کے روبرو وہ ایک بے حقیقت ٹیکس تھا۔ انکم ٹیکس اور انڈائرکٹری ٹیکس۔ سالٹ ٹیکس۔ چنگی۔ سٹرکانہ۔ مدرسانہ۔ چوکیداری۔ اسٹامپ۔ کورٹ فیس مختص المقام اور محصول مسکرات اور سینکڑوں قسم کے محصولوں کے ناموں سے اُس زمانے میں کوئی واقف نہ تھا۔

خیر جزیہ کی نسبت تو اہل یورپ نے تعصب سے یا غلط فہمی سے جو کچھ لکھا ہے اُسکی نسبت اتنی بات تو صحیح ہے کہ جزیہ کے نام کا ایک ٹیکس تھا جو ذمیوں پر لگایا گیا تھا اور اتنا بھی غنیمت ہے کیونکہ اہل یورپ اپنے اس قسم کے الزاموں کی بنیاد جس سے وہ مسلمانوں کی بدنامی کرتے ہیں ہمیشہ ایسے واقعات پر نہیں رکھتے جن کا وجود ہو بلکہ ایسے واقعات پر بھی رکھتے ہیں جن کا کوئی وجود کوئی اصل اور کوئی حقیقت نہ ہو۔ سکندریہ کا کتب خانہ جلانے کا الزام حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت پر اسی قسم کا واقعہ ہے جسپر عیسائی مورخوں اور عالموں کے نابینا خیالات نے ایک زمانے تک بہت کچھ طبع آزمائی کی ہے لیکن شکر ہے کہ آخر نہیں میں اختلاف اور انکار پیدا ہو گیا اور اسلامی مورخ اس بے اصل الزام کے غلط ثابت کرنے سے بہت کچھ سبکدوش ہو گیا تاہم علامہ شبلی کا رسالہ اِس مضمون پر

---

[1] اُمرائے عرب خلافت صفحہ ۴۸۔

سکندریہ کے کُتب خانے کے جلانے کے واقعہ کی ایجاد ابوالفرج ایک عیسائی مورخ سے منسوب کیجاتی ہے جو ایک یہودی طبیب کا بیٹا ۱۲۲۶ء عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ "منسوب" کا لفظ ہمنے اس لیئے لکھا ہے کہ خود ابوالفرج کی دو تاریخیں ہیں۔ ایک سریانی زبان میں اور دوسری جو اُسکا خلاصہ ہے عربی زبان میں ہے جس کا نام مختصر الدّول ہے یہ واقعہ اُسکی اصل تاریخ میں جو سریانی زبان میں ہے نہیں پایا گیا ہے۔ صرف عربی خلاصہ میں مذکور ہوا ہے۔ بہرحال ابوالفرج سب سے اوّل اس واقعہ کا بیان کرنیوالا ہے اور وہ اس کو اس طرح پر بیان کرتا ہے کہ "جب عمرو بن العاص نے سکندریہ کو فتح کیا تو یحییٰ نحوی ایک وہاں کا عالم شخص عمرو بن العاص کے پاس آنے جانے لگا۔ عمرو بن العاص اُس کی بہت عزّت و حرمت کرتے تھے کیونکہ عمرو بن العاص خود عاقل۔ خوش فہم اور صحیح الفکر شخص تھا۔ اُس نے یحییٰ کی صحبت کو لازم پکڑ لیا اور اُسکو اپنے پاس سے جُدا نکرتا تھا۔ ایک دن یحییٰ نے عمرو سے کہا کہ سکندریہ کی تمام چیزوں پر آپ قابض ہیں۔ سو جو چیزیں کہ آپ کے کام کی ہیں اُن سے مَیں تعرض کرنا نہیں چاہتا لیکن جو چیزیں آپ کے کام کی نہیں ہیں اُن کے تو ہمیں لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ عمرو نے کہا کہ تمکو کیا درکار ہے۔ یحییٰ نے کہا فلسفہ کی وہ کتابیں جو شاہی کتب خانوں میں ہیں۔ عمرو نے کہا کہ اس کی نسبت مَیں امیر المومنین عمر بن الخطاب کی اجازت کے بغیر کوئی حکم نہیں دیسکتا عمرو نے یحییٰ کی درخواست کی اطلاع عمر رضؓ بن الخطاب کو دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ جن کتابوں کا تمنے ذکر کیا ہے وہ اگر خدا کی کتاب کے موافق ہیں تو خدا کی کتاب کے ہوتے اُن کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اُن کے مضامین خدا کی کتاب کے مخالف ہیں تو تم اُن کو برباد کرنا شروع کرو۔ عمرو بن العاص نے اُن کتابوں کو سکندریہ کے حماموں میں تقسیم کرنا اور اُن کو جلوانا شروع کیا۔ پس وہ چھ مہینے میں جلکر تمام ہوئیں۔ سو جو کچھ ہوا اُسکو سُنو اور تعجّب کرو"۔

ابوالفرج کی اس روایت کے بعد یہ واقعہ اسی طرح تسلیم ہوتا چلا آتا تھا۔ کسی کو اُس کی نسبت تحقیق و تفتیش کا خیال تک نہ آیا۔ لیکن آخر کار گبن مورخ اعظم نے اس واقعہ کو تحقیق کی نگاہ سے دیکھا اور لکھا کہ مَیں اس کی اصلیت اور اُس کے نتائج دونوں سے انکار کرتا ہوں۔ گبن نے اپنے انکار کی وجہوں کو ان سادہ مگر صحیح دلائل پر مبنی کیا ہے کہ ابوالفرج اس واقعہ کے پانسو برس بعد پیدا ہوا۔ اُس کے سوا کسی اور مورخ حتیٰ کہ خود عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا۔

درحقیقت کوئی تاریخ کا عالم اور محقق ایک لمحے کے واسطے بھی اس واقعہ کے بیان کی صحت پر یقین نہیں کرسکتا۔ عیسائی مورخ ابوالفرج کی نسبت فتح اسکندریہ کے زمانے کے بہت قریب تھے اور جنہوں نے سکندریہ کی فتح کے حالات مفصّل لکھے ہیں کہیں اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتے۔ یوسیکس المتوفی ۹۴۰ء جو دسویں صدی عیسوی میں سکندریہ کا بطریق تھا اور الملکین جو واقعہ مفروضہ کے تین سو برس بعد تھا اپنی تاریخوں میں اس واقعہ کی نسبت ایک حرف بھی نہیں لکھتے۔ گبن اور کرل نے اسی دلیل سے اس واقعہ کو بے اصل ٹھہرایا ہے۔ اور یہ کوئی معمولی دلیل

اس کے سوا مسلمان مؤرخوں نے جنہوں نے دوسری ہی صدی اسلامی کے وسط میں تصنیف و تالیف شروع کی ہے کسی نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ کوئی امر اُن کو اس بیان کرنے سے مانع نہیں تھا۔ ابوالفرج کی روایت کو اگر صحیح سمجھا جائے تو مسلمانوں نے اس کام کو ایک عمدہ کام سمجھکر کیا تھا اور خصوصاً خلفائے راشدین کے افعال و اقوال بغیر کسی بحث کے متبرک اور افضل سمجھے جاتے تھے۔ پس کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان مورخ اپنی تاریخوں اور روایات کے مجموعوں میں اس واقعہ کو بیان نہ کرتے۔ اس واقعہ کے مدعی عیسائیوں کو بھی یہ اعتراض ہو جہاں دیا تو ان میں کسی بڑے طباع نے چار اسلامی نام لے دیئے۔ ابن خلدون۔ عبداللطیف بغدادی۔ مقریزی۔ حاجی خلیفہ۔ ابن خلدون کا نام البتہ ڈالنے والا تھا کیونکہ وہ نہایت معتبر تاریخ اسلام کی ہے۔ لیکن ابن خلدون کا نام لینا صرف ایک بے شرمانہ حوصلہ اور بے غیرت جرأت ہی معلوم ہوئی۔ کیونکہ ابن خلدون نے اس واقعہ کو کبھی نہیں لکھا۔ مقریزی نے اپنی تاریخ مصر میں صرف عبداللطیف کی عبارت نقل کی ہے۔ حاجی خلیفہ کے الفاظ کو علامہ شبلی نے نقل کیا ہے۔ اُس بیچارے نے سکندریہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ عبداللطیف باقی رہتا ہے۔ اُس نے ساتویں صدی ہجری کے شروع میں ایک مصر کی تاریخ لکھی ہے جس میں ایک ستون کے ذکر میں وہ لکھتا ہے کہ "یہ وہی جگہ ہے جہاں بیان کرتے ہیں کہ مصر کا کتب خانہ تھا جس کو عمرو بن العاص نے عمر بن الخطاب کے حکم سے جلایا تھا۔ عبداللطیف کے بیان کو کوئی شہادت نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ ایک سنی سنائی افواہ کا ذکر کر رہا ہے۔ مسٹر کریل بھی کہتے ہیں کہ عبداللطیف کا بیان محض علی سبیل التذکر معلوم ہوتا ہے۔ عبداللطیف نے اور جو حالات افواہی لکھے ہیں وہ بھی سب غلط ہیں۔ چنانچہ سپیکٹیٹر مورخہ ۱۳۔ جون میں اسی مضمون پر بحث کرتے ہوئے ایک شخص نے لکھا تھا کہ کتب خانے کا جلایا جانا تو ایک طرف عبداللطیف نے اس کے ساتھ اور جو واقعات بیان کیے ہیں وہ کون سی سچے ہیں۔ ہمکو اُمید ہے کہ اہل یورپ کے ایسے دھوکے چل جانے کے دن اب گزر گئے ہیں ؛

اصل یہ ہے کہ سکندریہ کا کتب خانہ مسلمانوں کی فتح سے ایک مدت پہلے خود عیسائی بادشاہوں کے ہاتھ سے جل چکا تھا۔ جولیس سیزر کے محاصرے میں کتب خانے کے جل جانے کو گبن اور کریل دونوں صاف طور پر مانتے ہیں اور کتابوں کی بربادی متعصب عیسائی پادریوں کا کام بتاتے ہیں۔ سورنیان ایک فرانسیسی عالم اسلام کی مخالفت میں لکچر دیتے ہوئے اس بات کو مجبوراً مان گیا ہے کہ یہ الزام کہ عمر نے کتب خانہ سکندریہ کو برباد کر دیا صحیح نہیں ہے۔ کتب خانہ مذکور اس زمانے سے پہلے برباد ہو چکا تھا۔ ڈریپر بھی مانتا ہے کہ آدھا کتب خانہ تو جولیس سیزر نے جلایا تھا اور باقی پادریوں نے دانستہ برباد کر دیا تھا۔ عیسائی مؤرخ جب شاہی کتب خانے کا مسلمانوں سے چلنا ثابت کرنے سے ناامید ہوئے ہیں تو انہوں نے سرا پیم کے ایک اور کتب خانے کا نام لے دیا ہے لیکن اس ایجاد کو کوئی بھی نہ سنیگا کیونکہ ابوالفرج خود شاہی کتب خانہ کا ذکر کرتا ہے جس کی روایت پر یہ طوفان اُٹھایا گیا ہے ؛

غرض کتب خانہ کے جلانے کی تاریخی شہادتوں کا تو یہ حال ہے۔ درایۃً ہمارے مؤرخ نے اس الزام کو قطعی پوچ ثابت کر دیا ہے۔ کم سے کم سکندریہ کے چار ہزار حماموں میں چھ ماہ تک کتابیں جلانا اگر چار لاکھ یا سات لاکھ ہی

ایک کتاب یا آدھی کتاب ہر روز جلائی جائے۔ یا کتاب اتنی بڑی تھی کہ آدھی کتاب دن بھر کے ایندھن کے واسطے کافی ہوتی تھی۔ ڈریپر مانتا ہے کہ کتابیں چمڑے پر لکھی ہوئی تھیں۔ اُمید ہے کہ جیسے ڈریپر حیران ہو کر پوچھتا ہے اُس زمانے کا چمڑا بھی ایندھن کا کام نہیں دیتا ہوگا ؛

عمرو بن العاص اُس کے بعد چھ ماہ تک سکندریہ میں نہیں رہا۔ عیسائیوں ہی کو کتابوں کا ایندھن پسند ہوگا ورنہ وہ اُس کے چلے جانے کے بعد اُن کو بچا سکتے تھے۔ مسلمانوں کا جو عام برتاؤ اہل ذمہ کے ساتھ وہی مصر کے ساتھ بھی برتا گیا۔ عمرو بن العاص کے معاہدے کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ "عمرو بن العاص نے اہل مصر کو اُن کی جان، خون، مال متاع، مذکو امان عطا کی"۔ اور نیز یہ کہ "اُن کی زمین اور مال اُنہیں کا رہے گا اور اُن میں سے کسی چیز میں تعرض نہ کیا جائے گا"۔ کیا حضرت عمرؓ کا عام سلوک جو ذمیوں کے ساتھ تھا ایک لمحہ کے واسطے کسی ایسے شبہ کو جگہ دیتا ہے کہ اُنہوں نے کتابوں کے جلانے کا حکم دیا ہوگا۔ کیا مشرکین اور عیسائیوں کے معبدوں اور گرجوں سے جہاں علانیہ بُت پرستی ہوتی تھی اور جن کی حفاظت کے وہ ذمہ دار ہوتے تھے اور معاہدوں میں جن کی نسبت یہ خاص الفاظ ہوتے تھے کہ "کوئی گرجا اور عبادت گاہ شہر کے اندر یا باہر نہ گرایا جائے گا"۔ کتابیں زیادہ ناپاک تھیں۔ عمرو بن العاص نے مصر کے متعلق تمام امور کا فیصلہ اپنی رائے سے کیا اور خود ہی معاہدے اور شرطیں کیں۔ ابو الفرج خود اُس کا علم دوست ہونا مانتا ہے۔ کیا کتب خانے سے اُس کو کوئی خاص دشمنی تھی کہ اُس کی نسبت خود نہ فیصلہ کیا اور حضرت عمرؓ کی رائے پوچھ بھیجی۔ ایک اور تاریخی شہادت یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے جو مفصل خط بعد فتح سکندریہ حضرت عمرؓ کو لکھا اُس میں سکندریہ کے تمام جزوی حالات بیان کیے ہیں مگر ابو الفرج کے فرضی کُتب خانے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ عیسائی مؤرخ اس صاف بات پر بھی نظر نہیں کرتے کہ اگر سکندریہ کا کُتب خانہ مسلمانوں نے جلا دیا تھا تو مصری یونانیوں کی ہزارہا کتابیں مسلمانوں کے پاس کہاں سے پہنچیں۔ خود یحییٰ نحوی کی تصانیف میں سے جو کتب خانے کا مہتمم تھا اور کُتب خانہ کی درخواست عمرو بن العاص سے کرتا تھا چالیس پچاس سے زیادہ کتابیں عربی زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ اگر سکندریہ کا کتب خانہ عمرو بن العاص کے زمانے میں برباد ہو گیا تھا تو یحییٰ نحوی کی تصانیف سب سے پہلے برباد ہونی چاہیئے تھیں ؛

غرض سکندریہ کے کتب خانے کی نسبت بھی مانا جائیگا کہ اسلام کے زمانے سے پہلے تمام کُتب خانے برباد ہو چکے تھے جس کے اسباب و اتفاقات مورخوں نے بتفصیل لکھے ہیں۔ لیکن اِن حوادث سے بھی علمی آثار بالکل معدوم نہیں ہو سکتے تھے اور بربادی کتب کے زمانے سے مسلمانوں کے وقت تک جو سرمایہ جمع ہو کر رہ گیا تھا وہ ہرگز ضائع نہیں ہوا بلکہ مسلمانوں نے اُن کی نہایت قدر کی اور یادگار زمانہ قدیم کے طور پر محفوظ رکھا۔ چنانچہ ہزارہا کتابیں اور بطلیموس کے بنائے ہوئے گرہے تک محفوظ رہے اور مسلمانوں نے نہایت قدر کی ؛

علامہ شبلی نے اپنی بحث کے شروع میں لکھا ہے کہ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یورپ کو کتب خانۂ اسکندریہ

نہیں۔ اُس کو بادشاہان مصر نے قایم کیا تھا جو بُت پرست تھے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے بہت پہلے تھے۔ شاید یہ کہا جائے کہ یورپ کی عام قدر دانی اور ہمدردی کا اثر ہے۔ لیکن اِس حالت میں اسکندریہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے اِنہیں ممالک میں اور بھی بہت بڑے بڑے کتب خانے برباد ہوئے۔ اُن پر یورپ میں یہ شور وغل کہاں ہوا۔ اسکندر نے ایران کے کُتب خانے جو برباد کیے اُن کی تشہیر کس نے کی؟ اسپین میں خود عیسائیوں نے مسلمانوں کی تمام علمی یادگاروں کو مٹا دیا اور کئی لاکھ کتابیں برباد کر دیں۔ کس نے اُس کا ماتم کیا؟ پھر کتب خانہ سکندریہ کے ساتھ خاص ہمدردی کیوں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اِس کُتب خانے کو خود عیسائیوں نے برباد کیا اور بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب اُسکی بربادی میں شریک تھے۔ اُس وقت تو یہ امر فخر کا باعث تھا لیکن جب کسی قدر تہذیب وشایستگی کا زمانہ آیا تو یورپ نے دیکھا کہ اُسکے دامن پر یہ بہت بڑا بدنما داغ ہے۔ اُس کے مٹانے کی اِس کے سوا اَور کوئی تدبیر نہ تھی کہ یہ الزام کسی دوسری قوم کے سر منڈھا جائے۔ متعصب عیسائیوں نے اِس گم شُدگی کو فاتحان اسلام کی طرف منسوب کر دیا اور چونکہ اِس زمانے میں تمام یورپ تعصب سے لبریز تھا اور کسی قسم کی علمی ترقی کا اثر نہ تھا کسی نے غور وتحقیق کی پرواہ نہ کی اور نہایت تیزی سے یہ روایت تمام یُورپ میں پھیل گئی۔ یُورپ نے اِس ہمدردی سے اِس واقعہ کا ماتم کیا کہ وہ اُنہیں کا خاص کُتب خانہ تھا۔ چنانچہ عوام کا آج تک یہی خیال ہے اِس عام شہرت نے یہ بڑا فائدہ دیا کہ عیسائیوں کی طرف اس الزام کو منسوب کرنے کا کسی کو خیال بھی نہ آیا کیونکہ ظاہر ایہ ایک بدیہی بات ہے کہ کوئی قوم اپنا سرمایۂ آپ نہیں برباد کر سکتی"۔

حضرت عمرؓ کے حالات میں ایک واقعہ اِس قسم کا ضرور بیان ہوا ہے مگر تاہم وہ اِس بہتان عظیم کی بُنیاد نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص نے اُن کے سامنے ذکر کیا کہ مدائن کی فتح میں ایک کتاب ملی تھی۔ اُس شخص نے اُس کی بہت تعریف کی حضرت عمرؓ اسپر ناراض ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب قصہ کہانیوں کی تھی۔ کیونکہ جب حضرت عمرؓ نے یہ آیت پڑھی کہ "نحن نقص علیك احسن القصص" تو کہا کہ تم سے پہلے لوگ اسی طرح ہلاک ہوئے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے علماء اور اساتذہ کی کتابوں کی طرف توجہ کی اور توریت اور انجیل کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اُن کا علم جاتا رہا[1]۔ یہ ایک نہایت پُرمعنی اور پُرحکمت نصیحت تھی مگر کتاب کے جلانے وغیرہ کا اِس میں کچھ ذکر نہیں ہے۔ غرض اِس الزام کی کوئی ادنےٰ وجہ اور بنا بھی تلاش کرنے سے نہیں مل سکتی۔ اِسی سبب سے سر ولیم میور نے اِس واقعہ کے ذکر کو متروک کر دیا ہے اور اُن کی دونوں کتابوں میں اِس کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

اِس باب کے خاتمے پر ہمکو حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کے اُس واقعہ کا یاد کرنا بھی شاید ضروری ہو جو عیسائیوں اور یہودیوں کی ایک قوم کو عرب سے اُٹھا کر ۲۰ھ ہجری میں شام اور عراق میں آباد کرنے کا تھا۔ مختلف وجوہات اور حالات جو اِس کا سبب بیان کیے جاتے ہیں اُن کی تنقیح کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ بات تو آسانی سے قیاس

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۱۹۹

کیجا سکتی ہے کہ اُس کی کسی قوت کا ایران اور شام کے فاتح کو خوف نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے سوا جو وجوہات ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ خود اُس قوم کے اپنے درمیان فتنہ اور اُن کی اپنی خواہش کا نتیجہ تھا۔ اُن کی سُود خواری اور بداخلاقی بھی جس کا اثر مسلمانوں تک پہنچتا تھا شاید داخل وجوہات ہو۔ یہودیوں کو ایک قتل کے جُرم کا مُجرم بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے خیال میں کوئی دُور اندیش احتیاط بھی ہو۔ عیسائی مورخ کہتے ہیں کہ اسکی وجہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا کہ "عرب میں صرف ایک مذہب رہیگا" اگر یہ بھی صحیح ہو تو کچھ ہرج نہیں۔ اس تبدیلی سے عیسائیوں اور یہودیوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ زمین کے عوض اُن کو زمین دی گئی۔ ملک و اسباب کی قیمت دی گئی۔ اپنا اسباب جو نہ لیجانا چاہیں اُن کو اطمینان سے فروخت کر لینے کا حکم دیا گیا۔ شام اور عراق میں مُسلمانوں ہی کی حفاظت اور حکومت میں بڑے امن سے جا کر آباد ہوئے۔ عیسائی مورخ مانتے ہیں کہ عیسائیوں کی اس قوم کے ساتھ جو معاہدہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے اور جو حقوق اُن کو دے چکے تھے خلفاء ہمیشہ اُس کے پابند رہے اور اُن کی تعداد کے موافق جزیہ جو وہ ادا کرتے تھے ہمیشہ کم کر دیا جاتا رہا۔ سر ولیم میور بھی اس واقعہ کو بیان کر کے اُس سے کوئی بے انصافی کا پہلو نہیں نکال سکے کیونکہ اُس میں درحقیقت اس قسم کی کوئی گنجائش نہ تھی وہ یہودی اور عیسائی اس طرح پر مُلک بدر اور جلاوطن نہیں کیے گئے تھے جس طرح اس مہذب زمانہ کے ایک عیسائی شہنشاہ نے بدبخت یہودیوں کو اپنے ملک سے خارج اور جلاوطن کیا ہے ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جو انصاف اور رحم اور کریمانہ برتاؤ غیر مذہب اقوام سے برتنا منظور تھا اور جس کو اُنہوں نے ہمیشہ برتا اِس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وفات کے وقت جو اُنہوں نے تین وصیتیں کیں اُن میں سے ایک یہ تھی :-

"اوصی الخلیفۃ من بعدی بذمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یوفی لہم بعہدہم وان یقاتل من ورائہم ولا یکلفوا فوق طاقتہم"

ترجمہ "میرے بعد جو خلیفہ مقرر ہوگا اُس کے لیئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ پر وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدے کو بجالائے اور اُن کی حفاظت کے لیئے اُن کے دشمنوں سے لڑے اور اُن کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیجاوے"

نواں باب

عادات - طرز زندگی - طبیعت - وفات - حلیہ ازواج و اولاد - خطوط - خطبات - اقوال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص عادات اور طرز زندگی میں سب سے ممتاز اُن کی وہ انتہا درجہ کی اور سخت اور درشت سادگی - کسر نفسی - جفاکشی - پرہیزگاری اور نفس کشی ہے جو شارع اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی پاک زندگی کی مبارک مثال کی پوری تقلید اور پیروی سے تھی - اسی میں اُن کی کامیابی کے بہت سے راز مخفی تھے اور آئندہ اسلامی دنیا کے واسطے دین اور دنیا کو ملا کر رکھنے اور اُس میں رہنے کا ایک قابل تقلید نمونہ اور مثال تھی ؛

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کرنا اور کرانا اُن کی زندگی کی غرض اور ایمان ہی تھا مگر حضرت صدیق اکبرؓ کی پیروی کرنا اور اُن کے نقش قدم پر چلنا بھی اُن کے نزدیک ویسا ہی ضروری تھا - حضرت ابوبکرؓ کا اس درجہ ادب کرتے تھے کہ خلافت کے پہلے روز جب آپ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبہ پڑھنے کے واسطے کھڑے ہوئے تو جس درجہ پر حضرت ابوبکرؓ پانوں رکھتے تھے وہاں حضرت عمرؓ بیٹھے اور قدم زمین پر رکھے - لوگوں نے کہا کہ جہاں حضرت ابوبکرؓ بیٹھتے تھے وہاں آپ کیوں نہیں بیٹھے تو کہنے لگے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پانوں کی جگہ بیٹھنا ہی میرے لیے مناسب ہے[1] - غرض حضرت ابوبکرؓ کے احکام اور وصیتوں اور اُن کے طرز عمل اور طرز زندگی کی پیروی کرنا بھی جو درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کی ہی پیروی تھی اپنے واسطے ضروری جانتے تھے - اُن کے عہد و معاہدوں کی پابندی - اُن کے مقرر کیے ہوئے وظائف اور روزینوں کو جاری رکھنا جس کی متعدد مثالیں بیان ہوئی ہیں اپنے پر لازمی سمجھتے تھے - اور اُن کی اپنی طرز زندگی اور عادات ان دو مثالوں کی پیروی میں اس وقت ایک تیسری مثال تھی - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مبارک ذکر اُن کے کاموں اور فیصلوں میں ہمیشہ

---

[1] ازالۃ الخفا باب سابع ۱۲

ہادی اور راہ نما رہا۔ ایک واقعہ اس کی اچھی مثال ہے۔ عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباسؓ کے مکان کا پرنالہ حضرت عمرؓ کے راستہ میں تھا۔ ایک جمعہ کے دن حضرت عمرؓ نے کپڑے پہنے۔ حضرت عباسؓ کے واسطے اُس روز دو چوزے ذبح کیے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ جب پرنالہ کے نیچے سے گزرے تو خون ملا ہوا پانی اُن کے کپڑوں پر گرا حضرت عمرؓ کو گھر واپس جاکر کپڑے بدلنے پڑے۔ پھر آکر نماز پڑھائی اور اُس پرنالہ کے اُکھیڑ دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ اُن کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ پرنالہ اُس جگہ پر ہے جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسکو لگایا تھا۔ حضرت عمرؓ یہ سُن کر کانپ اُٹھے اور حضرت عباسؓ کو کہا کہ "تمہیں خدا کی قسم ہے جب تک اُس پرنالہ کو وہیں نہ رکھدو اور کوئی کام نکرنا"۔ چنانچہ وہ وہیں رکھا گیا۔ ایسے ہی ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے کعبہ سے سونا چاندی اُتار کر مُسلمانوں میں تقسیم کر دینا چاہا۔ مسلمہ نے کہا کہ آپ ایسے نہ کر سکینگے۔ کہنے لگے کیوں (مسلمہ کہتا ہے) مَیں نے کہا اسلیئے کہ آپ کے دونوں صاحبوں نے نہیں کیا۔ کہنے لگے البتہ یہ درست ہے اور خاموش ہو کر چلے گئے۔ حسان ایک دن مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہا تھا اور حضرت عمرؓ جا پہنچے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تو شعر پڑھتا ہے۔ اُس نے جواب دیا جب بھی پڑھتا تھا جب تیرے سے اچھے اس میں ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ یہ جواب سُن کر خاموش ہو گئے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس قسم کی سادہ زندگی بسر کرنے کی بنا پڑ گئی تھی اُسمیں اُن کی آخر زندگی تک سرِمُو فرق نہیں آیا۔ قیصر اور کسریٰ کے مُلکوں نے نہ اُن کے خزانوں اور دولتوں اور نہ اُن عیش و عشرت کے سامانوں نے جو اُن کے سامنے لائے جاتے تھے اُس میں کوئی تغیر پیدا کیا۔ بلکہ اُنہیں عرب کی سادہ زندگی میں تغیر پیدا کرنے کی رغبت اور اشتعال دلانے والے اسباب کے پیدا ہونے پر مُسلمانوں کی سادہ زندگی کے قایم رکھنے کی تدابیر کرنی پڑیں اور اپنے آپ کو اُن کے واسطے نمونہ بنانا پڑا۔ دنیا کی دولت اور خزانوں کو وہ بے حقیقت اور اُس دولت لازوال کے سامنے جس سے خدا کی رحمت نے اُن کے دلوں کو مالا مال اور منوّر کر دیا تھا حقیر اور ہیچ سمجھتے تھے۔ کسریٰ کے خزانوں اور سونے چاندی کے انباروں نے اگر حضرت عمرؓ کی طبیعت پر کچھ اثر کیا تو یہ تھا کہ جب وہ خزانے اُن کے سامنے آئے تو آپ اُن کو دیکھکر رونے لگ گئے۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔ یا امیرالمومنینؓ یہ شکر اور خوشی کا وقت ہے۔ آپ روتے کیوں ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ کسی قوم میں ان کی زیادتی اُن کے درمیان عداوت اور بغض کے پیدا ہونے کی دلیل ہے[1]۔ دولت دنیا کے انجام سے بھی وہ ناواقف نہیں تھے۔ غرض وُہی موٹے اور پُرانے اور پھٹے ہوئے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے اور کھانے پینے کی سادہ چیزیں اُن کی پوشاک اور خوراک کی خصوصیتیں تھیں جن میں کبھی فرق نہیں آیا۔

زید بن وہب کا قول ہے کہ مَیں نے حضرت عمرؓ کو بازار میں جاتے ہوئے دیکھا اُن کے اوپر ایک چادر

---

[1] ازالۃ الخفا باب تصوف و سلوک نعم الدنیا

تھی جس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے اور بعض اُن میں چمڑے کے تھے۔ زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو ایک چادر اوڑھے ہوئے دیکھا جس میں ستر پیوند لگے ہوئے تھے۔ میں یہ دیکھکر رو پڑا اور روتا ہوا گھر چلا گیا۔ انس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں میں اُن کو دیکھتا تھا کہ اُن کے کندھوں کے درمیان کُرتے میں تین یا چار پیوند اوپر تلے لگے ہوئے ہیں۔ ابو عثمان نہدی کا قول ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے تہبند میں چمڑے کا پیوند دیکھا۔ زر کہتا ہے عید کے دن میں نے اُن کو ننگے پاؤں دیکھا۔ جب حضرت عمرؓ دوسری دفعہ شام میں گئے اور ایلیا ایک عیسائیوں کی بستی میں جہاں آپ کی سادگی اور سادہ وضع کے سبب کوئی اُن کو پہچان نہیں سکا تھا اور حضرت عمرؓ ہی سے لوگ پوچھتے تھے کہ امیر المومنینؓ کہاں ہیں۔ ایک عیسائی پادری اسقف کے ہاں ٹھہرے تھے۔ آپ کا پیراہن پالان شتر کی چوب سے اُلجھ کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے وہ اپنے میزبان کو دیا کہ وہ اُسکی مرمت کردے۔ اُس نے اُس کی مرمت کردی اور ایک کُرتہ باریک کپڑے کا جو گرمی کے اُس موسم کے سفر کے واسطے زیادہ موزوں تھا تیار کراکر لایا اور حضرت عمرؓ کے پیش کیا کہ اس کو بھی پہنئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ میرا موٹے کپڑے کا کُرتہ میری عادات کے واسطے زیادہ مناسب ہے اور وہ نرم کپڑے کا اُسکو پھیر دیا۔ اسی طرح شام میں داخل ہونے کے وقت عرب سرداروں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ شام کے رؤساء اور اُمراء آپ کے پاس آتے ہیں یہ شایاں نہ ہوگا کہ اس لباس میں آپ کو دیکھیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ ہمکو اللہ نے اسلام ہی سے عزت دی ہے۔ پس ہم لوگوں کے کہنے سُننے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے ؎

یسار بن نمیر کا قول ہے کہ میں حضرت عمرؓ کے لیئے کبھی آٹا چھانا نہیں کرتا تھا اس کے خلاف کرنے سے وہ ناراض ہوتے تھے اور اُنہوں نے اپنی عمر بھر میں گھی اور چربی اور زیتون کے سوا کوئی خوشبو نہیں استعمال کی۔ انس بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ کے واسطے خشک کھجوروں کا ایک صاع رکھا جاتا تھا وہ اُس کو ردی کھجوروں تک کھا لیتے تھے۔ قحط کے زمانے میں جب غلہ وغیرہ گراں ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے جَو کی روٹی کھانی شروع کی مگر وہ اُن کے معدے کے موافق نہ آئی اور تکلیف دینے لگی۔ اس حال میں وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم اس کے سوا اور کچھ نہیں ملیگا جب تک خدا مسلمانوں کو ارزانی نہ بخشے۔ ایک دفعہ عراق سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور حضرت عمرؓ کے ساتھ کھانا کھانے لگے تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ لوگ طیب خاطر سے کھانا نہیں کھاتے تو فرمانے لگے کہ اے اہل عراق اگر میں چاہتا تو میرے واسطے پُر تکلف کھانا تیار ہوسکتا تھا لیکن ہم اپنی دنیا سے یہاں کے بدلے آخرت میں حاصل کرنے کے واسطے ذخیرہ کرتے ہیں اور پھر یہ آیت پڑھی ؎ اذھبتم طیباتکم فی حیٰوتکم الدنیا واستمتعتم بھا۔ ایسے ہی ایک دن عطیہ بن فرقد اُن کے پاس

؎۱ و ؎۲ ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک ؎۳ ازالۃ الخفا وہسٹری آف خلافت صفحہ ۲۳۶ وطبری صفحہ ۲۹۰

؎۴ تا ؎۵ ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک

[illegible] اور پنیر کی چھاچھ بنا رہے تھے۔ اُس نے کہا یا امیر المومنینؓ۔ کاش آپ حکم کرتے کہ اس سے نرم طعام آپ کے واسطے پکایا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے اس کا جواب اِس آیت کے پڑھ دینے سے دیا۔ ایسے ہی ایک دفعہ یزید بن ابوسفیان کی نسبت سُنکر کہ وہ طرح طرح کے کھانے کھاتا ہے اُسکے کھانے پر پہنچے اور سادہ قسم کے کھانے سے پیٹ بھر کر اُس کے ساتھ کھالیا اور پھر اُسکو نصیحت اور ہدایت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے طریقے کے خلاف کرنے سے اُن سے چھوٹ جائیگا۔ غرض روٹی اور گوشت اور زیتون اور گھی اور دودھ۔ ترکاری اور سرکہ اور کھجور وغیرہ اُن کے کھانے کی کُل چیزیں تھیں۔ لیکن ایک وقت میں دو چیزیں کھانے پر کبھی نہیں کھاتے تھے اگر ایسا کھانا سامنے آتا تھا تو اُٹھوا دیتے تھے جیسے کئی دفعہ واقعہ ہوا۔ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم میں سے جو لوگ ایسی ہی سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اُنکی تعریف و توصیف کرتے تھے۔ عمرو بن عیسیٰ نے ایک دفعہ کہا کہ مَیں شوخ کپڑے کو کبھی نہ پہنوں گا اور رات کو نرم بستر پر نہ سوؤں گا اور سُم تراشے گھوڑے پر کبھی سوار نہ ہوں گا اور اپنے پیٹ کو روٹی سے کبھی نہ بھروں گا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُنا تو فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلعم کے **ہدی** کی طرف دیکھنا چاہے وہ عمرو بن عیسیٰ کو دیکھے[1]۔

ایک دن اپنے بیٹے عاصم کو گوشت کھاتے دیکھکر اُس سے سوال کیا۔ اُس نے کہا کہ گوشت کو میرا دل چاہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ جس چیز کو تیرا دل چاہے گا تو اُسے ہی کرے گا۔ آدمی کا یہی اسراف ہے کہ جس چیز کو اُس کا دل چاہے وُہی کھائے[2]۔ اسلم اُن کا غلام بیان کرتا ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میرا دل تازہ مچھلی کو چاہتا ہے۔ یرفا کو مچھلی لینے کے واسطے بھیجا اور وہ کئی روز میں مچھلی خرید کر لایا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اُسکی سواری کے گھوڑے کو بہت تکلیف ہوئی ہے تو اپنی اس خواہش پر افسوس کیا اور وہ مچھلی نہ کھائی[3]۔

ایسی ہی سادگی سے آپ سفر کرتے تھے۔ کوئی سامان سفر کا نہیں ہوتا تھا۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں حضرت عمرؓ کے ہمراہ حج کو گیا۔ وہ کبھی کوئی خیمہ یا چھولداری لگا کر نہیں رہتے تھے۔ دُھوپ کے وقت کبھی چادر اور کبھی چمڑا جس پر بیٹھا کرتے تھے درخت پر ڈال کر اُس کے سائے میں آرام لے لیتے تھے[4]۔

اپنی ضرورتوں کے خود پُورا کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ گشت کرتے ہوئے بازار سے خود خرید و فروخت کر لاتے تھے۔ اصبغ بن نباتہ کا قول ہے کہ گویا میں حضرت عمرؓ کو دیکھ رہا ہوں کہ دائیں ہاتھ میں دُرّہ ہے اور بائیں میں گوشت لٹکائے ہوئے بازار سے گھر کی طرف جا رہے ہیں[5]۔ ایک روز وہ اپنے اصحاب کے پاس دیر میں عشا کے وقت آئے تو لوگوں نے دیر کا سبب پوچھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جواب دیا کہ مَیں نے اپنے کپڑوں کو دھویا تھا جب وہ

---

[1] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک
[2] سیوطی
[3] سیوطی و ازالۃ الخفا
[4] ازالۃ الخفا و سیوطی
[5] ازالۃ الخفا

سوکھ گئے تو میں تمہارے پاس آیا ہوں

اس قسم کی کئی ایک روایتیں کہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اور لوگوں نے حضرت عمرؓ کو بقائے قوت اور اظہار عزت و شوکت وغیرہ کے خیال سے اس طرز زندگی کو بدلنے اور نو ایک اور پوشاک اس سے بہتر استعمال کرنے کے واسطے کہا مگر حضرت عمرؓ نے ایسی صلاحوں کو کبھی قبول نہ کیا۔ ہم ایک روایت اُن میں سے بیان کریں گے کہ ایک دن اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں سے مہاجرین وغیرہ پچاس کے قریب جمع ہوئے اور آپس میں باتیں کرنیلگے کہ اس شخص (حضرت عمرؓ) کے زہد اور جبہ کو تم دیکھتے ہو کہ کس قسم کا ہے۔ اللہ نے اُس کے ہاتھ پر قیصر اور کسریٰ کی ولایتیں اور مشرق و مغرب کے اطراف فتح کر دیئے۔ عرب اور عجم کے قاصد اُن کے پاس آتے ہیں اور اس جبہ کو جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں دیکھتے ہیں۔ کاش تملوگ اُن کو یہ صلاح دیتے کہ اس جبہ کے بجائے عمدہ نرم کپڑا پہنتے جس سے اُن کی شان و شوکت ظاہر ہوتی اور اُن کا دسترخوان ایسا وسیع ہوتا کہ صبح و شام انصار و مہاجرین اُن کے ساتھ کھانا کھاتے۔ سب نے تجویز کی کہ حضرت علیؓ سے اُن کو کہلوایا جائے۔ حضرت علیؓ سے جب گفتگو ہوئی تو اُنہوں نے فرمایا کہ ازواج النبیؐ سے کہو۔ وہ امہات المومنین ہیں اُن سے کہلوانا اچھا ہوگا۔ احنف بن قیس بیان کرتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ سے درخواست کی گئی کہ وہ کہیں۔ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ میں نہیں خیال کرتی کہ وہ اسکو مانیں۔ مگر کہنے میں کچھ ہرج نہیں نتیجہ ابھی ظاہر ہو جائے گا۔ آخر یہ دونوں اُن کے پاس گئیں اور یہ ذکر کرنا شروع کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ تو اس طرح گزر گیا کہ نہ اُنہوں نے دنیا کا ارادہ کیا اور نہ دنیا نے اُن کا ارادہ کیا۔ تمہارے ہاتھ پر خدا نے قیصر اور کسریٰ کے خزانے کھول دیئے ہیں اور ملک فتح ہو گئے ہیں۔ عرب اور عجم کے قاصد تمہارے پاس آتے ہیں اور یہ جبہ جس میں بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں تمہارے اوپر دیکھتے ہیں۔ اچھا ہو کہ آپ اسکو بدل دیتے اور باریک کپڑا پہنتے اور دسترخوان کو وسیع کرتے۔ حضرت عمرؓ یہ باتیں سُن کر رونے لگ گئے اور پھر اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ تم بتاؤ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی زندگی میں گیہوں کی روٹی دن میں یا پانچ دن یا تین دن بھی شکم سیر ہو کر کھائی ہو۔ یا ہمیشہ دونوں وقت کھانا میسر آیا ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر کہنے لگے کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور امہات المومنین ہو۔ اور تمہارا سب دشمنوں پر اور خاصکر مجھ پر حق ہے تم میرے پاس آئیں۔ لیکن تمنے مجھے دنیا کی رغبت دی اور میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اون کا جبہ پہنا کرتے تھے جس کی سختی سے کئی دفعہ اُن کا جسم مبارک چھل گیا۔ کیا تم اسکو نہیں جانتی ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا ہاں۔ پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نرم بستر پر نہیں سوئے۔ کیا تمہارے گھروں میں کوئی فرش یا بچھونا بچھانے کے واسطے تھا۔ کیا چٹائی کے نشان اُن کے پہلوؤں میں نہیں پڑ جاتے تھے۔ اے حفصہؓ۔ کیا تو نے ایک دفعہ نہیں بیان کیا تھا کہ تو نے ایک دن کپڑے کو دوتہ کر کے اُن کے نیچے بچھا دیا تھا اور وہ اُسکی نرمی

نے سبب سے اپنے سونے کے بلال کی اذان کی آواز سے پہلے نہ اٹھے اور تجھ کو فرمانے لگے کہ اے حفصہ تو نے آج کیا کیا کہ کپڑا دوہرا کر کے بچھا دیا جس کے سبب میں صبح تک سوتا رہا اور فرمایا تھا کہ میرا اور دنیا کا کیا علاقہ ہے اور نرم بستروں سے میرا کیا کام ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں رسول اللہ مغفور من ذنبہ ما تقدم وما تاخر تھے لیکن ہمیشہ بھوک اور بیداری اور رکوع و سجود اور گریہ و زاری اور عجز و نیاز بدرگاہ باری اور بیقراری میں رات دن گزرتی تھی یہاں تک کہ خدا نے اُن کو اپنی رحمت اور رضوان کی طرف بلا لیا۔ عمرؓ نہ کھاویگا اور نہ پہنے گا۔ اُسکی حالت اُس کے دونوں صاحبوں کے مانند رہیگی۔ وہ ترکاریوں میں سوائے زیتون کے جمع نہ کرے گا۔ اور مہینے میں ایک دفعہ سے زیادہ گوشت نہ کھائے گا۔ غرض وہ دونوں یہ سُن کر چلی آئیں اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ماجرا سُنا دیا۔ اسی طرح جب کبھی اس قسم کی صلاح اُن کو دی جاتی تھی تو وہ کہہ اُٹھتے تھے کہ میں سختی سے اپنے دو صاحبوں کی طرح اس لیئے بسر کرتا ہوں کہ شاید نرمی اور آرام میں خدا مجھ کو اُن کے ساتھ شریک کر دے۔

حضرت عمرؓ اہل فوج کو دھوپ کھاتے اور موٹا کپڑا پہننے کے سوا گھوڑوں پر رکاب کے سہارے بغیر سوار ہونے کی ہدایت کیا کرتے تھے اور خود بھی اسکی پابندی کرتے تھے۔ گھوڑے کے کان تھام کر اُچک کر اُس کے اوپر جا بیٹھتے تھے۔

حسنؒ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ذکر کرتے تو کہا کرتے کہ خدا کی قسم وہ اسلام میں اوّل نہیں تھے اور نہ تفقہ فی سبیل اللہ میں افضل تھے۔ مگر یہ کہ وہ زہد فی الدنیا اور استحکام فی امر اللہ میں لوگوں پر غالب آئے۔ خدا کے کاموں میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔ معاویہ کا قول ہے کہ "نہ حضرت ابوبکرؓ نے دنیا کی خواہش کی اور نہ دنیا نے ان کی خواہش کی۔ حضرت عمرؓ کو دنیا چاہتی رہی مگر اُنہوں نے اُس کی کچھ پرواہ نہ کی اور ہم لوگ دُنیا میں پھنس گئے"۔ ابن عباسؓ سے کسی نے حضرت ابوبکرؓ کی نسبت پوچھا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ "کُل کے کُل خیر تھے"۔ اور حضرت عمرؓ کی نسبت پوچھا تو کہنے لگے کہ "وہ ہوشیار پرندہ کی طرح تھے جو چاروں طرف دام میں پھنس جانے سے ڈرتا رہتا ہو"۔

حضرت عمرؓ کی طبیعت میں جو سختی اور درشتی ابتدا میں پائی جاتی تھی اُس سے اُن کے اپنے زمانۂ خلافت میں بالکل مفقود ہو جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اپنی طبیعت پر کس درجہ قابو اور ضبط کی قدرت تھی۔ حضرت عمرؓ نے جس خطبہ کے ساتھ اپنی خلافت کو شروع کیا اُس میں اُنہوں نے کہا کہ "اے خدا میں ضعیف ہوں مجھے قوت دے اور میں سختی کرنے والا ہوں مجھے نرمی دے اور میں بخیل ہوں مجھے سخی کر"۔ اُن کے آغاز خلافت میں جو لوگ

---

۱ ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک
۲ ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک
۳ ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک
۴ سیوطی

اُن کی سختی کی طرف سے خوف ظاہر کرتے تھے اُسکو سُن کر اُنہوں نے ایک خطبہ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اپنی سختی کے سبب کو جسے ہم بیان کر چکے ہیں بیان کیا اور اپنی خلافت میں نرمی کرنے کا اطمینان دلایا۔ اور اُن کا تمام برتاؤ اُن الفاظ کے مطابق رہا۔ سعید بن مسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمان نے اُن کے اسی خطبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا ہے کہ "خدا کی قسم عمرؓ نے وفا کی۔ وہ سختی کے موقع پر سختی میں اور نرمی کے موقع پر نرمی میں زیادہ ہوئے"۔ سر ولیم میور کا قول ہے کہ "نوجوانی میں وہ آتش مزاجی اور بے صبر طبیعت کے سبب سے مشہور تھے اور نیز پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے پچھلے دنوں میں بھی وہ بدلہ اور سزا کے تند اور سخت وکیل تھے۔ تلوار کو نیام سے نکالنے کے واسطے ہمیشہ تیار رہتے تھے اور یہی تھے جنہوں نے بدر میں تمام قیدیوں کے قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن عمرؓ اور اپنے عہدہ کے بوجھ نے اُن کی طبیعت کی سختی کو نرم کر دیا تھا[51]"۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت کی نرمی اور مساکین اور محتاجوں کی مدد کرنے میں مصروف رہنے اور تواضع کرنے کے واقعات اور مثالیں بیان ہو چکی ہیں اور اور ابھی اس قسم کے واقعات ہیں کہ مثلاً ایک دن ایک اپاہج معذور شخص کو دیکھکر اُس کی کیفیت دریافت کرنے بیٹھ گئے اور اُس کی معذوری اور حال کو دیکھکر روئے اور اُس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر ہم اب اس باب کو ایسے واقعات سے طوالت نہیں دینا چاہتے۔ عام طور پر احسان اور مروت کرنے کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں کہ ایک دفعہ اُن کے رشتہ داروں میں سے کسی شخص نے اُن سے بیت المال سے کچھ مانگا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے جھڑک دیا اور کہا کہ شاید تو چاہتا ہے کہ خدا کے سامنے میں خائن بن کر جاؤں مگر اپنے مال سے اُسکو دس ہزار (یا ایک ہزار) درہم دیئے[52]۔ اسی طرح اسد بن حصیر کا جب انتقال ہوا تو وہ حضرت عمرؓ کے واسطے ایک تحریری وصیت چھوڑ گیا۔ اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ چار ہزار کا مقروض ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کھجوروں کا باغ چار سال کے واسطے چار ہزار کے عوض میں گرو کر کے اُس کا قرضہ ادا کر دیا[53]۔ ایسی ہی وہ فیاضی بھی کرتے تھے مگر اُن کے ساتھ جو درحقیقت مستحق ہوتے تھے اور اسکی بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں۔ غصہ آتا تھا تو اسکو دور کرتے تھے۔ ایک دن غصہ میں آئے تو پانی مانگا اور ناک میں ڈالا اور کہنے لگے کہ غضب شیطان ہے اور اسی طرح دور ہوتا ہے[54]۔

حضرت عمرؓ کی طبیعت سے گو ابتدائی سختی اور درشتی جاتی رہی تھی مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سوائے نرمی کے کچھ نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہ جہاں سختی مناسب ہوتی تھی سختی۔ اور جہاں نرمی واجب ہوتی تھی وہاں نرمی کرتے تھے۔ اُن کا رُعب جیسا کہ بادشاہ اور معلم وغیرہ کا ہونا چاہیئے دلوں میں۔ جو تھا۔ یہ مشہور ہے کہ لوگ اور کی تلوار سے اتنا نہیں ڈرتے تھے جتنا کہ اُن کے دُرّے سے ڈرتے تھے جسکو اُنہوں ہی نے سب سے اوّل بنایا تھا۔ انگریزی مورخ لکھتا ہے کہ "دُرّہ ہاتھ میں لیئے وہ مدینہ کے کوچوں اور بازاروں میں پھرتے تھے اور واردات کے موقع پر ہی

---

[51] الفاروق خلافت صفحہ ۴۸۴ — [52] طبری و ازالۃ الخفا
[53] ازالۃ الخفا — [54] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک

ہے۔ مگر باایں ہمہ وہ رحمدل تھے اور یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرنے اور حاجت روائی کرنے کے بے شمار حالات بیان کیئے گئے ہیں[1]۔ اصل یہ ہے کہ اُن کا رعب اور جلال یہ کچھ مصنوعی بھی نہیں تھا کہ بدلنے سے بدل سکتا۔ یہ اُن کی صورت سے قدرتی طور پر نمایاں تھا چنانچہ سفر شام میں جب آپ اسقف پادری کے گھر میں ٹھہرنے کے واسطے جا رہے تھے تو اُس نے دیکھکر حضرت عمرؓ کو پہچان لیا کہ یہی امیر المومنینؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تو نے مجھ کو کیونکر پہچانا۔ حالانکہ تو نے کبھی مجھ کو دیکھا نہ تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ اس ہیبت سے جو آپ کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے[2]۔ ایک اور واقعہ جو مختلف طرح سے بیان کیا جاتا ہے اُس کی عمدہ مثال ہے کہ قیصر روم نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک سفیر بھیجا اور بعض روایات میں ہے کہ اُن کو قتل کرنے کی غرض سے جبلہ کے بہکانے سے ایک شخص بھیجا۔ وہ سمجھا کہ ایسے زلزلہ کا شخص ہے تو اُس کی کوئی بڑی بارگاہ ہوگی۔ یہاں مدینہ میں آکر دیکھا تو رہنے کا چھونپڑا تک ٹھیک نہیں ہے۔ اور امیر المومنینؓ ہیں کہ اُن کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ آخر ایک بڑھیا نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی فلاں نخلستان میں چھوڑے چلی آتی ہوں سفیر نے جاکر دیکھا تو واقعی ایک درخت کے تلے پڑے سوتے ہیں۔ جاگے تو اپنا مطلب عرض کرنا چاہا مگر مارے ہیبت کے نہ قدم آگے کو اُٹھتا تھا اور نہ بات مونھ سے نکلتی تھی۔ سر سے پانوں تک کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست

آپ ہنستے کم تھے جو رعب و ہیبت کی ایک یہ بھی خاصیت تھی۔ اور تعریف کو پسند نہ کرتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے اُن کی تعریف کی تو کہنے لگے کہ کیا تو مجھے اور اپنے نفس کو ہلاک کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے ارادے کی مضبوطی اور نیکی کرنے اور نیکی کرانے اور نیکی کی تعلیم کرنے کی مضبوط قوت نے اُن کی نسبت کہلایا ہے کہ شیطان اُن سے عاجز رہتا ہے اور جس راستہ سے وہ جاتے ہیں شیطان اُس راستہ سے نہیں گزرتا۔ اُن کی اس عجیب و غریب قوت کے تصور نے لوگوں کے دلوں پر عجیب اثر کیا ہے کہ جن لوگوں کو رات کو بُرے خواب آتے ہیں وہ شیطان کو ڈرانے کے واسطے اُن کا نام چھاتی پر اُنگلی سے سوتے وقت لکھتے ہیں اور اس یقین سے بُرے خوابوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا زہد و تقویٰ اور عبادت اور خدا ترسی اُنہیں کے ساتھ خاص ہے۔ ادائے فرائض میں اُن کی قوت ہر زمانے میں ہدایت کرنے والی ہوگی۔ ایک دفعہ مغرب کی نماز قضا ہو جانے میں اُس کے عوض میں ایک غلام آزاد کیا[3]۔

---

[1] انلس آف خلافت صفحہ ۲۸۵ [2] طبری صفحہ ۴۹۰

سعید بن مسیب کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ آدھی رات کی نماز کو محبوب سمجھتے تھے[1] زید بن اسلم کے باپ سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ رات کو جس قدر ہو سکتا تھا نماز پڑھتے تھے جب آخر رات ہوتی تو اپنے اہل کو بھی نماز کے لیئے جگاتے اور "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" کہکر اُن کو پکارتے اور یہ آیت پڑھتے۔

وأمر اهلك بالصلوٰة واصطبر عليها لا نسئلك رزقا۔ نحن نرزقك والعاقبة للتقوىٰ

جس رات آپ زخمی ہوئے ہیں صبح کی نماز کے واسطے اُٹھے اور کہنے لگے کہ جو شخص نماز کو ترک کرے اُسکو سلام سے کچھ حظ حاصل نہیں ہے۔ اس کے بعد نماز پڑھی اور زخم سے خون بہ رہا تھا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ صبح کی نماز میں جماعت کے لیئے حاضر ہونا مجھے تمام رات کھڑے رہنے سے زیادہ محبوب ہے[2]۔

جب رمضان کا مہینہ آتا تو آپ کو نہایت خوشی ہوتی اور کہتے کہ پاک اور پاک کرنے والے کو مرحبا۔ یہ کُل کا کُل خیر ہے[3]۔ عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے دو سال پے در پے روزے رکھے ہیں[4]۔

زمانۂ خلافت میں ہر سال آپ حج کے واسطے جاتے تھے صرف اپنی خلافت کے پہلے سال میں عراق اور شام کے خدشوں کے سبب سے نہیں جا سکے۔ تین دفعہ عمرہ کے واسطے گئے[5]۔ آپ کہا کرتے تھے کہ جاڑا عبادت کرنے والے کے واسطے غنیمت ہے اور جب رات کو کھڑے ہوتے تو کہتے خدایا تو میرے درجے کو دیکھتا ہے اور میری حاجت کو جانتا ہے۔ تو ہی میری حاجت روائی کر تا کہ میں فلاح اور آرام پاؤں اور میری دُعائیں مقبول ہوں پہلے بھی تو نے مجھے معاف کیا اور رحم کیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد دُعا مانگتے کہ خدایا دُنیا میں کوئی چیز قائم رہنے والی نہیں ہے اور نہ کوئی حالت برقرار رہنے والی ہے۔ خدایا تو مجھے ایسا کر دے کہ میں اس میں علم کے ساتھ بولوں اور علم کے ساتھ خاموش رہوں۔ خدایا مجھے بہت دنیا نہ دے کہ شاید میں سرکش ہو جاؤں اور نہ بہت تھوڑی کہ شاید تجھے بھول جاؤں پس تھوڑی ہو اور کافی ہو۔ اس سے بہتر ہے کہ زیادہ ہو اور لہو میں ڈالے[6]۔

خوف خدا سے ہر وقت کانپتے اور ڈرتے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ اکثر اوقات آپ معصوم بچوں کو پکڑ کر کہتے کہ تم میرے لیئے خدا سے دُعا مانگو[7]۔ حضرت علی اور امام حسن اور امام حسین علیہم السّلام کے پاس کھڑے ہوئے ایک دن رونے لگ گئے کہ معلوم نہیں میں نے اُمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حکومت کرنے میں بُرا کیا ہے یا بھلا کیا ہے[8]۔ حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے ورد میں رویا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ موٹھ کے بل گر پڑتے تھے اور کئی دن تک گھر میں مریض رہتے تھے[9]۔ ایک دفعہ اُنہوں نے سورہ اذا الشمس کو پڑھا

---

[1] ازالۃ الخفا باب تصوف وسلوک
[2] ازالۃ الخفا
[3] انلس آف خلافت صفحہ ۲۶۲
[4] ازالۃ الخفا

جب **واذا الصحف نشرت** تک پہنچے تو بیہوش ہو کر گر پڑے اور کئی روز تک بیمار رہے
ایک دن ایک شخص کے مکان کے پاس سے گزرے جو نماز میں سورۂ طور پڑھ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ سننے کے
واسطے کھڑے ہو گئے جب وہ ان عذاب ربک لواقع پر پہنچا تو یہ اپنی سواری سے اُتر پڑے اور بیہوش ہیں
اُس کی دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور دیر تک بیٹھے رہے۔ آخر اپنے گھر پہنچے جہاں ایک مہینہ تک بیمار رہے
لوگ اُن کی بیمار پرسی کو آتے تھے مگر کسی کو بیماری کا سبب نہیں معلوم ہوتا تھا[1]۔

عبداللہ بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے چہرے پر رونے کے باعث دو کالے داغ پڑ گئے تھے[2]۔ انس بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیوار کے پیچھے سے حضرت عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ "اے وائے عمر خطاب تو امیر المومنین ہے واللہ اے ابن خطاب تو خدا سے ڈرتا رہیو ورنہ اللہ تجھے عذاب دیگا[3]"۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ ایک تنکا زمین پر سے اُٹھا لیا اور کہنے لگے کہ کاش میں یہ تنکا ہی ہوتا۔ اور کاش میری ماں مجھے نہ جنتی[4]۔ ایک دفعہ ایک سائل نے آکر کپڑے کا سوال کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر میں نہ دوں تو کیا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں چلا جاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر کیا ہوگا۔ اُس نے جواب دیا کہ :-

تکون عن حالی لتسئلنہ	پھر یہ ہوگا کہ میرے حال سے تجھ سے سوال ہوگا
یوم تکون الاعطیات جنتہ	جس دن کہ صدقات ڈھال بنیں گے۔
والوقف المسئول یھتنہ	اور مسئول سوچتا ہوگا کہ۔
اما الی نار واما الی جنتہ	میں دوزخ کی طرف جاؤں یا بہشت کی طرف

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس جواب کو سُن کر رو پڑے اور اُسے کپڑا دیکر رخصت کیا۔ دنیا کی بے ثباتی کا خیال کسی وقت آپ کو بھولتا نہ تھا۔ ایک دفعہ حج میں جاتے ہوئے ضجنان کے جنگل میں اپنے بچپن کے دنوں کو یاد کیا اور اپنی موجودہ ذمہ واریوں کا خیال کیا اور یہ اشعار پڑھنے لگے :-

لا شے مما یری تبقی بشاشتہ	کوئی چیز ایسی نہیں جس کی تازگی باقی رہتی دیکھی جائے۔
یبقی الالہ ویودی المال والولد	اللہ باقی رہیگا اور مال اور اولاد سب فنا ہو جائینگے۔
لم تغن عن ھرمز یوما خزائنہ	ہرمز سے اُسکے خزانوں نے ایک دن بھی موت کو نہ ٹلایا۔
والخلد قد حاولت عاد فما خلدت	اور عاد نے ہمیشہ رہنے کا ارادہ کیا پس وہ نہ رہ سکا۔
ولا سلیمان اذ تجری الریاح لہ	اور نہ سلیمان جبکہ ہوائیں اُس کے تابع جاری ہوتی تھیں۔
ولا الانس والجن فیما بینھا یرد	اور نہ آدمی اور جن جو اُس کے آگے رہتے تھے۔

[1] و [2] ازالۃ الخفا
[3] ازالۃ الخفا و سیوطی
[4] و [5] سیوطی

این الملوك التی کانت منازلها	وہ بادشاہ کہاں ہیں جن کی منزلوں میں
من کل ادب الیها راکب لغد	ہر ایک طرف سے سوار آیا کرتے تھے ؛
حوض هنالك مورود بلا کذب	یہاں تک ایک حوض ہے جس پر ضرور وارد ہونا ہے۔
لابد من وردہ یوما کما وردا	اُس پر اُترنے سے کسی کو چارہ نہیں جب سے وہ اُس میں اُترے ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مُہر پر یہ عبارت کندہ تھی۔ "کفی بالموت واعظا یا عمر"

ایک انگریزی مورخ نے اُن کی خلافت کی مہر کا کندہ حرف اُن کا نام یُوں دکھایا ہے ؛

حضرت عمرؓ کی اس سخت اور درشت اور ڈرانیوالی صورت کے نیچے ایک دل تھا جو خوفِ خدا اور خُدا و رسول صلعم کی محبت میں پگھلا اور گھلا ہوا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مُبارک زمانے کی یاد اور اُن کی یادگاروں کو دیکھنا اور سُننا اُن کی آنکھوں سے خون کے آنسو نکال لاتا تھا۔ دوسرے سفر شام کا ایک واقعہ پڑھکر تمام محبت والے دِل بھر آتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ شام سے روانہ ہونیلگے تو اصحاب نے کہا کہ حضرت بلالؓ سے جو شام میں جا رہے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اُن کی اذان سُننے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا اذان کہلوائیں۔ مؤذن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی مشہور بلند آواز سے اذان کہنی شروع کی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ امامت کا نقشہ اور سماں سب کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اُن جنگجو بہادروں اور شیر دل لوگوں کے دل پانی کی طرح پگھل گئے اور بچوں کے مانند اس طرح ڈاڑھیں مار مار کر روئے اور وہ گریہ و زاری اور نالہ و بکا کیا کہ اُسکی کیفیت نہیں بیان ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ کے واسطے تو گویا قیامت ہی آگئی اور بالکل بے ہوش ہو گئے ؛

عُجب اور تکبر کے خیال کو تو وہ اپنی روح کا برباد کر دینے والا سمجھتے تھے اور عجیب طرح سے اپنے نفس کی ذلت کرتے تھے۔ زید بن ثابت حضرت عمرؓ کے منشی نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ اپنے کندھے پر پانی کی مشک اُٹھائے ہوئے لوگوں کے درمیان سے جا رہے ہیں۔ اُن کی اس حرکت سے تعجب ہوا اور پاس جا کر کہنے لگے یا امیر المومنین حضرت عمرؓ نے کہا چپکا ہو جا میں تجھے بتا دوں گا۔ ایک بُڑھیا کے گھر جا کر وہاں سے جب لوٹ کر گھر آئے تو زید نے پھر پوچھا حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تیرے جانے کے بعد میرے پاس رُوم اور فارس کے قاصد آئے

تھے اور کہتے تھے کہ اے عمرؓ تیری نیکی اللہ کے واسطے ہے اور لوگ تیرے علم و فضل اور عدل پر متفق اللسان ہیں"۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ میرے میں اس سے تکبر اور غرور داخل ہو رہا ہے تب میں اُٹھ کھڑا ہوا اور نفس کے ذلیل کرنے کے واسطے کیا جو کچھ کیا[1]۔ اسی طرح ایک دن اپنی گردن پر پوستین ڈالے ہوئے نکلے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ میرے نفس میں عُجب داخل ہوا تھا میں نے اُسکو ذلیل کرنا چاہا[2]۔ اور عجیب و غریب واقعات اِس قسم کے بیان ہوئے ہیں کہ تکبر کے خیال کو دُور کرنے کے واسطے وہ کس کس طرح سے اپنے نفس کی تذلیل کرتے تھے ؛

ہر رات کو حضرت عمرؓ اپنے نفس سے حساب کرتے تھے کہ آج کے دن میں نے کچھ نہیں کیا فلاں کام کیا۔ فلاں کام کیا۔ اپنی غلطیوں پر اپنے آپ کو خود سزا دیتے تھے۔ اور اپنی پیٹھ پر دُرّہ مارتے تھے۔ جب کوئی شخص اُن کو کہتا کہ خدا سے ڈر۔ تو اُسکا شکریہ ادا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ خدا اُس کا بھلا کرے جو ہمارے عیب ہم پر ظاہر کر دے[3]۔ اور لوگوں سے عیوب دریافت کرتے رہتے تھے۔ اور مسلمانوں میں جو لوگ صاف گو نڈر تھے اور حق کہنے کی جرأت کرتے تھے اُن کے ہونے پر خدا کا شکر کرتے تھے[4]۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جب صالحین کا ذکر آوے تو عمرؓ کا ذکر ضرور کرنا چاہیئے[5] ؛

حضرت عمرؓ کو غصہ آنے کی حالت میں اُن کا غصہ فرو کرنے کی ایک عمدہ تدبیر کلام الٰہی اُن کے سامنے پڑھ دینا تھا جو اُن پر ایک برقی اثر کرتا تھا۔ ایک دفعہ حُرّ بن قیس کا چچا حُرّ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے حضرت عمرؓ کے پاس لے چل۔ حُرّؓ نے کہا مجھے خوف ہے کہ تو وہاں جا کر کوئی نامناسب بات کہہ دے۔ اُس نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔ مگر حضرت عمرؓ کے پاس جا کر وظائف دینے میں اُن کی بے انصافی کی شکایت کی۔ جس سے حضرت عمرؓ کو غصہ آگیا اور اُسکے ساتھ سختی کرنے کا ارادہ کیا۔ حُرّؓ نے کہا یا امیر المومنین خدا فرماتا ہے:۔ "خذ العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاهلين۔ حضرت عمرؓ اُس کو سُنتے ہی خاموش ہو گئے[6] ایسے اور بھی واقعات ہیں۔ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ میں نے کبھی حضرت عمرؓ کو ایسا غضب ناک نہیں دیکھا کہ اُن کے سامنے اللہ کا نام لیا جائے یا خدا سے ڈرایا جائے اور کوئی آیت پڑھی جائے کہ وہ اپنے ارادے سے باز نہ رہے ہوں[7]۔ بلال نے ایک روز اسلم سے پوچھا کہ تم حضرت عمرؓ کو کیا جانتے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ اور آدمیوں سے وہ بہتر ہیں مگر غصہ کی حالت میں پناہ بخدا۔ بلالؓ نے کہا۔ کاش غصہ کی حالت میں تو اُن کے سامنے قرآن پڑھتا اور اُن کا غصہ فرو ہو جاتا[8] ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہانت اور حاضر جوابی کا ایک واقعہ بیان کرنے کے لائق ہوگا کہ ایک دن ایک

---

[1] و [2] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک
[3] و [4] ازالۃ الخفا تصوف و سلوک
[5] سیوطی
[6] ازالۃ الخفا کلمات صفحہ ۲۰۷
[7] و [8] سیوطی۔ ازالۃ الخفا موافقات صفحہ ۱۶۵

یہودی اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے خداوند تعالےٰ کے اس قول کو پڑھا ہے۔ سارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السّمٰوات والارض۔ تو زمین و آسمان جب عرض جنت میں آگئے تو دوزخ کہاں گیا۔ حضرت عمرؓ نے اصحاب رسول اللہ کو کہا کہ اسکو جواب دو۔ مگر سب خاموش رہے۔ تب حضرت عمرؓ نے یہودی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تو دن کو دیکھتا ہے۔ جب دن آتا ہے تو کیا وہ زمین و آسمان کو نہیں بھر دیتا۔ اُس نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ اُس وقت رات کہاں جاتی ہے۔ اُس نے جواب دیا جہاں اللہ چاہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا پس دوزخ کو بھی جہاں اللہ چاہے۔ یہودی نے تسلیم کیا اور خاموش ہو گیا[1]۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن کے مراتب کے موافق عزت اور تعظیم و تکریم کرتے تھے اور جیسا مناسب ہوتا تھا اُن سے سلوک کرتے تھے اور اُن کے مدارج کو نگاہ رکھتے تھے اسکے متعلق واقعات بیان کرنا طوالت ہوگی۔ اُن کی وفات پر آپ نہایت درد اور رنج سے رویا کرتے تھے اور اسلامی اُخوت کا حق ادا کرتے تھے۔ تمام متبرک اور مقدس مقامات کی تعظیم و تکریم ملحوظ رکھتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ مکہ میں ایک گناہ کرنا کہیں باہر ستر گناہ کرنے سے بُرا ہے۔ یوروشلم میں عیسائیوں کے مقدس مقامات پر جن کا تقدس اسلام نے بھی ملحوظ رکھا تھا اُنہوں نے اُن کی عزت و عظمت کو بخوبی ظاہر کیا۔ شام میں اور ایران میں جہاں کہیں متبرک مکانات تھے اُن کی حفاظت اور درستی کا حکم دیا۔ شہر سُوس میں جو ایران میں فتح ہوا تھا حضرت دانیالؑ کی قبر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ تعظیم کے ساتھ اُسکو قائم رکھا جائے اور بقول سر ولیم میور کے آئندہ نسلوں کی پاک حفاظت سے تیرہ سو برس[1300] کے تغیرات اور انقلابوں سے محفوظ رہکر وہ مقبرہ دریا کے کنارے آج تک موجود ہے[2]۔

افسوس ہے کہ اب ہم اُس زمانے کے قریب پہنچ گئے ہیں جبکہ دنیا کے اپنی قسم کے بے نظیر شخص اور ایک ایسے اسلامی وجود کو جسپر کہ اسلامی دنیا حضرت **سرورِ کائنات** علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سچا فخر کر سکتی ہے دنیا سے رُخصت ہوتا دیکھیں۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانے کی خلافت کی ترقیوں اور اسلامی دُنیوی عروج کو جس کے ساتھ ساتھ کہ باہر کی دنیا اسلام کی برکتوں اور رحمتوں سے بھی فیض یاب ہوتی جاتی تھی نظر تامل سے دیکھا ہے اور جن کو معلوم ہے کہ وہ اندرونی امن و اطمینان جو حضرت عمرؓ کی بے نظیر قوت انتظامی کا نتیجہ تھا۔ پھر اس غرض کے واسطے کہ اُس سے ایسے ہی عمدہ نتائج حاصل کیئے جائیں پھر کبھی نہیں حاصل ہوا۔ وہ اس ناگہانی پُر الم حادثہ پر جو اسلام کی ترقیوں کے سلسلہ کو پہنچا اور اس ناقابل تلافی نقصان پر سخت رنج اور غم کرے گا۔ حضرت عمرؓ کو اگر عمر طبعی تک زندہ رہنا بھی نصیب ہوا ہوتا تو اسلامی ترقیوں کو ہم اسی نسبت سے بہت بڑھے ہوئے درجے پر دیکھتے اور ہر ایک بشر کے ضروری انجام کا خیال اُن کی وفات پر افسوس کرنیوالے کو

---

[1] ۲

انگریزی مورخ اس دردانگیز واقعہ کے بیان کو ان الفاظ سے شروع کرتا ہے کہ "حضرت عمرؓ کی خلافت کو یہ گیارھواں سال تھا اور اگرچہ اُن کی عمر پچپن سال کی (اور ایک روایت کے موافق ساٹھ سے اوپر) تھی لیکن وہ توانا اور اپنی عظیم اور وسیع ذمہ واریوں کے پورا کرنے میں جو اُن کو سپرد کی گئی تھیں ویسے ہی پُرجوش ہوشیار اور مستعد تھے۔ تیئیسویں سال ہجری مقدس کے آخری مہینے میں اپنے معمول کے موافق اُنہوں نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور اس موقع پر ازواج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لیجا کر سالانہ حج ادا کیا۔ مدینہ کو واپس آتے ہوئے اُن کو صرف چند ہی روز گزرے تھے کہ اُن کی حکومت ایک المناک اور غمگین اور بے وقت انجام کو پہنچ گئی[1]"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے ایک ہفتہ یا کچھ کم و بیش روز پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک مرغی نے اُن کو دو تین ٹھونگیں ماریں۔ ایک اور امر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کعب الاحبار نے اپنے توریت کے علم کی بنا پر حضرت عمرؓ کو تین روز پہلے بتا دیا کہ آپ کا انجام آن پہنچا ہے مگر اس روایت کی صحت پر یقین کرنا مشکل ہے۔ شاید اُس کو اُس سازش کا شبہ کچھ پہلے سے ہو گیا ہو جو اُن کی بیش بہا زندگی کو بے وقت ختم کر دینے کے واسطے کی جا رہی تھی اور اُس نے اُن کو اپنی حفاظت کے واسطے ہوشیار کر دیا ہو۔

آپ کی شہادت کا واقعہ اس طرح پر ہے کہ فیروز نام ایک ایرانی غلام کو جو عام طور پر ابولولو کے نام سے مشہور تھا مغیرہ عراق سے لایا تھا۔ بچپن میں وہ رومی عیسائیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر غلام بن چکا تھا اور عیسائی ہو گیا تھا۔ اب مغیرہ کی غلامی میں وہ مدینہ میں بڑھئی کا پیشہ کرتا تھا اور اُس کی آمدنی سے مغیرہ حصہ لیتا تھا۔ ایک دن بازار میں وہ حضرت عمرؓ سے ملا اور اُن سے کہنے لگا کہ یا امیر المومنینؓ آپ میرا انصاف کریں کہ مغیرہ مجھ سے بہت زیادہ رقم لیتا ہے جس کو میں نہیں ادا کر سکتا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کتنی؟ اُس نے جواب دیا دو درہم روزانہ۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تو کام کیا کرتا ہے۔ اُس نے کہا بڑھئی۔ لُہار اور نقاش کا کام کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایسے ہوشیار کاریگر کے واسطے یہ کچھ زیادہ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے یہ بھی کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تو ایسی چکی بناتا ہے جو ہوا سے چلتی ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایسی چکی ہمارے لیئے بنا دے۔ اُس نے منہ بگاڑ کر جواب دیا کہ اگر زندہ رہے تو ایسی چکی بنا دوں گا جس کی شہرت مشرق سے مغرب تک ہو جائیگی۔ یہ کہکر وہ چل دیا اور حضرت عمرؓ نے دل میں کہا کہ یہ مجھ کو دھمکی دے گیا ہے۔

دوسرے دن کی صبح کو نماز فجر کے واسطے جب مسجد میں لوگ جمع ہوئے تو ابولولو بھی کہیں اُنہیں میں ملکر بیٹھ گیا۔ اور جب حضرت عمرؓ امامت کے لیئے کھڑے ہوئے تو وہ پہلی صف میں نمازیوں میں کھڑا ہوا۔ حضرت عمرؓ صرف تکبیر کہنے پائے تھے اور بعض روایت کے بموجب ایک رکعت نماز پڑھکر کھڑے ہوئے تھے کہ ابولولو نے دفعتہً آگے

---

[1] نظم آف خلافت صفحہ

بڑھکر اُن پر حملہ کیا اور ایک تیز دو رُخے خنجر سے چھ جگہ یا تین جگہ پر زخم لگائے اور بھاگے اِدھر اُدھر اور کئی دیہ کو زخمی کر ڈالا اور آخر اپنے آپ کو اُسی خنجر سے مار ڈالا۔ حضرت عمرؓ گر گئے تھے اُٹھا کر اُن کو گھر لے گئے۔ اُنہوں نے عبدالرحمان بن عوف کو نماز پڑھا دینے کو کہا۔ زخم سینے کی کوشش کی گئی۔ پیٹ باندھ دیا گیا۔ مگر زندگی کی اُمید منقطع ہو چکی تھی ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح ایک ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جانے سے ایک اَور بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ اپنے جانشین کی نسبت کچھ فیصلہ نہ کر سکے۔ اُن کو ہمیشہ اِس بات کی فکر رہتی تھی اور سوچتے تھے کہ کس کو اپنا جانشین موسوم کریں۔ مگر کوئی آخری فیصلہ وہ نہیں کرنے پائے تھے۔ اور اِس وقت بھی وہ اپنے فیصلے پر بھروسہ نہیں کر سکے۔ اُنہوں نے چھ اصحاب حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ۔ طلحہؓ اور زبیرؓ اور عبدالرحمانؓ بن عوف اور سعدؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو موسوم کیا کہ وہ اپنی متفقہ رائے سے ایک شخص کو خلافت کے واسطے تجویز اور منتخب کر لیں۔ طلحہؓ اُس وقت مدینے میں موجود نہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر وہ تین دن تک آجائے تو اُس کو شریک مشورہ کر لینا ورنہ پانچوں ہی بیٹھکر فیصلہ کر لینا۔ تا انفصال امامت کے واسطے صہیبہ کو نامزد کیا۔ اس میں نہایت دانشمندی تھی کیونکہ اگر انہیں بزرگوں میں سے کسی شخص کو امامت کیواسطے کہتے تو اُس کی نسبت یہ خصوصیت فیصلہ پر اثر ڈالنے کو پیدا ہو جاتی جیسیکہ حضرت ابوبکرؓ کے معاملے میں ہوا تھا۔ اسی سبب سے اُنہوں نے ایک ایسے شخص کو امامت کے واسطے کہا جس کو خلافت کے خیال سے کچھ تعلق نہ تھا۔ اِن پانچوں اصحاب کو انتخاب کے لیئے موسوم کرنے کے بعد اُن کو باری باری سے وصیّت کی اور انتخاب کرنے کی ذمّہ واری اور اپنے قبیلہ کی رعایت کرنے کے خیال کے خطرے سے اُن کو آگاہ کیا۔ حضرت علیؓ سے کہا کہ اللہ سے ڈرنا اور اگر لوگوں کے امور سے کسی چیز کا والی ہو تو بنی ہاشم کو اُن کا والی نہ بنانا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کو کہا کہ اپنے اقربا اور قبیلہ کے لوگوں کو ترجیح نہ دینا۔ اُن کی وصیّتیں مختلف اور مختلف طرح سے بیان کیگئی ہیں۔ جاریہ بن قدامہ سعدی بیان کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ پھر انصار پھر اہل شام اور پھر اہل عراق کو۔ لوگ اُن کے پاس جاتے تھے اور روکر اور اُن کی صفت کہکر چلے آتے تھے۔ سب کے آخر ہم گئے۔ دیکھا کہ اُن کا پیٹ سیاہ چادر سے بندھا ہوا ہے اور خون ٹپک رہا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہمیں وصیّت کیجیئے تو فرمانے لگے کہ "کتاب اللہ پر عمل کرنا۔ اگر تم اِس کا اتباع نہ کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور مہاجرین کے واسطے تمکو وصیّت کرتا ہوں کہ لوگ بہت ہیں اور وہ تھوڑے ہیں۔ اور انصار کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ وہ دین کا گھر ہیں۔ اور اعراب کی بھی وصیّت کرتا ہوں کہ تمہارا اصل اور مادہ ہے۔ اور اہل ذمہ کی بھی وصیّت کرتا ہوں کہ وہ تمہارے نبیؐ کا طریق اور تمہارے کُنبوں کا رزق ہے" مسور بن مخرمہ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کو جبکہ اُن کی ایک اُنگلی زخمی تھی۔ مَیں نے کہتے ہوئے سُنا کہ "اے قریش کے لوگو۔ مَیں تم پر لوگوں سے کچھ خوف نہیں کرتا تم سے لوگوں پر خوف کرتا ہوں۔ تمہارے درمیان میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جبتک اُنکو لازم سمجھو گے نیکی کو پہنچو گے۔ حکم اور تقسیم میں فیصلہ اور انصاف کرنا اور تمہارے میں مَیں اونٹوں کی قطار کی روش چھوڑ چلا ہوں۔ خبردار کوئی قوم ٹیڑھی نہ ہو جائے ورنہ وہ روش بھی ٹیڑھی ہو جائیگی" غرض جو وصیّت اُنہوں نے اپنے جانشین کے واسطے کی اُس کا

کو پورا کرنا۔ اُن کی حفاظت کرنا۔ اُن کے دشمنوں سے لڑنا اور برداشت سے زیادہ اُن کو تکلیف نہ دینا تھا۔ اسکے بعد وہ ناطاقتی سے تھوڑی دیر کے واسطے خاموش ہو گئے۔ اور پھر اپنے بیٹے عبداللہ سے پوچھا کہ مجھے کس نے زخمی کیا۔ جب معلوم ہوا کہ ابولولو نے کیا ہے تو فرمایا کہ الحمد للہ وہ ایسا شخص نہ تھا جو خدا کی عبادت کے واسطے جھکا ہو۔ یعنی غیر مسلمان کے ہاتھ سے شہید ہوا ہوں۔ پھر عبداللہ کو کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس جا کر اُن سے اجازت مانگے کہ مجھے اپنے حجرے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیئے جانے کی اجازت دیں۔ اور کہا کہ اگر وہ اجازت نہ دیں تو مسلمانوں کے قبرستان بقیع میں مجھے دفن کر دینا۔ حضرت عائشہؓ نے اگرچہ کہا کہ حجرے میں ایک ہی قبر کی اور جگہ تھی جو میں نے اپنے لیئے رکھ چھوڑی تھی مگر حضرت عمرؓ کا وہاں دفن کیا جانا منظور کر لیا آخر تک حضرت عمرؓ نے اپنے خاندان کو خلافت سے جُدا رکھنے کا خیال پورا کیا۔ اپنے بیٹے عبداللہ کو اہل شوریٰ یعنی منتخب کرنیوالوں میں داخل تو کیا مگر اس شرط پر کہ وہ نہ منتخب ہونگے۔ اور وصیت کی کہ اے عبداللہ یاد رکھ اگر وہ (اہل شوریٰ) انتخاب میں اختلاف کریں تو تجھ کو کثرت رائے کا طرفدار ہونا چاہیئے۔ اگر اُن کی رائیں برابر ہوں تو تجھے عبدالرحمان کی رائے کا طرفدار ہونا واجب ہوگا۔" اس کے بعد لوگوں کو جو دروازے پر جمع ہو رہے تھے اندر آنے کی اجازت دی۔ جب لوگ آنے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے اُن سے پوچھا کہ میری موت کی سازش میں کوئی بڑا آدمی تو شریک نہیں تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر پکارا کہ "خدا نکرے"۔ حضرت علیؓ بھی دریافت حال کے واسطے آئے تھے اور وہ بیٹھے تھے کہ ابن عباسؓ بھی آ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ابن عباس سے پوچھا کہ اے ابن عباس اس معاملہ (انتخاب) میں تو میرے ساتھ متفق ہے یا نہیں۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ میں متفق ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ دیکھنا کہیں تم اور تمہارے ساتھی مجھے دھوکا نہ دیں۔ طبیب نے حضرت عمرؓ کو کھجور کا پانی پینے کو دیا مگر وہ جُوں کا توں زخم کی راہ سے نکل گیا۔ ناف کے نیچے کا زخم کاری لگا تھا اور اُس سے جاں بر نہ ہو سکے۔ آخری لمحوں میں جب اُن کا سر اپنے بیٹے عبداللہ کی گود میں تھا۔ یہ شعر پڑھ رہے تھے :-

ظلومٌ لنفسی غیر انی مسلم	اصلی الصلوٰۃ کلہا واصومُ
میرے نفس کے لیئے مشکل ہوئی ہوتی اگر میں مسلمان نہ ہوتا۔ مگر تمام نمازیں پڑھتا اور روزے رکھتا رہا ہوں ؛	

اور اسی طرح نیچی آواز میں کلمہ کا ورد کرتے رہے۔ اور اسی حال میں اُن کی پاک روح جسم عنصری سے علیحدہ ہو گئی اور اس دار فانی سے جنت بریں کو سدھاری۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۲۳ھ ہجری مقدس کے موسم کی چھبیسویں تاریخ تھی ؛

اس طرح پر وہ واقعہ ہو گیا جس کے سبب سے اسلام پر رونے والوں کو ہمیشہ رونے کے واسطے ایک وجہ ہو گئی۔ اُن کی وفات کے مرثیوں میں سے شماخ کا مرثیہ دل درد سے لکھا گیا ہے اور دل میں درد پیدا کرتا ہے ؛

ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

جزی اللہ خیراً من امیر وبارکت	ید اللہ فی ذاک الادیم المرق

خدا جزائے خیر دے اُسکو جو امیر المومنین ہے - اور خداوند تعالےٰ کا ہاتھ اُس جلد میں جو خنجر سے پارہ پارہ ہوگئی ہے برکت دے ؎

قضیت امورا ثم غادرت بعدها	بوائج فی اکمامها لم تفتق

تم نے اپنی خلافت میں بہت سے امور عظام کا فیصلہ کیا پھر اُن کے بعد اُن کے غلافوں اور پردوں میں ایسی حیثیتیں چھوڑیں جو اب تک ظاہر نہیں ہوئی تھیں ؎

ابعد قتیل بالمدینة اظلمت	له الارض تهتز الغضباه باسوق

کیا بعد ایسے مقتول کے جو مدینہ میں قتل ہوا اور جس کے لیئے تمام زمین تاریک ہوگئی بڑے بڑے درخت اپنے تنوں پر لہلہائینگے - (یعنی ایسا نہوگا کیونکہ اُن کا غم سب میں اثر کر گیا ہے)

تظل الحصان البکر یلفی جنینها	تباخبر فوق المطی معلق

پاکدامن شوہر دار عورتیں ایسے حال میں ہوگئی ہیں کہ اُن کے حمل کو اس خبر کی ہیبت نے جس کو شُتر سوار شہر بشہر لیئے پھرتے ہیں گرا دیا ہے ؎

وما کنت اخشی ان تکون وفاته	بکفی سبتی ارزق العین مطرق

اور مجھ کو یہ خوف نہ تھا کہ اُس کی موت ایک شخص جری اور ڈھیٹ اور گریہ چشم کمینہ کم قدر کے دونوں ہاتھوں سے ہوگی کیونکہ اُس کا مرتبہ اس سے بڑا تھا ؎

اسی طرح پر رونیوالے رویا کرینگے اور اُن کے اوصاف بیان کرنیوالے اُن کے اوصاف بیان کیا کرینگے - مگر وہ اتنے تھوڑے نہیں ہیں کہ بیان کرنے سے بیان ہو جائیں - عبداللہ بن سلام اُن کے جنازے پر اُس وقت آئے جبکہ لوگ جنازہ پڑھ چکے تھے تو کہنے لگے کہ اگر تم نے جنازہ میرے سے پہلے پڑھ لیا ہے تو اُسکی ثنا کہنے میں مجھ سے سبقت نہ لیجاؤ گے - اور کہنے لگے "اے عمر رضؓ تو اسلامی بھائی اچھا تھا - حق کا سخی تھا - باطل کا بخیل تھا - رضا کے موقع پر تو راضی ہوتا تھا اور ناراضی کے موقع پر ناراض - نہ تو کسی کا مداح تھا اور نہ عیب گو - تیرا دل اچھا تھا اور تیری آنکھ عفیف تھی" انگریزی مورخ کے الفاظ بھی ہمارے ہمدردی کریں گے جو اُنکی وفات کا واقعہ بیان کر کے لکھتا ہے کہ "اس طرح وفات پائی حضرت عمر رضؓ نے جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی دنیا میں سب سے بڑا ہے - کیونکہ یہ تمام اُنہیں کی دس سالہ خلافت میں تھا کہ اُن کی دانائی - صبر اور قوت اور سرگرمی سے شام - مصر اور ایران کی ولایتیں فتح ہوگئیں - حضرت عمر رضؓ نے اپنی خلافت کو ایسی حالت میں شروع کیا کہ وہ صرف عرب کے مالک تھے اور جب وفات پائی تو ایک اتنی بڑی سلطنت کے خلیفہ تھے جس میں ایران مصر اور اہل روما کی سلطنت کے عمدہ سے عمدہ صوبے شامل تھے - باایں ہمہ اس عظیم الشان خوش قسمتی کے زمانے میں

ایک عاقلانہ اور سنجیدہ فیصلوں کی ہم پلی تو نہیں چھوڑا۔ اور عرب نے ایک سردار کی نہایت شعار اور سادہ زندگی سے اپنے آپ کو نہیں بڑھایا۔ دُور مقامات سے جب کوئی اجنبی آتا تو مسجد کے صحن میں کھڑا ہو کر پوچھتا کہ "خلیفہ کہاں ہیں۔ حالانکہ وہ شاہنشاہ اپنی سادگی کے ساتھ وہیں موجود بیٹھا ہوتا تھا۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک دن ایک شخص کو بنی نساک سے راستہ میں جاتے ہوئے دیکھکر جو آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور سر اُٹھا کر نہیں دیکھتا تھا اور کسی سے کلام نہیں کرتا تھا پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔ کسی نے کہا کہ ناسک یعنی نیک مرد ہے۔ یہ سُن کر فرمانے لگیں کہ "خدا عمرؓ پر رحمت نازل کرے کہ وہ بھی نیک مرد تھا۔ جب بات کہتے تھے بلند کہتے تھے۔ جب راستہ میں چلتے تھے تو تیزی سے چلتے تھے۔ جب طعام دیتے تھے تو سیر کر دیتے تھے۔ اور جب مارتے تھے تو ایسا کہ درد ہوتا تھا۔" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ہی نے اُن کے ذکر میں ایک دن کہا کہ "وہ زود فہم تھے اور اس بناوٹ کے ایک ہی تھے۔ اپنے ہمعصروں کو اُنہوں نے معاملات کے واسطے تیار کیا۔" ابن عمرؓ کا مقولہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے عمرؓ سے زیادہ تیز اور کھرا کسی کو نہیں دیکھا۔" حضرت عثمانؓ کو کسی نے ایک دن کہا کہ آپ حضرت عمرؓ کی طرح کیوں نہیں ہوتے تو کہنے لگے کہ مجھے طاقت نہیں ہے کہ میں لقمان حکیم بن جاؤں۔ حضرت علیؓ نے ماہ رمضان میں مساجد میں قندیلیں دیکھیں تو کہنے لگے کہ "خدا عمرؓ کی قبر کو ایسا روشن کرے جیسا کہ اس نے مساجد کو روشن کیا ہے۔" سر ولیم میور کا قول ہے کہ "اسلامی مورخ اُس قوی اور یکطرفہ دل والے خلیفہ کو الوداع کہتے وقت اپنے دل سے آہ سرد نکالنے کا حق رکھتا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے ستاون ۵۷ برس کی عمر میں وفات پائی گو انگریزی مورخ پچپن برس اور بعض روایات میں تریسٹھ ۶۳ سال لکھی ہے۔ اُن کا زمانۂ خلافت ساڑھے دس سال کے قریب تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ رنگ کے گورے تھے۔ سفیدی میں بہت سُرخی ملی ہوئی تھی۔ قد میں آپ سب سے بلند تھے۔ سر کے بال کم تھے۔ ڈاڑھی سپید تھی اور حنا سے رنگ کرتے تھے۔ آپ کی جسمانی خصوصیتوں میں یہ امر تھا کہ دونوں ہاتھوں سے یکساں کام کرتے تھے۔ زر سے روایت ہے کہ عید کے دن میں مدینہ والوں کے ساتھ باہر گیا تو میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ ننگے پاؤں جا رہے تھے۔ بوڑھے سر پر کم بال۔ گندم گوں۔ دونوں ہاتھوں سے کام کرنے والے اور لوگوں سے اتنے اُونچے کہ گویا سواری پر ہیں۔ واقدی اس پر کہتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ حضرت عمرؓ گندم گوں تھے۔ شاید راوی مذکور نے اُن کو سال رمادہ میں دیکھا ہوگا کیونکہ زیتون کے کھانے سے رنگ متغیر ہو گیا ہوگا۔ ابو رجاء عطاردی سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ طویل جسیم سفید رنگ والے جسمیں سُرخی بہت ہو ہلکے رُخساروں والے (یعنی اُن کے رُخساروں پر گوشت کم تھا اور بڑی مونچھوں والے تھے جن کی طرفوں میں بھورا پن تھا۔ آنکھوں میں اُن کے سُرخی بہت تھی۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "حضرت عمرؓ کے کندے چوڑے تھے اور قد میں بلند کہ لوگوں کے گروہ سے اونچے نظر آ رہے ہوتے تھے۔ قدم اُن کا لمبا

پڑتا تھا اور صورت میں رعب داب تھا۔ طبعاً وہ جلدی کرنے والے اور غصہ ور تھے۔ غصہ کی حالت میں اپنی مونچھوں کو بٹ دیکر نیچے منہ میں لے آتے تھے۔ لیکن وقت نے اُن کی طبیعت کو نرم کر دیا تھا اور اس تحکمانہ اور رعب داب والی صورت کے نیچے اُن کا دل نرم اور ملنسار اور متواضع تھا"۔

طبری نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ازواج کی تعداد سات بیان کی ہے جن میں سے تین سے جاہلیت میں نکاح کیا تھا۔ اُن کے نام زینبؓ اور ملیکہ اور قریبہؓ لکھے ہیں۔ اور یہ کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو وہ اُن سے جدا ہو گئیں۔ اور مدینہ میں اُنہوں نے ام حکیم اور جمیلہ اور ام کلثوم دختر حضرت علی بنت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عاتکہ بنت زید چار عورتوں سے نکاح کیا۔

لیکن ایک دوسری تاریخ میں اُن کے ازواج کی تعداد چھ بیان کی گئی ہے۔ اور حالات میں بھی اختلاف ہے۔

پہلی زینب بنت مظعون جمحی رض جو عثمان اور قدامہ کی بہن تھی۔ جاہلیت میں اس سے نکاح کیا تھا۔ اسلام لائی اور ہجرت کر کے ساتھ گئی۔

دوسری عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل عدوی۔ آپ کے چچازاد بھائی کی بیٹی تھی اور سعید بن زید کی جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں بہن تھی۔ اُس سے جاہلیت میں نکاح کیا۔ وہ اسلام لائی اور ہجرت کر کے ساتھ گئی۔

تیسری اُم کلثوم جمیلہ بنت عاصم بن ثابت بن ابی اخلح انصاری۔ اس کا نام عاصیہ تھا اور حضرت عمرؓ نے اُس کا نام جمیلہ رکھا تھا اور بعض کا قول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نام رکھا تھا۔

چوتھی ام حکیم بنت حارث بن ہشام مخزومی۔ ابوجہل کی بھتیجی جس کا باپ اسلام لایا تھا۔

پانچویں اُم کلثوم ملیکہ بنت جرول خزاعی۔

چھٹی اُم کلثوم بنت علیؓ ابن ابی طالب۔ بعض نے اس کا نام رقیہ بیان کیا ہے اور وہ سیدہ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے پیٹ سے تھیں۔ اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے ان سے نکاح کیا۔

طبریؒ نے حضرت عمرؓ کی اولاد آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں لکھی ہیں۔ مگر دوسرے مورخ کا بیان ہے کہ نو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں جن کے نام عبداللہ۔ عبیداللہ۔ عبدالرحمن اکبر۔ عبدالرحمن اوسط۔ عبدالرحمن اصغر زید اکبر۔ زید اصغر۔ عیاض۔ عاصم اور بیٹیوں کے نام حفصہ۔ رقیہ۔ فاطمہ۔ زینب تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ اپنے باپ کے سب بیٹوں سے افضل تھے۔ اُن کی کنیت ابوعبدالرحمن تھی اُن کی ماں زینب بنت مظعون تھیں۔ اپنے باپ کے ساتھ صغر سنی میں اسلام لائے اور اپنے والدین کے ساتھ ہی ہجرت کی۔ بدر اور احد کے بعد سب لڑائیوں میں حاضر رہے کیونکہ ان دونوں لڑائیوں میں وہ کم سن تھے لیکن بعض نے ان کا اُحد میں حاضر ہونا بھی بیان کیا ہے مگر یہ قول ضعیف معلوم ہوتا ہے۔

وہ بہت بڑے عالم۔ مجتہد۔ عابد۔ سنّت پر پورے چلنے والے اور بدعت سے بھاگنے والے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے والے تھے۔ زہری کا قول ہے کہ ہم عبداللہ ابن عمرؓ کی رائے کے برابر کسی کی رائے کو نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور اصحاب کے حال سے کوئی چیز اُن سے مخفی نہ تھی۔ حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ عبادلہ (عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ عبداللہ بن زبیر۔ اور عبداللہ بن عمرؓ) اور صحابہ میں سے وہ سب سے زیادہ روایت کرنیوالے تھے سُنّت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر چلنے اور عمل کرنے کا اُن کو عشق نہ تھا بلکہ جنون تھا۔ یہاں تک پیروی کے دلدادہ تھے کہ جن کُوچوں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گزرے تھے وہاں سے وہ بھی گزرتے تھے اُنکے پانُوں پر پانُوں رکھتے تھے۔ جہاں بیٹھکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے وضو کیا وہاں اُنہوں نے بھی بیٹھکر وضو کیا اُن کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ جب تک اپنے باپ جیسے نہ ہوئے اُنہوں نے وفات نہ پائی ۔

سفیان ثوری عبداللہ بن عمرؓ کی ایک عجیب و غریب عادات بیان کرتا ہے کہ جب اُن کو اپنے مال سے کوئی چیز پسند آتی تھی تو اُس کو صدقہ کر دیتے تھے۔ اُن کے غلام اس بات کو جانتے تھے اور اس سے عجب طرح سے فائدہ اُٹھاتے تھے کہ نماز اور روزہ اور عبادت میں بہت سرگرمی ظاہر کرتے تھے۔ ابن عمرؓ جب یہ حال اُن کا دیکھتے تو اُن کو آزاد کر دیتے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ یہ تمکو دھوکا دیتے ہیں تو کہنے لگے کہ خُدا کی عبادت کرنے میں جو دھوکا دے اُس کا دھوکا کھا لینے میں کچھ عیب نہیں۔ اُن کے غلام نافع کا بیان ہے کہ اپنی زندگی میں اُنہوں نے دس لاکھ غلام آزاد کیئے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک ایک مجلس میں تیس تیس ہزار صدقہ کر دیتے تھے۔ اُن کے شرف کے واسطے اس سے زیادہ کیا چاہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کی نسبت فرمایا کہ "عبداللہ صالح آدمی ہے"۔ اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ "ہر اُمت میں عالم ہوتا ہے اس اُمت کا عالم عبداللہ بن عمرؓ ہے"۔ اپنی زندگی میں اُنہوں نے بڑے بڑے انقلاب دیکھے۔ مگر کسی امر خلافت میں دخل نہیں دیا۔ صحابہ کے درمیان جو جنگ اور لڑائیاں ہوئیں وہ اُن سب سے الگ رہے۔ اپنے مرنے کے قریب کہا کرتے تھے کہ مَیں اپنی زندگی میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جسپر افسوس کروں۔ اور اب اُسکے کرنے کا موقع نہ رہا ہو۔ بجز اسکے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ ملکر باغی گروہ سے لڑائی نہ کی۔ مکہ میں ۷۳ھ کے آخر یا ۷۴ھ ہجری کے آغاز میں اُنہوں نے وفات پائی۔ سبب اُن کی وفات کا یہ تھا کہ حاجیوں کے انبوہ میں اُن کے پانُوں میں نیزے کا پھل چُبھ گیا تھا۔ اُسکے زخم سے چند روز بعد وفات فرما گئے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دانستہ اُن کے پانُوں میں حجاج بن یوسف نے نیزہ چُبھوایا تھا۔ سبب اسکا یہ تھا کہ عبدالملک بن مروان بن حجاج کو ابن عمرؓ کے اقتدار کے واسطے کہا کرتا تھا۔ اور بعض موقعوں پر عرفہ وغیرہ میں ابن عمرؓ حجاج سے آگے ہوتے تھے اور یہ اُسکو شاق گزرتا تھا۔ پس حجاج نے ایک شخص مقرر کیا جس نے زہر میں بُجھا ہوا نیزہ کا پھل اُن کے پانُوں میں چبھویا۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دو ہزار چھ سو تیس (۲۶۳۰) حدیثیں

روایت کی ہیں۔ اصحاب کی ایک بڑی جماعت اور تابعین کے ایک گروہ نے اُن سے روایت کی ہے ؛

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے سالم۔ عبداللہ۔ عبید۔ عبدالرحمن عاصم۔ حمزہ۔ زید اور بلال تھے۔ ہر ایک اُن میں صاحب علم و فضل تھا۔ اور سالم سب پر فائق تھے۔ صحابہ کے بعد تابعین میں جو فقہائے سبعہ شمار کیے جاتے ہیں سالم اُن میں سے ایک تھے اور اپنے باپ سے بہت مشابہ تھے ؛

حضرت عمرؓ کا دوسرا بیٹا عبدالرحمن اکبر عبداللہؓ کا حقیقی بھائی تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُس نے دیکھا ہے۔ مگر کوئی حدیث اُس سے مروی نہیں ہے ؛

تیسرا عیاض تھا جس کی ماں عاتکہ تھی ؛

چوتھا عاصم تھا۔ اُسکی ماں جمیلہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوا۔ علم میں بھی عمدہ درجہ رکھتا تھا۔ اپنے باپ اور صحابہ سے حدیث روایت کی ہے اور اُن سے اُن کے بیٹوں حفص اور عبیداللہ اور اور لوگوں نے عمر بن عبدالعزیز انہیں کے نواسے تھے۔ عاصم نے ۱۰۰ھ ہجری مقدس میں وفات پائی ؛

پانچواں زید اکبر تھا۔ اس کی ماں اُم کلثوم بنت علی مرتضیٰ تھی۔ تیس برس کی عمر میں بنی عدی کی ایک لڑائی میں اُس کا سر پھٹ گیا اور چند روز بعد اُس نے اور اُس کی ماں نے ایک ہی دن وفات پائی ؛

چھٹا زید اصغر اُم کلثوم بنت جرول سے تھا ؛

ساتواں عبیداللہ اس کی ماں بھی اُم کلثوم بنت جرول تھی۔ یہ نہایت دلیر اور جنگجو شخص تھا۔ حضرت عمرؓ جب شہید ہوئے تو عبدالرحمان بن ابوبکرؓ نے اُن سے کہا کہ ایک دن اُس نے ابولولو کو ہرمزان اور جفینہ کے ساتھ جو حیرہ کا ایک عیسائی تھا باہم مشورہ کرتے دیکھا ہے اور اُن کے پاس ایک دو رُخا یا دو طرفہ خنجر تھا۔ اس سے ان کو حضرت عمرؓ کے قتل کی نسبت سازش کا شبہ ہوا اور تلوار لیکر ان دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے سامنے اس کا مقدمہ ہوا۔ حضرت علی علیہ السلام اور بعض اصحاب کی رائے تھی کہ عبیداللہ کو قصاص میں قتل کرنا چاہیئے مگر عمرو بن العاص وغیرہ نے اس سے مخالفت کی اور فدیہ دلوا دینے کی تجویز ٹھہری۔ عبیداللہ ۳۷ھ ہجری تک زندہ رہا اور صفین کی لڑائی میں معاویہؓ سے ملکر لڑا اور مارا گیا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اُسکے دل میں وہ بچ رہ گیا تھا ؛

آٹھواں عبدالرحمان اوسط جو لیلیٰ لونڈی کے شکم سے تھا۔ کنیت اُسکی ابوشحمہ تھی۔ اسی کو حضرت عمرؓ نے مدماری تھی جو واقعہ بیان ہو چکا ہے ؛

نواں عبدالرحمان اصغر۔ اسکی ماں بھی ام ولد تھی ؛

حضرت عمرؓ کی بیٹیوں میں سے اوّل حضرت حفصہؓ عبداللہ اور عبدالرحمن اکبر کی بہن ہیں جن کا نکاح اوّل تمہر خنیس بن حذافہ سہمی سے ہوا تھا اور اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ آئی تھیں۔ خنیس کا مدینہ میں انتقال ہو گیا تو جناب رسول اللہ صلعم نے دوسرے سال ہجرت میں اُن سے نکاح کیا۔ ساٹھ حدیثیں اُن سے مروی ہیں۔ مدینہ میں ۴۵ھ ہجری میں فوت ہوئیں ؛

دوسری رقیہ ہیں جو زید اکبر کی حقیقی بہن ہے ابراہیم بن نعیم سے اُن کا نکاح ہوا تھا۔

تیسری فاطمہ اُم حکیم کے پیٹ سے۔ ان کا نکاح ان کے چچازاد بھائی عبدالرحمان بن زید بن خطاب سے ہوا تھا۔

چوتھی زینب جوام ولد فکیہ کے پیٹ سے تھی۔ عبداللہ بن عبداللہ بن مسراقہ عدوی سے اِن کا نکاح ہُوا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد ذکور میں سے عبداللہ اور عبیداللہ اور عاصم کی اولاد رہی اور خدا نے اُن کی نسل سے بڑے بڑے علما۔ اور صلحا اور حافظِ حدیث اور حامل آثار اور صاحب جاہ پیدا کیئے۔ ہندوستان میں بھی بہت سے فاروقی خاندان موجود ہیں۔ دہلی کے چراغ اور فخر شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی خاندان کی پُرفیض نشانی تھے اور دکن کے مُلک حیدر آباد کے اس زمانے کے مدارالمہام اور وزیر اعظم

ہز اسلنسی نواب محمد مظہر الدین خان رفعت جنگ بشیر الدولہ عُمدۃ الملک اعظم الامرا امیر سریر سر آسمان جاہ بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی

کا

سلسلۂ نسب حضرت **فاروق اعظم** رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک پُہنچتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے خطوط اور خطبات کا ذکر کرنے سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اُن کے خطوط اور خطبات کو اس کتاب میں نقل کریں۔ کیونکہ وہ اتنے تھوڑے نہیں ہیں کہ بجائے خود ضخیم کتابوں سے کم میں اُن کی گنجایش ہو سکے حضرت عمرؓ کے خطوط بے شمار ہیں جو سرداران فوج اور عمال کو لکھتے تھے۔ ضروری امور پر جو خطوط لکھے جاتے تھے اور جنگ اور صُلح اور قیام اور کُوچ اور معاہدوں اور شرطوں کی نسبت ہوتے تھے وُہی گنتے مشکل ہیں اس کے سوا عدالتی امور کے فیصلے اور امور اہم اور واقعات کی اطلاع پر بہت خطوط لکھے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ عام طور پر ہدایات ضروری اور پند و نصائح اور تحسین اور ملامت وغیرہ مضامین پر اسیقدر خطوط لکھے جاتے تھے اُن کے خطوط میں خوبی یہ تھی کہ عموماً اختصار لیئے ہوتے ہوتے تھے۔ اور اسلامی دُنیا کے فرامین اور احکام

اور زید بن ثابت تھے ؛

خطبات حضرت عمرؓ کے جو جمعہ کے دن اور اسلامی تقریبات اور اَور مختلف موقعوں پر کہے گئے ہیں بہت کثرت سے ہیں۔ اُن میں بھی پند و نصائح اور امور ضروری کا ذکر اور بیان ہوتا تھا۔ اِس زمانے میں گو خطبہ کو جو جُمعہ اور عید کے دن پڑھا جاتا ہے چند خاص الفاظ میں محدود کر دیا گیا ہے مگر حضرت عمرؓ کے خطبے اِس بات کا ثبوت ہیں کہ ہر ایک قسم کے اخلاقی اور علمی اور مُلکی وغیرہ تذکروں اور ہدایتوں کے واسطے وہ نہایت وسیع گنجایش رکھتے تھے۔ اور مجالس اور جلسوں کی ضروریات کو پُورا کرتے تھے۔ اُن کے خطبات سے اُن کی فصاحت و بلاغت اور علم و تجربہ اور برجستہ گوئی کی قوت معلوم ہوتی تھی ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اقوال جو کتابوں میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں وہ انہیں خطوط اور خطبات اور عام طور پر جو اُنہوں نے لوگوں کو پند و نصیحت کے طور پر فرمائے ہیں اخذ کیے گئے ہیں اُن میں سے چند اقوال ہم ذیل میں درج کریں گے۔ بلاشُبہ ایک ایسی بُزرگ اور کامیاب زندگی کے وہ ایسے اقوال ہیں اور اِس قابل ہیں کہ اُن کو آبِ زر سے لکھا جائے۔ اور ہر ایک شخص ہر زمانے میں اُن کو اپنی زندگی کا راہ نما اور اصول مقرر کرے ؛

اقوال

قوت فی العمل یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑا جائے۔ امانت یہ ہے کہ باطن ظاہر کے مخالف نہ ہو۔ پرہیزگاری بچنے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اُسے بچاتا ہے ؛

اے لوگو۔ علم کا حاصل کرنا لازمی سمجھو۔ یہ ایک چادر ہے جو خُدا طالب علم کو اُڑھاتا ہے ؛

ایک عالم کی موت جو اللہ کے حلال و حرام کو جانتا ہو۔ ہزار عابد قائم اللیل۔ صائم النہار کی موت سے زیادہ افسوسناک ہے ؛

مَیں اِس اُمت پر کسی امر کا اتنا خوف نہیں کرتا جتنا کہ ایک عالم منافق کا۔ جس کا علم اُس کی زبان پر ہو اور دل جاہل ہو ؛

علم ریا اور فخر اور سرکشی کے واسطے نہ سیکھنا چاہیئے اور اُس کے طلب میں شرم نہ کرنی چاہیئے ؛

تمیم داری کو اُنہوں نے پوچھا کیا چیز سرداری کرتی ہے۔ اُس نے کہا عقل۔ حضرت عمرؓ نے کہا سچ کہا ؛

علم نجوم کو بحر و بر میں راستہ تلاش کرنے کے واسطے سیکھو اَور غرض سے نہیں ؛

جو شخص زیادہ ہنسے اُسکی ہیبت کم ہوتی ہے۔ جو تمسخر کرے اُسکو لوگ خفیف سمجھتے ہیں ؛ جو زیادہ گو ہے زیادہ غصہ ور ہوتا ہے۔ جو زیادہ غصہ ور ہوتا ہے وہ کم لحاظ ہوتا ہے۔ جو کم لحاظ ہو وہ پرہیزگار کم ہوتا ہے۔ جو پرہیزگار نہو اُس کا دل مُردہ ہوتا ہے ؛

اِس سے بڑھکر کوئی گمراہی نہیں کہ لوگوں کو اُس بات کی تہمت لگائے جو آپ کرتا ہو اور عیب وہ نکالتا ہو جو خود اُس میں ہوں اور لایعنی باتوں سے وقت ضائع کرتا ہو ؛

جو شخص حرص اور طمع اور غضب سے بچا اُس نے مخلصی پائی ؛

امام کے علم سے زیادہ کوئی علم اللہ کو پیارا اور نفع بخش نہیں ہے اور امام کی جہالت سے زیادہ بُری اور مضر کوئی شے نہیں ہے ؛

تواضع یہ ہے کہ مُسلمانوں کو پہلے سلام کہے۔ مجلس میں کم تر جگہ پر بیٹھے اور خوشامد کو بُرا سمجھے ؛

طمع فقر ہے اور بے غرضی غنا ہے ؛

اُس شخص پر خُدا رحمت کرے جو اپنے بھائی کو اُس کے عیبوں سے مطلع کرے ؛

فاجر کی صحبت نہ کر اور اپنا راز اُسے نہ بتا۔ نیک سے مشورہ لے ؛

اپنے نفسوں سے حساب کرو پیشتر اِس کے کہ تمہارا حساب ہو ؛

توبۃ النصوح یہ ہے کہ بُرے عمل سے ایسی توبہ کیجائے کہ اُسپر پھر عمل نہ ہو ؛

حاکموں میں سعید وہ ہے جسکی رعایا سعید ہو ؛

کوئی شخص اللہ کے حُکم کو لوگوں میں نہیں قائم کرسکتا جب تک مضبوط ارادہ والا اور تجربہ کار نہو۔ لوگ اُسکے عیبوں پر مطلع نہ ہوں۔ حق کہنے میں کسی بڑے آدمی سے اور کسی کی ملامت سے نہ ڈرے ؛

ایمان باللہ کے بعد سب سے اچھی چیز نیک خلیق۔ محبت کرنے والی اور صاحب اولاد عورت ہے اور کُفر کے بعد سب سے بُری چیز بدخُلق اور زبان دراز عورت ہے ؛

جو کلمہ تیرے مُسلمان بھائی کے مونہہ سے نکلے جب تک اُس کا اچھا محمل پاسکتا ہے اُس کو شرارت نہ خیال کر ؛

تین چیزیں تیری دوستی کو تیرے بھائی کے دل میں پختہ کریں گی۔ جب اُس سے ملے سلام کہنے میں پیشدستی کرے۔ اُس کو پسندیدہ نام سے بُلائے اور اپنی مجلس میں اُس کے واسطے جگہ فراخ کرے ؛

مَیں پسند کرتا ہوں کہ ایک شخص اپنے کُنبہ میں بچے کی طرح ہو اور جب کاروبار میں ہو تو مرد کی طرح ؛

آدمی تین قسم کے ہیں۔ کامل۔ کاہل اور لاشئے۔ کامل وہ صاحب الرائے ہے جو لوگوں سے بھی مشورہ لے اور اُن کی رائے کا موازنہ کرے۔ اُس سے کم وہ صاحب الرائے (کاہل) ہے جو اپنی رائے پر

خشوع دل میں ہوتا ہے۔ جو شخص لوگوں کے واسطے دل سے زیادہ اپنا خشوع ظاہر کرے وہ اپنے نفاق کا اظہار کرتا ہے ؛

آدمی کے نماز و روزے کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے۔ اُس کی عقل اور سچ کی طرف دیکھنا چاہیئے آدمی کی عزت اُس کا دین ہے۔ اُس کا حسب اُس کا خُلق خواہ فارسی ہو یا نبطی ؛

بُرے آدمیوں کے ملنے سے ہجرت کرنے میں آرام ہے ؛

جو شخص خود کہے مَیں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔ جو خود کہے مَیں بہشتی ہوں وہ دوزخی ہے ؛

گیت سوار کا زادِ راہ ہے ؛

لڑکا سات سال میں دانت نکالتا ہے۔ چودہ سال میں بالغ۔ اکیس سال میں قد پورا ہوتا ہے۔ اٹھائیس سال میں عقل پوری ہوتی ہے۔ اور کامل آدمی چالیس سال میں ہوتا ہے ؛

آج کے کام کو کل پر مت چھوڑ کیونکہ تیرے پر بہت کام ہو جائینگے اور ضائع بھی ہو جائینگے ؛

حرص کی پیروی سے بچنا۔ کیونکہ آدمی کی خواہشیں پے در پے ہوتی ہیں ؛

زاہدوں کے اقوال کو لکھو۔ کیونکہ اللہ نے اُن پر فرشتے مقرر کیئے ہوئے ہیں جو اُن کے مُنہ پر ہاتھ رکھے رہتے ہیں۔ اور خلاف حق کوئی بات نہیں کہنے دیتے ؛

قرآن کی تفسیر اور رسُول اللہ سے روایت تھوڑی کیا کرو۔ اس میں مَیں بھی تمہارا شریک ہوں ؛

احمق کی دوستی سے بچنا جو نفع کے ارادے سے نقصان کر بیٹھتا ہے ؛

چار چیزوں کا واپس آنا ممکن نہیں۔ کہی ہوئی بات۔ واقع ہو چکا امر۔ چھٹا ہوا تیر۔ گزری ہوئی عمر ؛

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کلام اکثر "اللہ اکبر" ہوا کرتا تھا ؛

تمبیہ

حیاتِ نورجہاں

کون شخص ہے جو نورجہاں کے پیارے نام سے واقف نہیں اور اُس کے تذکرے کو سُننا نہ چاہتا ہو؟ اس میں نورجہاں کی سوانح عمری ہے گویا پیدائش سے اخیر تک کے تمام حالات مع تصویر کے درج ہیں اسکے مصنف نواب عماد نواز جنگ صاحب بہادر ہیں ۲/

حیات فردوسی

یعنی حکیم ابوالقاسم فردوسی کی سوانح عمری۔ اس کی شاعری کے حالات اور نامی شعراء سے مقابلہ جسکو مرزا حیرت دہلوی نے بڑی تحقیقات اور محنت سے تصنیف کیا ہے قابل دید ہے ۸/

نپولین بوناپارٹ

فرانس کے عظیم الشان بہادر اور یورپ کے جنگجو سپاہی بادشاہ کی سوانح عمری ۲/

مُصنفان اسلام

بیالیس نہایت سربرآوردہ مصنفان اسلام کے مختصر حالات مع دیباچہ کے ۲/

تذکرہ امیر

یعنی حالات و سوانح ضیاء الملۃ والدین امیر عبدالرحمن خاں والی دولت خداداد افغانستان جس میں ابتدا سے تاریخ افغانستان اور تمام قبائل کے حالات درج ہیں اور بہت ضروری فوٹو بھی دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ جس قدر افغانستان کے متعلق لڑائیاں ہوئی ہیں سب کی جامع تاریخ۔ اور تمام عہدناموں کی نقل بھی شامل ہے .. .. عا ۸/

البرامکہ

یعنی خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے نامور وزرا یحییٰ فضل اور جعفر برمکی کی مفصل سوانح عمری کا پہلا۔ دوسرا۔ اور تیسرا حصہ اس کتاب کے پہلے حصہ میں یحییٰ۔ دوسرے حصہ میں فضل تیسرے میں جعفر برمکی کی سوانح عمری اور اُن مراتب کی تفصیل ہے جو اسباب زوال برامکہ اور حضرت عباسیہ کی شادی کے غلط واقع کی تحقیقات سے متعلق ہیں مع اصل عکسی تصویر جعفر بن یحییٰ برمکی کے۔ مجلد سنہری .. .. .. ۸/ ملے ر۔ سادی جلد .. .. عا ۸/

تذکرۃ الاولیاء اُردو

اس کتاب کے سوا چھ سو صفحے ہیں۔ اس میں ایک سو کے قریب ولیوں کے تذکراتِ زندگی اور اُن کے نہایت مؤثر اقوال و حالات مندرج ہیں ایک دفعہ اسے ہاتھ میں لے کر پڑھنا شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہزارہا نکات ہیں۔ اس کا مطالعہ صرف طبیعت کا عمدہ بہلاؤ ہی نہیں۔ بلکہ اس سے طبیعت پر ایک نہایت پاک اور حقیقی اثر پیدا ہوتا ہے جو انسان کے لئے بہت فائدہ بخش ہے یہ کتاب کوئی مسائل کی مستند کتاب نہیں۔ اس میں خدا تعالےٰ کے پاک لوگوں کے عمل تجربے اور مشاہدے بھرے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو موت اور اُسکے بعد کیوقت اور حالات پر چون وچرا کرتے ہیں اور یہ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ موت کے بعد کچھ بھی نہیں اور اگر کچھ ہے تو اُس کی حالت بے معنی بتلاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے لارڈوں فاسفروں اور منطقیوں کی کتابوں اور تذکروں کے مطالعہ سے محض اپنے خیالات کو خراب کر لیتے ہیں۔ اس کتاب کو شروع سے اخیر تک تامل سے پڑھیں اور اُس پر غور و تدبیر کریں .. .. .. عہ ۸/

حالات ذوق

شیخ ابراہیم ذوق ملک الشعراء ہند کے حالات بڑی بڑی تحقیق کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں ۴/

حالات سودا

ملک الشعراء ہند مرزا رفیع سودا۔ مشہور ہجوگو کے حالات ۶/

سیرۃ النعمان

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری حصہ اول و دوم۔ اس کتاب کے پہلے حصہ میں امام صاحب کا نام و نسب و ولادت و سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ حدیث۔ درس و تدریس بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات۔ وفات۔ عام اخلاق و عادات۔ مناظرات و فتاوے ذہانت و طباعی اس قسم کے تمام حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں۔ دوسرے حصہ میں امام صاحب کے احوال اور رسائل سے جو علم و کلام اور فن حدیث کے متعلق ہیں تفصیلی بحث ہے۔ اور واقعات و رسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ فن حدیث میں آپ کا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہے۔ جس میں تدوین فقہ کے تاریخی حالات کے ساتھ وہ تمام خصوصیتیں تفصیلاً بیان کی گئی ہیں جنکی وجہ سے فقہ حنفی کو اور فقہوں پر ترجیح حاصل ہے۔ خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے حالات درج ہیں۔ مؤلفہ شبلی نعمانی .. .. عہ/ ۵

المامون

اس کتاب کے دو حصے ہیں حصہ اول تمہید۔ تربیت خلافت۔ مامون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت۔ ولیعہدی تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کی ملکی حالات اور مامون رشید کی تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نیز اُن کارناموں کی تفصیل ہے جن کی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہان عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے مرتبہ شبلی نعمانی صاحب .. .. عہ/

ذکر ممدوح

حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرہ ہند کی صحیح صحیح معتبر اور قابل دید سوانح عمری ۸/

آئینہ سکندری

سکندر اعظم شاہ مقدونیہ کی نہایت معتبر اور قابل دید سوانح عمری ۸/

عالمگیر

دیباچہ۔ ولادت بچپن اور شہزادگی۔ گورنری اور سپہ سالاری۔ خانہ جنگیاں۔ راجپوت۔ مرہٹے۔ دکن۔ انتظام مملکت۔ کیرکٹر یعنی ابو المظفر محمد محی الدین شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی سوانح عمری جس میں مندرجہ بالا مضامین ہیں ۶/

المشتہر

خاکسار فضل الدین کلکزئی تاجر کتب قومی

مالک اخبار اشاعت

بازار کشمیری

لاہور

٩١٢٤

سيرة الفاروق